بَرِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

جنوری ۲۰۲۶ء | رجب المرجب ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں

حضرت ابو العالیہؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیں، آپؓ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی کتاب کو امام بنالو اور اس کے قاضی اور فیصلہ کرنے والا، حکم ہونے پر راضی رہو کیونکہ اسی کو تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔ یہ ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش مانی جاتی ہے اور ایسا گواہ ہے جس پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اس میں تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ ہے اور اس میں آپ کے جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور اس میں تمہارے بعد والوں کے حالات ہیں۔

جو بندہ بھی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز اس کو وہاں سے دیتے ہیں جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو بندہ کسی چیز کو ہلکا سمجھ کر اسے وہاں سے لے لیتا ہے جہاں سے لینا ٹھیک نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اس سے زیادہ سخت چیز وہاں سے دیتے ہیں جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

مومن چار حالتوں کے درمیان رہتا ہے۔ اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو صبر کرتا ہے اور اگر نعمت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور اگر بات کرتا ہے تو سچ بولتا ہے اور اگر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو انصاف والا فیصلہ کرتا ہے۔ اور ایسے مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (النور: ۳۵)۔ یہ مومن پانچ قسم کے نوروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کا کلام نور ہے اور اس کا علم نور ہے۔ یہ اندر جاتا ہے تو نور جاتا ہے، یہ باہر نکلتا ہے تو نور سے باہر نکلتا ہے اور قیامت کے دن یہ نور کی طرف لوٹ کر جائے گا اور کافر پانچ قسم کی ظلمتوں (اندھیروں) میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کا کلام ظلمت ہے، اس کا عمل ظلمت ہے اور اندر جاتا ہے تو ظلمت میں اور باہر آتا ہے تو ظلمت سے اور قیامت کے دن یہ بے شمار ظلمتوں کی طرف لوٹ کر جائے گا۔''

(ابو نعیم فی الحلیۃ: ج، ص ۲۵۳۔۲۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’ہر مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے سوائے اس شخص کے جو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں سرحد پر پہرہ دیتا ہے۔ یقیناً اس کا عمل تا روزِ قیامت بڑھایا جاتا رہتا ہے اور قبر کی آزمائش سے بھی اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔‘‘ (رواہ الترمذی وابوداود واحمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۹، شمارہ نمبر: ۱

جنوری ۲۰۲۶ء — رجب المرجب ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا انیسواں ۱۹ سال!

اس شمارے میں

اداریہ

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے! 5

تزکیہ و احسان

اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 7

آخرت

موت و ما بعد الموت 12

اسوۂ حسنہ

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں 18

نشریات

امتِ مسلمہ اور اہلِ صومالیہ کے نام پیغام 22

فکر و منہج

جنگی اسٹریٹجی کے ۳۳ رہنما اصول 24

عالمی تبدیلیوں کے تناظر میں اسلام کا مستقبل 30

مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 34

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی 39

عالمی منظر نامہ

اسرائیل صومالی لینڈ تعلقات 49

بوسنیا کی جنگ میں سنائپر سفاری کا خونی کھیل 51

اخباری کالموں کا جائزہ 52

ہے کون کتنے تیل میں! 61

طوفان الاقصیٰ

القدس تو ایک دلہن ہے جس کا مہر ہمارا خون ہے! 63

مسلمان مجاہدین کا ہاتھ سڈنی تک جا پہنچا 66

سڈنی حملہ: کیا ہمارا طرزِ عمل درست ہے؟ 68

تا بہ منزل صرف دیوانے گئے 69

من وراء الملثم! 73

ابو عبیدہ: مسکن مرا آسماں ہو گیا! 75

غزہ بنے گا ایک اور بنتوستان 76

افغان باقی کہسار باقی...... الحکم للہ والملک للہ

عمرِ ثالث 78

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

ایک اہم پیغام پاکستانی مجاہدین کے نام 82

جوابِ شکوہ 85

یہ ابال بیٹھ جائے گا! 86

نقطۂ نظر

سوشل میڈیا: دشتِ بے آب میں اِک سراب 90

ناول و افسانے

الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 95

وغیرہ وغیرہ

اِک نظر اِدھر بھی 101

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

'غزوۂ ہند' تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس 'غزوے' کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ 'غزوۂ ہند' کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے غزوۂ ہند' ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے!

دنیا کے حالات اس قدر تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں کہ جس کی نظیر انسانی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ملتی۔ صبح کا قصہ شام کو اور آج شام کا کل صبح یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی قصہ ٔ پارینہ۔ دنیا تبدیل ہو رہی ہے اور بہت تیز تبدیل ہو رہی ہے۔ لیکن ان سب تبدیلیوں میں ایک بات اٹل ہے، وہ بات باطل کے مغلوب ہونے اور حق کے غالب ہونے کا فیصلہ ہے جو لوحِ ازل پر روزِ ازل یا اس سے بھی قبل لکھ دیا گیا تھا۔ دنیا چشمِ سر سے دیکھ رہی ہے کہ ایک عظیم تبدیلی واقع ہونے کو ہے۔ کسی کی نظریں ارضِ شام پر لگی ہیں، تو کوئی دریائے فرات کا پانی ناپ رہا ہے۔ آبنائے باب المندب کے دونوں کناروں پر زمین سرخ ہونے کو ہے۔ سندھ و ہند کی زمین میں فساد اپنے جوبن پر ہے، ایک طرف قانونِ الٰہی کی جگہ قانونِ باطل کو نافذ کر کے اسی باطل کو حق کہنے کی جسارت ہے تو دوسری طرف واضح کفر، بت پرستی و شرک ہے۔

مغربِ بعید میں امریکہ، ہمیشہ سے زیادہ خود سر ہو کر 'أنا ربكم الأعلىٰ' ڈکارتا ہوا اپنے پڑوسیوں کے گھر میں گھس بیٹھا ہے۔ امن، انصاف، عدل، مساوات کا خوگر امریکہ، انسانی حقوق کا چیمپئن امریکہ، وینزویلا کے صدر کے گھر رات کے اندھیرے میں گھس کر اس کو اور اس کی بیوی کو اٹھا کر لے جاتا ہے، تشدد کرتا ہے اور دیدہ دلیری دیکھیے، مادورو کی بیوی کو تشدد زدہ چہرے سمیت امریکہ کی ایک نام نہاد 'عدالت' میں پیش کرتا ہے۔ غزہ میں جاری تاریخِ انسانی کے بدترین قتلِ عام کو رکوانے کی خاطر نام نہاد 'اقوامِ متحدہ' میں پیش ہوئی ہر قرار داد کو امریکہ ویٹو کرتا ہے۔ عالمی بدمعاش غزہ کی خاطر ایک امن کمیٹی تشکیل دیتا ہے، جس میں وہ زمانے کے سب بڑے بڑے ڈاکوؤں کو رکن بناتا ہے اور بنا کسی شرم کے ان سب ڈاکوؤں سے اس امن کمیٹی کی رکنیت کے بدلے میں ایک ارب ڈالر بھی مانگتا ہے۔ امریکہ اعلانیہ گرین لینڈ پر قبضہ کر کے اس کی معدنیات کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جو اس سب کا عینی شاہد نہیں؟

اسی امریکہ کو اور اسی امریکہ کے سب سے بڑے بدمعاش ٹرمپ کو، ان سب عالمی بدمعاشیوں کے بعد پاکستان کا شہباز شریف (عاصم منیر کی اجازت سے)، امارات کا ابنِ زاید، سعودی کا ابنِ سلمان، قطر کا تمیم، مصر کا سیسی، اردن کا عبد اللہ اور ترکی کا اردگان، امن کا تمنائی اور امن کا قائم کرنے والا اور امن کا رکھوالا کہتا ہے۔

مخبرِ صادق علیہ ألف صلاۃ وسلام نے فرمایا تھا:

> ''سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ قِيلَ وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ قَالَ الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ.'' (سنن إبن ماجة)
>
> ''عنقریب لوگوں پر دھوکے سے بھرپور سال آئیں گے۔ ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔ بد دیانت کو امانت دار سمجھا جائے گا اور دیانت دار کو بد دیانت کہا جائے گا۔ اور رُوَيْبِضَه باتیں کریں گے، کہا گیا: رُوَيْبِضَه (کا مطلب) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حقیر و کمینہ آدمی جو عوام کے معاملات میں رائے دے گا۔''

ذرا غور فرمایئے، ٹرمپ سے لے کر اس کے سبھی غلاموں تک پر کیا یہ فرمانِ نبویؐ صادق نہیں آتا؟ کیا تاریخ نے ٹرمپ اور اس کے خادم و غلام شہباز شریف و تمیم و ابنِ زاید وغیرہ سے اسفل لوگ کبھی دیکھے تھے؟ کیا ان سا کوئی حقیر پہلے کرسی ٔ اقتدارِ عالم پر براجمان ہوا تھا؟

ہر برائی کی ایک انتہا ہوتی ہے اور جب تک وہ برائی اپنی انتہا کو نہ پہنچے، اس کا سفر زوال شروع نہیں ہوتا۔ دنیا کے تبدیل ہوتے حالات کو سمجھنے کے لیے کوئی بہت بقراط ہونا ضروری نہیں، نہ ہی ان کو دیکھنے کے لیے کسی جمشید کے جام کی ضرورت ہے۔

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے، یہ جوئے خوں ہے!
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

دنیا تبدیل ہو رہی ہے، اولڈ ورلڈ آرڈر کے بعد آنے والا نیو ورلڈ آرڈر بہت جلد گرنے والا ہے، اس تہذیبِ نو کو کوئی نہ گرائے تب بھی یہ تہذیب بد اپنے ہی بے ہنگم جثے کے وزن سے گر جائے گی۔ لیکن اس سب منظر نامے میں سوال دو ہیں!

ہم بطورِ مسلمان من جانب اللہ، اللہ کی عبادت کے مکلف ہیں اور اسی عبادت میں صوم و صلاۃ و زکاۃ کی مانند جہاد و اقامتِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے پابند بھی۔ یعنی دنیا سے ہر باطل کو مٹانے اور حق کو غالب کرنے کی کوشش کے، شرعی طریق و منہج کے مطابق مکلف۔ تو دنیا کے ان بدلتے حالات میں، ہم اہلِ اسلام کیا کر رہے ہیں؟

دوسرا، نظامِ باطل میں سرِ فہرست امریکہ اور اس کے اعوان و انصار کے انہدام کے بعد ہم اہلِ اسلام جن کی شانِ حقیقی ’كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ‘ ہے، دنیا کی زمامِ اقتدار سنبھالنے کے لیے کیا انتظام رکھتے ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو وہ تعلیم و تربیت دے رہے ہیں اور وہ فکر و ہنر سکھا رہے ہیں جس کا تقاضا مستقبل کو ہم سے ہے؟

ان سوالوں کے بعد پھر سچی بات یہ ہے کہ اجتماعی فائدے سے زیادہ، ہم سب ذاتی حیثیت میں کیا کیا کر رہے ہیں؟ باطل ٹوٹ رہا ہے، حق غالب آ رہا ہے، تو اگلا سوال یہ ہے کہ راقم و قاری اپنی اپنی حیثیت میں اس ’فی سبیل اللہ‘ فریضے کی خاطر کیا کر رہے ہیں؟ زمانہ، بقولِ اقبالؒ ہم سے مخاطب ہو کر ہم سے کہہ رہا ہے:

ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ

نہ تھا اگر تُو شریکِ محفل، قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡـًٔـا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۴)

”بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دیجیے کہ ت م ایمان نہیں لائے البتہ تم یہ کہو کہ تم مسلمان ہو گئے ہو، جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں نہیں اترا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو گے تو وہ تمہارے کاموں میں کچھ بھی کم نہ کرے گا، بلاشبہ اللہ بہت بخشش کرنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔“

اسلام اور ایمان

اسلام اور ایمان کا فرق

اسلام اور ایمان بڑی حد تک ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ان کو کچھ فرق کے ساتھ بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے آغاز میں درج کی ہے، اس کو حدیث جبرئیل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات کیے کہ ان کے جوابات سے حضرات صحابہؓ کے سامنے ان کی زبان مبارک سے پورے دین کا خلاصہ ہو جائے، ان ہی سوالات میں ایک سوال اسلام کے بارے میں تھا، اور ایک ایمان کے بارے میں، اسلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تھا:

”أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمد رسول الله وتقيم الصلوة وتؤتي الزكوة وتصوم رمضان وتحج البت إن استطعت إليه سبيلا۔“[1]

”تم زبان سے اس کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، تم نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو۔“

ایمان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ تھا:

”أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره۔“

”تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور بھلی یا بری تقدیر پر۔“

ان دونوں ارشادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے اور دین ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، نہ ایمان کے بغیر اسلام کا تصور ممکن ہے، اور نہ ایمان اسلام کے بغیر مکمل ہو سکتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں ، عقائد کی درستگی دین کی بنیاد پر ہے اور اعمال کے بغیر اس بنیاد پر تعمیر نہیں ہو سکتی، اسلام کی عمارت ان دونوں سے مل کر مکمل ہوتی ہے، اگر عقائد درست ہیں لیکن اعمال میں کوتاہی ہے تو یہ فسق ہے اور اگر عقائد ایمان کے مطابق نہیں ہیں اور اعمال اسلامی ہیں تو یہ نفاق ہے۔

اسلام لانے والوں کی قسمیں

زمانہ نبوت میں جب اسلام کا بول بالا ہوا، اور ”يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ أَفۡوَاجاً“[2] کا سماں بندھ گیا تو کافروں کی ایک بڑی تعداد اسلام میں صرف اس لیے داخل ہوگئی تاکہ اس کو ہر طرح منافع حاصل ہو سکیں ، اور اسلامی معاشرہ میں ان کو قدر و منزلت حاصل ہو، ان میں بڑی تعداد بعد میں مخلص مسلمان ہوگئی اور ایک تعداد ان لوگوں کی باقی رہی جو صرف ظاہری طور پر مسلمان تھے، اور ایک تعداد ان دشمنوں کی بھی تھی جنھوں نے اسلام کا لبادہ صرف اس لیے اوڑھا تھا تاکہ وہ مسلمان بن کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کر سکیں، اور اس کے لیے ان کو اندر گھسنے کے مواقع آسانی سے حاصل ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ فرماتے تھے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے بارے میں بخوبی علم ہو چکا تھا لیکن اعمال کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ باقی رکھا تھا، پھر جب غزوۂ تبوک کے بعد ان منافقین کے سلسلہ میں بہت سخت آیات نازل ہوئیں تو ان منافقین کے بارے میں آپ کا رویہ تبدیل ہو گیا جن کا نفاق کھل گیا تھا، ان منافقین میں اکثریت یہودیوں کی تھی، جو محض بغض و عناد میں اپنے نفاق پر قائم تھے اور ان کا مقصد ہی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اور ان کو کمزور کرنا تھا، ورنہ اور منافقوں کا حال یہ تھا کہ چند کو چھوڑ کر تقریباً سب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور اسلام کے نظام عادلانہ سے متاثر ہو کر سچے مسلمان بن چکے تھے۔

---

[1] صحیح مسلم، باب معرفة الايمان والاسلام

[2] سورة النصر: ۲

بدوؤں کا حال

غلبۂ اسلام کے بعد اسلام لانے والوں کی ایک بڑی تعداد ان بدوؤں کی تھی جو مختلف علاقوں سے آکر مسلمان ہوتے تھے اور ان ہی میں بعض صرف فائدہ اٹھانے کے لیے مسلمان ہوئے تھے، ان ہی لوگوں میں بنو اسد کا وفد بھی تھا، جو ۹ھ میں آیا تھا، وہ زمانہ ان کے یہاں قحط سالی کا تھا، وہ خود ہی مسلمان ہو کر اس لیے آگئے تھے تاکہ ان کو مصیبت میں کچھ راحت مل سکے، وہ آئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا کہ ہم خود اپنے مال و اولاد کے ساتھ خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں، ہم ان دوسرے قبائل کی طرح نہیں ہیں، جن سے آپ کو مقابلہ کرنا پڑا، بار بار وہ یہ احسان جتاتے تھے، اور چاہتے تھے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ صدقات حاصل ہو جائیں، سورۂ حجرات کی یہ آخری آیات اسی موقع پر نازل ہوئیں [۳]:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

”بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے البتہ تم یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے، جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں نہیں اترا۔“

اَعراب، اَعرابی کی جمع کے طور پر استعمال ہوتا ہے، عرب کے بدوؤں کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا، عام طور پر ان میں ثقافت کی کمی ہوتی تھی، لیکن عربوں کی بہت سی خصوصیات کے وہ حامل ہوا کرتے تھے، خاص طور پر عربی زبان میں ان کو امتیاز بہت بعد تک حاصل رہا، ان کے مزاج میں عام طور پر سختی ہوتی تھی، بنو اسد بھی ان ہی اعراب میں شامل تھے، اور یہاں آیت میں خاص طور پر ان ہی کو خطاب کیا جا رہا ہے، تاکہ حقیقت ان کی سمجھ میں آجائے، اور ان کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کافی ہے، اور اس سے ان کو وہ ساری سہولیات حاصل ہو جائیں گی جو مسلمانوں کو غلبہ اسلام کے وقت کسی درجہ حاصل ہو گئی تھیں، آگے ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا

”اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو گے تو وہ تمہارے کاموں میں کچھ بھی کم نہ کرے گا۔“

قرآنی تلقین

یہ حکمت قرآنی ہے کہ ان کو غلطی پر متنبہ کرنے کے بعد صحیح راستہ کی تلقین بھی کی جا رہی ہے کہ اپنے وقت کو صرف حصول دنیا میں ضائع نہ کرو، جب تم مسلمان ہو رہے ہو تو صحبت نبوت کا فیض اٹھاؤ، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح بتائیں اس طرح اپنے ایمان کی تجدید کرو اور اسلام کو مکمل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اقرار کو ضائع نہیں فرمائے گا اور تم سچے پکے مسلمان بن جاؤ گے، پھر اسی کی تاکید کے طور پر ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

”بلاشبہ اللہ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔“

دعوتِ فکر

یہ آیت شریفہ ہم سب مسلمانوں کے لیے دعوت فکر ہے، صرف زبان سے اقرار کر لینا، اعمال کو اختیار کر لینا کافی نہیں ہے، جب تک ایمان دل میں اتر نہ جائے اس وقت تک خواہ نام کچھ بھی ہو لیکن وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں، ایک بڑے عارف نے یہ بات بڑی دل سوزی کے ساتھ کہی کہ آج مسلمانوں کے قبرستانوں میں نہ جانے کتنے وہ لوگ دفن ہو رہے ہیں جو اللہ کے یہاں مسلمان نہیں، صحیح مسلمان ہونے کے لیے ایمان شرط ہے، اور ایمان صحت عقائد کا نام ہے، اور عقائد میں پہلا مرحلہ عقیدہ توحید کا ہے اور اس کے بارے میں عام طور پر مسلمانوں کا ذہن صاف نہیں، ایک اللہ کے ساتھ نہ جانے کتنے معبودان باطل اپنے دل کے نہاں خانوں میں پالے جا رہے ہیں، اور بعض مرتبہ ان لوگوں کی زبان و قلم سے جو اہل حق کہلاتے ہیں، مسلمانوں کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں، ایسے جملے نکل جاتے ہیں جو عقیدہ توحید کے چشمہ صافی کو گدلا کر کے چھوڑتے ہیں، کہنے والا شاید محسوس بھی نہیں کر پاتا لیکن بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اچھے اچھے لوگوں کی زبان سے یہ جملہ سنا گیا ہے کہ ”اللہ اور اس کا رسول چاہے تو ایسا ہو جائے گا۔“ یہ اللہ کی صفت قدرت میں شرک ہے، وہ جو چاہے کرے، ”فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ“ صرف اسی کی صفت ہے۔

عقائد و ایمانیات کو بہت کھنگالنے کی ضرورت ہے، ایمان کے منافی جو چیزیں بھی ہمارے معاشرے میں داخل ہو گئی ہیں ان کو کھرچ کھرچ کر پھینکنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم جس طرح مسلمان نظر آتے ہیں، حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں، اور ایمان واسلام کو مکمل کر کے دین کے پوری طرح حامل و ترجمان بن جائیں، ہماری زندگی حقیقت دین کی دعوت ہو، اور ہم سراپا عمل ہوں، ہمارا ایمان بھی خالص ہو اور ہمارا اسلام بھی مکمل ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ○(سورة الحجرات:۱۵)

”ایمان والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر یقین کیا پھر وہ شک میں نہیں پڑے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، سچے لوگ تو وہی ہیں۔“

[۳] مختصر تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الحجرات:۳۲۹ (مطبوعہ دار القلم)

حقیقتِ ایمان

ایمان صرف اقرار کا نام نہیں

ایمان صرف زبان سے اس کے اقرار کا نام نہیں، حقیقت میں اس کا تعلق دل سے ہے، اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور کام کاج بھی مسلمانوں جیسے کرتا ہے، اس کو دنیا لاکھ مسلمان سمجھے لیکن اگر اس کا دل اللہ کے سامنے جھکا نہیں ہے اور شکوک و شبہات کے دائرہ سے وہ نہیں نکل سکا ہے تو اہلِ ایمان کی فہرست میں اس کا شامل ہونا بہت مشکل ہے، اس کا امتحان ہوتا ہے، مصائب و مشکلات کے وقتوں میں، اس وقت اگر آدمی ثابت قدم ہے اور اس کا دل پوری طرح مطمئن ہے تو وہ ایمان والا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ

”کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اس قول کے بعد کہ ہم ایمان لے آئے ان کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، جبکہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا، تو اللہ سچوں کو بھی خوب پرکھ لے گا اور جھوٹوں کو بھی خوب پہچان لے گا۔“

سورۂ حجرات کی پندرہویں آیت میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ. (سورة الحجرات:۱۵)

”ایمان والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر یقین کیا پھر وہ شک میں نہیں پڑے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے انہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، سچے لوگ تو وہی ہیں۔“

یقین کی ضرورت

اوپر والی آیت میں گزر چکا ہے کہ بنو اسد کے بدو اپنے ایمان کے دعویٰ کے ساتھ آئے تھے، ان سے کہہ دیا تھا کہ ابھی تم ایمان والے نہیں ہو، مذکورہ آیت میں ایمان کی تشریح کی جا رہی ہے، اور یہیں سے ان بدو قبائل کے سامنے یہ وضاحت بھی ہو رہی ہے کہ اگر تم ایمان چاہتے ہو تو اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر پورا یقین ہو، اس میں شبہ نہ ہو، اور اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ جان و مال کی قربانی دشوار نہ رہ جائے۔

یہ بات ہر ایک آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی بڑی منفعت پیش نظر ہو تو انسان کے لیے دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں، فائدہ کا جتنا زیادہ یقین ہو جاتا ہے اس کے بقدر اس کی راہ کی مشکلات آسان ہوتی ہیں، یہی حال ایمان کا ہے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان جتنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے، اس کے بہترین نتائج کا یقین بڑھتا جاتا ہے، پھر آدمی کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اس راہ میں اپنی جان کی بھی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی: ؎

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سر و بالِ دوش ہے

حقیقی ایمان کا نتیجہ

حضرات صحابہ کی قربانیوں کا راز یہی تھا، غزوۂ احد کے موقع پر ایک صحابی کھجوریں کھاتے کھاتے بے خود ہو کر کہنے لگے کہ یہ تو طویل عمر ہوئی، کھجوریں پھینکیں اور بڑھ کر جام شہادت نوش کیا، انہوں نے جنت کی خوشبو محسوس کر لی، اور حضرات کا یقین مشاہدہ کے درجہ کو پہنچ رہا تھا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اگر جنت اور دوزخ میرے سامنے لے آئے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو، اس یقین کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے دنیا کے حالات بدل دیے، وہ جہاں گئے وہاں کی دنیا بدل گئی، ایمان و یقین کی ہوائیں چلنے لگیں، وہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ تھے، جو ان کی صحبت میں رہ گیا وہ کندن بن گیا، یہ حقیقت ایمان ہے۔

اللہ کی ذات پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر یقین جتنا بڑھتا جاتا ہے، دل کی بستی آباد ہوتی جاتی ہے، دل کی بسی ہوئی بستی کو دنیا کی کوئی طاقت ویران نہیں کر سکتی، آج مسلمانوں کی پستی کا راز یہی ہے کہ دلوں کی بستیاں ویران ہیں، اس میں جب تک ایمان و یقین کی شمعیں نہیں روشن کی جائیں گی، مسلمانوں کے لیے عزت و بلندی کا حصول سخت دشوار ہے، سربلندی کا وعدہ تو ایمان پر ہے، ”وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين“۔

موجودہ صورت حال

مسلمان کروڑوں نہیں ارب سے متجاوز ہیں، لیکن دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں، اس کی وجہ ایمان و یقین کی کمی بلکہ عام طور پر اس کا فقدان ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ روپیوں کی خاطر ایمان بیچا جا رہا ہے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی:

يصبح الرجل مؤمنا ويمسى كافرا ويمسى مؤمنا ويصبح كافرا يبيع دينه بعرض من الدنيا

”آدمی صبح مسلمان ہو گا اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہو گا صبح کو کافر، وہ اپنے دین کو دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر بیچ دے گا۔“

آج یہ چیز حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہے۔

ایمان کی کسوٹی

ایمان جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مضبوط نہ ہو گا، اور اسباب دنیا ہی میں آدمی پڑا رہے گا، اس وقت تک شکوک و شبہات کا ازالہ بہت مشکل ہے، اور اس کی کسوٹی یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں جان و مال کی قربانی کی جب بھی ضرورت پیش آئے وہ ہمہ وقت تیار رہے، ”جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ“ کا یہی مطلب ہے، ایمان مضبوط ہو اور قربانی دینا آسان ہو جائے تو یہ ”صدق“ کی علامت ہے اور ان ہی لوگوں کو ”صادقین“ کہا گیا ہے، صدق سچائی کو کہتے ہیں، یہاں صرف زبان کی سچائی کافی نہیں بلکہ قول و عمل دونوں کی سچائی مراد ہے، قول میں بھی سچائی ہو، عمل میں بھی سچائی ہو اور نیت میں بھی سچائی ہو، صادقین ان لوگوں کو یہاں اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ صرف زبان سے مسلمان نہیں ہوتے بلکہ ان کا دل بھی اس کی گواہی دیتا ہے اور وہ دل سے اس کو تسلیم کرتے ہیں، ان کی زبان دل کی صحیح ترجمان ہوتی ہے، وہ اس میں نہ کچھ ہیر پھیر رکھتے ہیں اور نہ ہیر پھیر کرتے ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ○(سورۃ الحجرات:۱۶)

”کہہ دیجیے کہ تم اللہ کو اپنا دین جتلاتے ہو جبکہ اللہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں کہ اسلام لے آئے، کہہ دیجیے کہ اپنے اسلام لانے کا احسان ہم پر مت رکھو، البتہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستے چلایا، اگر تم واقعی سچ کہتے ہو۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے ڈھکے چھپے سے واقف ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس پر اس کی پوری نگاہ ہے۔“

تحفۂ ربّانی

اللہ تعالیٰ کے احسانات

اللہ تعالیٰ کے احسانات انسانوں پر بے شمار ہیں، وہ قدرت الٰہی کا شاہکار ہے، باقی کل مخلوقات انسان کی خدمت کے لیے مسخر ہیں، زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے، پہاڑ، دریا، ہوا، پانی، زمین کے اندر خزانے، سمندر کی مچھلیاں، ہیرے جواہرات، تیل کے چشمے، سونے چاندی کی کانیں، یہ ساری نعمتیں تمام انسانوں کے لیے ہیں، نہ اس میں کالے گورے کا کوئی فرق ہے نہ امیر غریب کا، نہ اس میں خاندان کی کوئی تقسیم ہے، نہ علاقے کی، ہر انسان کے لیے اللہ نے ضرورتیں رکھی ہیں، اور وہ ان کو پورا کرنے کے لیے اللہ کی دی ہوئی عقل کا استعمال کرتا ہے، دنیا کی ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا عموم رکھا ہے کہ اس میں کسی کا کوئی امتیاز نہیں، جو چاہے اپنی عقل و ذہانت کا استعمال کرے اور جدوجہد کر کے جہاں تک چاہے ترقی کرتا چلا جائے۔

سب سے بڑا احسان

لیکن ان تمام نعمتوں میں اس کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے، جس کی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی، جو بھی اس کی نگاہ رحمت کا مستحق ٹھہرے، جس کو چاہے جہنم کے گڑھے سے نکال کر جنت کی بلندیاں عطا فرما دے، راستہ اس نے بتا دیا:

مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

”جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے نہ مانے“

بیشک انسان تو اس میں پورا اختیار ہے، لیکن توفیق اسی کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ابو طالب محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا، محسن اسلام، لیکن ایمان مقدر میں نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”چچا کان میں ایک مرتبہ اقرار کر لیجیے، گواہی دے دیجیے۔“[4]

لیکن جواب یہ ہے کہ قوم کیا کہے گی۔ قرآن مجید میں صاف کہہ دیا گیا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

”آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت دے دینا آپ کا کام نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔“

نعمت ایمان کی ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے، عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ”وحشی“ جن کے سامنے آنے سے آپ کو تکلیف پہونچتی تھی، جاں نثار چچا یاد آ جاتے تھے، رحمت الٰہی کا ہاتھ ان کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔[5]

توفیق الٰہی

ایمان وہ تحفۂ ربانی ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے، جس کو یہ نعمت گھر بیٹھے مل گئی وہ ہزار بار شکر کرے، سراپا تشکر و سپاس بن جائے تو بھی شاید حق ادا نہ ہو، اپنے بارے میں خوش گمانی

---

[4] صحیح بخاری، باب قصة أبی طالب/۳۸۸۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب أول الایمان قول لااله الاالله/۱۴۱

[5] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزة/۴۰۷۲، شعب الایمان، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبه/۶۸۷۶

کبھی کبھی انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، نیکی کا چھوٹے سے چھوٹا عمل انسان اللہ کی توفیق سے کرتا ہے۔

یہی دو باتیں سورۂ حجرات کی آخری آیات میں کہی جا رہی ہیں، یہاں بات یہ کہ انسان اپنے کیے ہوئے کسی کام کے سلسلہ میں اس خوش فہمی کا شکار نہ ہو کہ وہ کام اس نے مکمل طریقہ پر کر لیا، اور اس کا حق ادا کر دیا، اس میں دسیوں خامیاں ہو سکتی ہیں، جن کی طرف اس کی نگاہ نہیں پہنچ رہی ہے، دوسری بات یہ کہ وہ عمل کی نسبت اپنی ذات کی طرف نہ کرے، حقیقت تو یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی انسان اللہ کے حکم اور اس کی توفیق کے بغیر نہیں کر سکتا، ایمان تو بہت بڑی چیز ہے، کوئی اس دھوکہ میں نہ رہے کہ اس نے اس دولت کو خود حاصل کر لیا، ہر ایمان والے کو سراپا سپاس ہونا چاہیے۔

غلط فہمی کا ازالہ

بنو اسد کا وفد آیا تو وہ ان دونوں غلط فہمیوں کا شکار تھا ایک تو ان کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایمان لائے ہیں اور بغیر کسی دوسرے کی کوشش کے ایمان لائے ہیں، اس پر ان کو ناز تھا، اور وہ اس کو اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تصور کر رہے ہیں، دوسرا خیال ان کو یہ تھا کہ دولت ایمان پوری طرح حاصل کر چکے ہیں، جبکہ وہ اس وقت صورت اسلام سے واقف تھے، حقیقت ایمان سے ان کو واقفیت نہیں ہوئی تھی، اسی لیے پہلے ہی مرحلہ میں ان سے کہہ دیا گیا کہ:

قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا أَسْلَمْنَا

”آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔“

جب یہ بات ان سے کہی گئی تو شاید انہوں نے اور صراحت اور مزید قوت سے کہا کہ ہم مسلمان ہی ہیں، اور ایمان ہم پوری طرح قبول کر چکے ہیں، اس پر آیات نازل ہوئیں:

قُلْ أَتُعَلِّمُوْنَ اللهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

”آپ فرما دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین جتلا رہے ہو، جبکہ اللہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے۔“

آیت میں بات بالکل صاف کر دی گئی کہ تم بڑے زور شور سے جس ایمان کا اظہار کر رہے ہو بلکہ جتلا رہے ہو، اس کی ضرورت نہیں، اللہ تمہارے دلوں کی حقیقت سے واقف ہے۔

وفد نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اس احسان کا ذکر کیا کہ قبائل ہوازن و غطفان اور محارب نے آپ سے جنگیں کیں، ہم بغیر قتال کے خود آئے اور پھر اپنے اہل و عیال و اموال لے کر آئے، یہ امتیاز صرف ہم ہی کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے احسان جتانے کا تذکرہ کیا ہے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوْا

”وہ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے۔“

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے خیالات درست کرنے کا حکم فرمایا:

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ

”آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے اسلام کا احسان ہم پر نہ رکھو۔“

اور پھر اصل حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی اور ارشاد ہوا:

بَلِ اللهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدٰكُمْ لِلْإِيْمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ الحجرات:۱۹)

”بلکہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ دی، اگر تم سچ کہتے ہو۔“

یہ کلام الٰہی کا اعجاز ہے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ مسلمان ہو، اور ایمان چونکہ احسان خداوندی کا تذکرہ ہے، اس لیے خود ان کے اپنے خیال کے مطابق یہ کہا جا رہا ہے اور اگر تم اپنے آپ کو صاحب ایمان سمجھتے ہو اور اگر تم اپنے اس خیال میں سچے بھی ہو تو یہ سمجھ لو کہ یہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے توفیق دی، دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹتا پلٹتا ہے۔

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، اس نے بدوؤں کے قصہ کو اس لیے پیش کیا تاکہ قیامت تک امت سبق حاصل کرتی رہے، جس کو بھی ایمان مل جائے، خیر کی توفیق حاصل ہو جائے، وہ اس حقیقت کو نہ بھولے کہ یہ سب کچھ فضل الٰہی ہے، ہم کچھ بھی کرتے ہیں، اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اس کے نتائج اللہ کے حکم سے سامنے آتے ہیں، کسی کو اپنے عمل پر ناز نہ ہو، وہ اللہ کا شکر گزار ہو اور سر نیاز خم کر دے۔

آخری بات

سورۂ شریفہ کی آخری آیت میں بات صاف کر دی گئی ہے کہ ایک آدمی جتنا بھی جتلائے اور اپنے اسلام کا دعویٰ کرے، اچھے اعمال کا تذکرہ کرے لیکن اللہ حقیقت حال سے خوب واقف ہے، کسی کے کہنے سے اور باور کرانے سے کچھ نہیں ہو گا جب تک حقیقت نہ ہو، صورت و حقیقت کا فرق سب جانتے ہیں، تنہا صورت و شکل بنا لینا اور مظاہر اختیار کر لینا کافی نہیں ہے جب تک حقیقت کی روح نہ پیدا کی جائے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۹ پر)

موت وما بعد الموت

الحساب

آج ہم حشر کے دن ہونے والے حساب کی کچھ مثالوں کو دیکھیں گے جو سنن میں بیان کی گئی ہیں۔ انہی میں سے ایک مثال ریاکاروں کی ہے۔

ریا کیا ہے؟

ریا یہ ہے کہ کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے لیے کرنے کی بجائے کسی اور کو متاثر کرنے کی خاطر کیا جائے۔ یہ نہایت ہی خطرناک مرض ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکِ اصغر کہا ہے۔ شرک کیا ہے؟ شرک اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا ہے اور ریا یہ ہے کہ کوئی عمل اس طرح کیا جائے کہ وہ ایسا معلوم ہو کہ یہ اللہ کے لیے کیا جارہا ہے جبکہ ہو وہ کسی اور کے لیے۔ لہٰذا یہ بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک اصغر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی ایک مثال منافقین کی نماز ہے۔ وہ نماز کے لیے آتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں مگر ان کے اس عمل میں اخلاص نہیں ہوتا۔

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (سورة النساء:۱۴۲)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں۔“

پس ان کے جسم تو مسجد میں موجود ہوتے ہیں مگر ان کے دل کہیں اور بھٹک رہے ہوتے ہیں۔

اسی طرح لوگوں کے درمیان عالم کہلائے جانے کے لیے علم حاصل کرنا، قاری کہلوائے جانے کے لیے قرآن حفظ کرنا اور قتال کرنا تاکہ لوگ اسے شجاع جانیں، بھی ریا ہے۔ یہ سب ریا کی مثالیں ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ غنی ہیں، وہ ہر ضرورت و حاجت سے بے نیاز ہیں اور اللہ رب العزت کو ایسا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہے جو اللہ کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کے لیے بھی کیا جائے۔ جو عمل خالص للہ نہیں ہو گا، اللہ رب العزت کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف وہی قبول کریں گے جو خالص للہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ شرک، یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا گناہ ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے:

”جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگ دور ہو گئے (ان کے پاس سے چھَٹ گئے) تو ان سے اہل شام میں سے ناتل نامی آدمی نے کہا: اے شیخ! آپ ہم سے ایسی حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہو گا اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی، وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا! بلکہ تو تو اس لیے لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے، تحقیق وہ کہا جا چکا! پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور دوسرا شخص جس نے علم حاصل کیا اور اسے لوگوں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا، اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا! تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس کے لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا جا چکا پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور تیسرا وہ شخص ہو گا جس پر اللہ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا، اسے بھی لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا، اللہ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیرے راستہ میں، جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے، تیری رضا حاصل کرنے

کے لیے مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا: تونے جھوٹ کہا بلکہ تو نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے، تحقیق وہ کہا جا چکا پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

جس عرصے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دمشق میں درس دیا کرتے تھے، تب شام کے چند باسی ان کے پاس آئے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی حدیث بیان کرنے کی درخواست کی، تب آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔

پس پیارے بھائیو! ریا بہت ہی خطرناک گناہ ہے اور اس پر مستزاد یہ خفیہ بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات اسے پہچاننا بہت ہی مشکل ہوتا ہے الا یہ کہ انسان اپنے اعمال کو جانچتا رہے اور خود کو آزماتا رہے اور اپنی نیت کا استحضار رکھے۔ دوسری صورت میں عین ممکن ہے کہ انسان یہ سمجھتے ہوئے اعمال کرتا رہے کہ وہ انہیں اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے جبکہ اس کا اصل مقصد کچھ اور ہو۔ جو شخص مستقل اپنی نیت کو جانچتا پرکھتا نہیں ہے اس کے لیے ریا میں مبتلا ہو جانا عین ممکن ہے۔ پس انسان کو ہر وقت اپنی نیت کا استحضار رکھنا چاہیے کہ میں کیوں یہ عمل کر رہا ہوں۔ اور جب انسان اپنے اعمال کو پرکھتا ہے تو شیطان اپنا مخصوص حربہ آزماتے ہوئے ضرور اسے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا شخص جو ریا سے بچنے کے لیے اپنے اعمال پر کڑی نگاہ رکھتا ہے، شیطان اس کے پاس آتا ہے اور اسے سجھاتا ہے کہ تم جتنا بھی عمل کر رہے ہو اس کا مقصد محض دکھاوا ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو۔ وہ بار بار انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے اور یوں وہ انسان سے اس کا نیک عمل چھڑوا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں قرآن حفظ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے قرآن حفظ کیا اور پھر اسے بھلا دیا، قیامت کے دن اسے مسخ چہرے کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی قرآن کو ضائع کرنے کا آغاز ہے کہ تمہارا قرآن حفظ نہ کرنے کا ارادہ کرنا، اسے حفظ کر کے بھلا دینے سے زیادہ برا ہے۔ یہی معاملہ ریا کا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ گر شیطان تمہارے پاس آئے اور تمہیں کسی عمل سے یہ کہہ کر روکنا چاہیے کہ یہ مت کرو، کہیں اس میں ریا نہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ عمل ضرور کرے اور اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی کوشش کرے، مگر اس عمل کو نہ چھوڑے۔ مثلاً چندہ جمع کرنے کی اعلانیہ مہم ہو تو شیطان ضرور یہ وسوسہ ڈالے گا کہ چھوڑو چھوڑو، اس میں حصہ نہ ڈالو، بعد میں کسی وقت خفیہ طور پر صدقہ کر دینا۔ انسان اس صدقے سے ہاتھ روک لے گا تو پھر شیطان اس سے یہ عمل ہی بھلا دے گا اور یوں نہ وہ اعلانیہ صدقہ دے پائے گا اور نہ ہی خفیہ۔ علما اس بارے میں یہی نصیحت کرتے ہیں کہ انسان کو وہ عمل کر گزرنا چاہیے البتہ اپنی نیت کی درستگی کی جانب توجہ دینی چاہیے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ریا سے پناہ چاہتے ہیں۔

"حضرت صفوان بن محرز مازنی سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ان کے ساتھ جا رہا تھا، اچانک ایک شخص سامنے سے آ کر کہنے لگا: آپ نے 'نجویٰ' یعنی (قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بندے سے) سرگوشی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح سنا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلا لے گا اور اس پر اپنا پردۂ عزت ڈال کر اسے چھپا لے گا، پھر فرمائے گا: تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے؟ تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں، یارب! مجھے معلوم ہے حتیٰ کہ اس سے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا۔ اور وہ شخص اپنے دل میں خیال کرے گا کہ وہ اب تباہ ہو چکا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ پر دنیا میں پردہ ڈالا، آج تیرے لیے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر نیکیوں کی کتاب اس کے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ لیکن کافر اور منافق کے متعلق برملا گواہ بولیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔ سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

قیامت کے دن تمام کی تمام مخلوق حاضر ہو گی اور ان سے حساب کتاب سب کے سامنے ہو گا۔ ہر ایک اسے دیکھ اور سن سکے گا، ہر چیز ظاہر ہو گی۔ مگر اس بیان کردہ واقعے میں اللہ رب العزت نیچے تشریف لائیں گے اور اس مذکورہ شخص کو اپنے پردے میں چھپا لیں گے اور اس سے تمام گفتگو باقی مخلوق سے مخفی رکھتے ہوئے کریں گے تاکہ کوئی اور اس گفتگو کو نہ سن سکے۔ اللہ رب العزت اس سے اس کے ایک ایک گناہ کے بارے میں سوال کریں گے اور وہ قبول کرتا جائے گا اور جیسے جیسے حساب کتاب طویل ہوتا جائے گا وہ شخص مایوس ہوتا جائے گا کہ میں تو بس مارا ہی گیا۔ تب اللہ رب العزت اسے اپنی مغفرت اور اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کی بشارت اور اس کے نیک اعمال کی کتاب عطا فرمائیں گے۔ دوسری طرف کفار و منافقین کے تمام کے تمام اعمال بد ظاہر کیے جائیں گے اور ان کے اعمال پر گواہان گواہی پیش کریں گے۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے اعمال میں ان کی کوتاہی پر ان کو سرزنش کرنے کی ہے۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی! وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس

پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا! وہ کہے گا: اے پروردگار! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ تو اللہ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا؟ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا! وہ کہے گا: اے پروردگار میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا تھا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔‘‘

مریض کی عیادت کا یہ اجر ہے کہ گویا اللہ رب العزت سے ملاقات کی۔ اور یہی اجر بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے کا بھی ہے۔ دراصل یہ اجر ایک دوسرے کی خدمت اور مدد کا ہے۔

ضمناً یہ بتاتا چلوں کہ ان دروس کا مقصد آخرت کے موضوع سے متعلق علم کا حصول ہے۔ آخرت کے موضوع کو پیش کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں: ایک مواعظ؛ یعنی تذکیر اور دوسرا مطالعہ، جو ہم اس سلسلے میں کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم آخرت بارے تمام تر تفصیلات جاننے کی کوشش کر رہے ہیں اور پھر یہی مطالعاتی مواد بعد ازاں مواعظ کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے، انہی معلومات کو پھر تذکیر کے لیے ذرا مختلف طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آخرت کے موضوع کے بارے میں ضرور علم حاصل کرنا چاہیے تاکہ ہم دوسروں تک اسے پہنچا سکیں اور دوسروں کو اس کی تذکیر کروائیں کیونکہ موت و ما بعد الموت بہترین تذکیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے کو ہم نے ترتیب وار اور بالتدریج رکھا ہے تاکہ ہم علم حاصل کریں اور پھر اسے آگے تک پہنچائیں۔ آخرت کے بارے میں بات کرنے کا مؤثر ترین طریقہ موعظہ یعنی بطور تذکیر ہے۔

نامۂ اعمال کی تقسیم

نامۂ اعمال بلندی سے نیچے کی طرف پھینکے جائیں گے کہ لوگ نیچے کھڑے ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نامۂ اعمال کی تقسیم یا ان کے پھینکے جانے کا لمحہ بھی ان لمحوں میں سے ہے جو انسان کے بالوں کو سفید کر دے گا۔ کیونکہ نامۂ اعمال انسان کی جانب آ رہا ہوگا اور وہ نہیں جانتا ہوگا کہ یہ اس کے دائیں ہاتھ میں آئے گا یا بائیں ہاتھ میں۔ اگر اعمال نیک ہوں گے تو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور برے اعمال والوں کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ اعمال نامہ انسان کی پوری زندگی کے کچے چٹھے پر مشتمل ہوگا، پس اس کا دیا جانا انتہائی مشکل اور اہم مرحلہ ہے جو انسان کے بال سفید کر دے گا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ○ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ○ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ○ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ○﴾ (سورۃ الحاقۃ: ۱۹ تا ۲۴)

’’پھر جس کسی کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: لو گو! لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو! (وہ ہر ایک کو اپنا اعمال نامہ دکھلانا چاہے گا) میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ من پسند عیش میں ہوگا۔ اس اونچی جنت میں جس کے پھل جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ (کہا جائے گا کہ) اپنے ان اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے تھے۔‘‘

دیکھیے یہاں اللہ رب العزت پہلے ذکر فرماتے ہیں جھکے ہوئے پھلوں کا اور پھر فرماتے ہیں کہ کھاؤ اور پیو، اس لمحے میں یعنی نامۂ اعمال عطا کیے جانے کے لمحے میں اللہ رب العزت کی جانب سے یہ فرمان کہ کھاؤ اور پیو نہایت برمحل اس لیے ہے کہ یوم آخرت کو لوگ بھوک اور پیاس سے بدحال ہوں گے، بھوک اور پیاس اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہوگی، تب جب اسے اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اسے خوش خبری سنا دی جائے گی کہ جلد ہی تم جنت میں داخل ہو گے اور جیسے چاہو گے کھانے اور پینے کی چیزوں سے لطف اندوز ہو سکو گے۔ یوم آخرت کے طویل انتظار اور شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں اللہ رب العزت کے اس فرمان کی اور ہی حیثیت ہوگی کہ کھاؤ اور پیو، اور اس انعام کی وجہ وہ اعمال ہیں جو تم نے گزرے دنوں میں کیے ہیں۔ پس اس انعام کا دار و مدار انسان کے اعمال پر ہے، ان اعمال پر جو اس نے ماضی میں کیے اور جن کے لیے وہ جوابدہ ہے۔

اور وہ جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا ان کا حال یہ ہوگا:

﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۥ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ○ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ○ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ○ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ○ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ○﴾ (سورۃ الحاقۃ: ۲۵ تا ۲۹)

’’اور جس شخص کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ گیا ہوتا اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے! اے کاش کہ وہی موت قصہ پاک کر دینے والی ہوتی! میرا مال و اسباب کچھ بھی میرے کام نہ آیا۔ میرا اقتدار بھی مجھ سے چھن گیا۔‘‘

یہ شخص چاہے دنیا کی زندگی میں جس قدر بھی زندگی سے محبت رکھنے والا اور موت سے نفرت کرنے والا ہوا، اب وہ یہ چاہے گا کہ کاش میں مر ہی جاتا (دوبارہ نہ اٹھایا جاتا) اور کاش کہ میں کبھی پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ مال اور اقتدار وہ دو چیزیں ہیں جن کے لیے انسان دنیا کی زندگی میں چاہت رکھتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے جائز ناجائز،

حلال حرام ذرائع استعمال کرتا ہے، مگر یہ مال اور جاہ قیامت کے دن اس کے کسی کام نہ آئے گا اور اس کا ساتھ چھوڑ جائے گا۔ دنیا میں انسان پیسے کے ذریعے سب کچھ خرید سکتا ہے، جو بھی خریدنا چاہے، خواہ وہ عالی شان مکان ہو، قیمتی گاڑی ہو، بہترین کھانا ہو یا سفر ہو، پیسہ کے ذریعے انسان اپنی خواہشات خرید سکتا ہے مگر قیامت کے دن یہی پیسہ انسان کو کچھ فائدہ نہ دے گا، وہاں اس کی کوئی حیثیت نہ ہو گی، یعنی آج جو چیز دولت یا مال کہلاتی ہے وہ اس دن کچھ بھی نہیں کہلائے گی۔ پس یہ شخص کہے گا کہ میرا وہ مال کہ جس کو کمانے میں میں نے سالوں لگائے، آج جب مجھے اس کی ضرورت ہے تو وہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ یہی حال جاہ کا ہے۔ اقتدار انسان کو بااثر بناتا ہے اور اس کے لیے بہترین مواقع پیدا کرتا ہے۔ مگر یہی ذی جاہ شخص آخرت کے دن بے اختیار ہو گا۔ اسے تو اس دن اپنے اعضاء و جوارح تک پر اختیار نہیں رہے گا، اس کے ہاتھ اس کے خلاف گواہی دیں گے، اس کے پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے، اس کی زبان اس کے خلاف گواہی دے گی، جب اس کے پاس کچھ اختیار نہ رہے گا تو وہ سوچے گا کہ میں اس اقتدار پر کیوں مرتا رہا جو میرے کسی کام کا نہیں ہے آج؟ میں نے لوگوں کو اس اقتدار کے حصول کے لیے قتل کیا، میں نے ان کا حق مارا، آج وہ اقتدار کہاں گیا؟ آج تو مجھے اپنے جسم تک پر اختیار حاصل نہیں ہے! پس مال اور اقتدار قیامت کے دن کسی کام نہ آئیں گے، یہ بات اگر ہم آج سمجھ لیں تو ہم مال اور اقتدار محض اللہ کی رضا کے لیے حاصل کرنے والے بن جائیں نہ کہ اپنے نفس کی خاطر۔

القصاص (لوگوں کے درمیان حساب بے باق کرنا)

آپ نے لوگوں کو یہ کہتے اکثر سنا ہو گا کہ دنیا میں کیوں اس قدر قتل و قتال ہے، بھوک ہے، پریشانیاں ہیں، آخر اللہ کہاں ہے؟ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ دنیا تو محدود وقت کے لیے ہے اور ہر چیز کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا، کچھ بھی غیر ملحوظ نہ رہے گا، ہر ہر معاملے کو حل کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کسی نزاع کو یونہی نہیں جانے دیں گے۔ یہ حساب اس قدر جامع ہو گا کہ جانوروں تک کے مابین نزاعات کو حل کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت اس روز اپنے عدل کا اظہار فرمائیں گے اور کسی پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی نہ ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنْ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ (صحیح مسلم)

”قیامت کے دن تم لوگوں سے حق داروں کے حقوق ادا کروائے جائیں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لے لیا جائے گا۔“

لوگوں کے درمیان نزاعات کا فیصلہ کیسے ہو گا؟

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ (صحیح بخاری)

”جس کسی نے دوسرے کی عزت یا کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو، وہ اس سے آج ہی معاف کرا لے، پہلے اس سے کہ وہ دن آئے جس میں درہم و دینار نہیں ہوں گے، پھر اگر ظالم کا کوئی نیک عمل ہو گا تو اس کے ظلم کی مقدار اس سے لے لیا جائے گا، اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔“

قیامت کے دن صرف مالی نزاعات کو حل نہیں کیا جائے گا بلکہ مثلاً اگر کسی نے کسی کے خلاف زبان درازی کی ہو، اس پر بہتان لگایا ہو، اس کی تحقیر کی ہو تو اس نے مذکورہ شخص کی عزت پر حملہ کیا، پس ایسے تمام نزاعات کا بھی قیامت کے دن فیصلہ کیا جائے گا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی دوسرے پر کسی طرح کا بھی ظلم کیا ہو، زیادتی کی ہو وہ قیامت کے آنے سے پہلے پہلے اس سے معافی مانگ لے اور اگر وہ معاف نہ کرے تو یہ زیادتی کرنے والا گڑگڑا کر، عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس سے معافی کا خواستگار ہو، کیوں؟ کیونکہ اس دن کہ جب مال و اسباب کام نہ آئیں گے، تب اس ظلم کا بدلہ ظالم کے نیک اعمال مظلوم کو عطا کر کے دلایا جائے گا اور اگر اس کا کوئی نیک عمل نہ ہوا تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس دنیا میں تو بس اتنا ہی کرنا ہو گا کہ جا کر اپنے ظلم کی معافی مانگ لی مگر دنیا میں معاف نہ کروایا تو قیامت کے دن اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور قیامت کے دن کی واحد پونجی، واحد سکہ حسنات ہوں گی اور اس دن لوگ ایک ایک نیکی کے محتاج ہوں گے اور اسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہیں گے خواہ وہ انہیں دنیا و مافیہا کے بدلے ہی کیوں نہ مل پائے۔

پس اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں یا بدلے کے لیے کافی نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے سر ڈال دیے جائیں گے۔ وہ گناہ اس ظالم نے نہیں کیے ہوں گے مگر وہ ان کی سزا بھگتے گا، کیوں؟ اس ظلم کے بدلے جو اس نے دنیا میں کیا ہو گا۔

دنیا میں انسان کیوں کسی کی غیبت کرتا ہے، اس پر بہتان لگاتا ہے یا اس کے خلاف زبان درازی کرتا ہے، صرف اس لیے نا کہ اس کے دل میں مذکورہ شخص کے لیے نفرت ہوتی ہے، یا حسد ہوتا ہے، لیکن اگر ہم اس کو آخرت کے حوالے سے سوچیں تو ایک انسان اپنے دشمن کو کسی حال میں بھی اپنی نیکیاں نہیں دینا چاہتا کجا یہ کہ اس کے گناہ بھی اپنے سر لے لے۔ پس اگر آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں یا اس سے بغض رکھتے ہیں تو سب سے پہلے کرنے کا کام تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ وہ آپ کے دل کو اس نفرت سے پاک کر دے اور دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو اس دشمنی اور نفرت میں اس مقام تک ہرگز نہ لے کر جائیں کہ جہاں یہ خود آپ ہی کے لیے نقصان کا باعث بن جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں آپ کے خلاف بات کر رہا تھا، پس انہوں نے پھلوں کا ایک ٹوکرا لیا اور اس شخص کے دروازے پر تشریف لے گئے جس نے ان کے خلاف بات

کی تھی، اور اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی کچھ نیکیاں مجھے عطا کر دی ہیں، پس میں اس کا بدلہ تمہیں نہیں دے سکتا لہٰذا یہ تحفہ شکریے کے طور پر پیش کر تا ہوں، تم نے میرے خلاف زبان درازی کی، تمہاری نیکیاں مجھے مل گئیں، شکریے کے طور پر یہ تحفہ قبول کرو! کسی کی بے عزتی کرنا، اس کا مال ہتھیانا یا جسمانی طور پر اس پر ظلم کرنا، سب ہی ظلم کی شکلیں ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ہو گا۔"

خون کا بدلہ

قصاص میں سے اہم تر خون کا بدلہ ہے، کسی کو جسمانی تکلیف پہنچائی ہو یا اسے قتل کیا ہو تو قیامت کے دن یہ ان اولین امور میں سے ہو گا کہ جس کا بدلہ چکایا جائے گا۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَجِيئُ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَشْخَبُ دَمًا يَقُولُ يَا رَبِّ هَذَا قَتَلَنِي حَتَّى يُدْنِيَهُ مِنْ الْعَرْشِ

"قیامت کے دن مقتول قاتل کو ساتھ لے کر آجائے گا، اس کی پیشانی اور سر مقتول کے ہاتھ میں ہوں گے، مقتول کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا، کہے گا: اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا، (یہ کہتا ہوا) اسے لیے ہوئے عرش کے قریب جا پہنچے گا۔"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ (صحیح بخاری)

"قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

پس قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔ مقتول قاتل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے گا کہ یا اللہ! اس نے مجھے قتل کیا، مجھے بدلہ دلا۔ یہ تو اس کا حال ہے جس کی گردن پر ایک قتل ہے، پس سوچیے کہ ان کا کیا حال ہو گا کہ جن کی گردن پر ہزاروں انسانوں کے قتل کا گناہ ہے؟

ابو مسلم الخراسانی وہ شخص ہے کہ جسے عباسیوں نے اپنی خلافت کی راہ ہموار کرنے کے لیے استعمال کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے ہزاروں انسان قتل کیے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے، واللہ اعلم یہ حقیقت ہے یا نہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ اس نے عرفات کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کہا کہ اے اللہ! میں اپنے ان اعمال کے لیے تیری مغفرت کا طالب ہوں کہ جن کے بارے میں میں سمجھتا ہوں کہ تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ پس ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ رب العزت تو ہر چیز معاف کر دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ابو مسلم نے کہا: کیا تم یہ کثیر مخلوق دیکھ رہے ہو؟ (وہ حج کے دن تھے اور عرفات میں ہزاروں لوگ جمع تھے)، ان سب کا مجھ پر کچھ حق ہے۔ ان میں سے کسی کے شوہر، کسی کے باپ، کسی کی ماں، کسی کے بھائی کو میں نے قتل کیا ہے یا ان پر ظلم کیا ہے، جب یہ سب لوگ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں گے اور مجھ سے بدلے کا مطالبہ کریں گے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کا بدلہ مجھ سے نہ لیں اور مجھے معاف کر دیں؟ پس ہر دور کے ظالموں کو قیامت کے دن اپنے ظلم کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔

قیامت کے دن دیوالیہ کون ہوں گے؟

نبی کریم ایک روز اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ فرمایا:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ (صحیح مسلم)

"کیا تم جانتے ہو کہ مفلس (دیوالیہ) کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال و اسباب نہ ہو، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن میری امت کا مفلس وہ آدمی ہو گا کہ جو نماز روزے زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا لیکن اس آدمی نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی پر تہمت لگائی ہو گی اور کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیے جائیں گے پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

پس دیوالیہ کی تعریف پر توجہ کریں۔ معاشیات کی اصطلاح میں دیوالیہ کون ہوتا ہے؟ دیوالیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس موجود مال ضائع ہو جائے اور یہ غریب اور فقیر سے مختلف ہے کیونکہ غریب اور فقیر وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس بہت عرصے سے مال نہ ہو۔ دیوالیہ تو وہ ہوتا ہے کہ جو مالدار ہو اور پھر کسی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو جائے۔ اب مذکورہ حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جہنم میں جانے والا شخص نیکیوں کے معاملے میں مالدار تھا، اس کی بہت سی نیکیاں تھیں، نماز، روزے، زکوۃ، اس نے دنیا میں بہت سے نیک کام کیے ہوں گے مگر چونکہ اس نے لوگوں کا حق مارا ہو گا لہٰذا وہ اپنی تمام نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، نا صرف یہ بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اپنے اوپر لاد کر جہنم میں جا

کرے۔ اس بات پر ہمیں خوب اچھی طرح غور کرنا چاہیے تا کہ ہم اپنے معاملات درست رکھ سکیں۔ مثلاً ایک مسلمان ہے مگر وہ فاسق و فاجر ہے، جبکہ دوسرا وہ ہے جس کا وقت مسجد میں گزرتا ہے اور وہ خوب بھر بھر کے نیکیاں کمانے کی کوشش کرتا ہے، مگر پھر یہ نیک مسلمان اس فاسق و فاجر سے ناروا سلوک کرتا ہے اور قیامت کے دن اس نیک مسلمان کی نیکیاں اس فاسق و فاجر کو مل جاتی ہیں جس نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ کبھی روزہ رکھا اور اس کے گناہ اس نیک مسلمان کو مل جاتے ہیں کہ جس نے نہ کبھی شراب پی، نہ چوری کی، نہ جھوٹ بولا وغیرہ۔ پس اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ہمیں کبھی بھی حقوق العباد کو اور لوگوں کے ساتھ معاملات کو ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس میں کوتاہی انسان کے تمام نیک اعمال کے ضائع ہونے کا سبب بن کر اسے آخرت کے دن مفلس بنا سکتی ہے، جس دن انسان ایک ایک نیکی کا محتاج ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگوں کے ساتھ معاملات کو بہت ہلکا سمجھتے ہیں اور نیکی صرف نماز روزے ہی کو سمجھتے ہیں اور محض یہ مراسم عبودیت ادا کر کے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی جنت بنا رہے ہیں اور اللہ کا قرب حاصل کر رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ معاملات میں ہماری کوتاہی ہمارے سب کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین کا درست فہم عطا فرمائے کیونکہ دین میں سے ہم اپنی مرضی سے کچھ لے اور کچھ چھوڑ نہیں سکتے بلکہ دین اسلام ایسا دین ہے کہ جسے ہم نے پورا کا پورا لینا ہے، اگر کوئی معاملات اور اخلاق میں بہت اچھا ہے مگر نماز روزے کے قریب بھی نہیں پھٹکتا تو اس کا دین کامل نہیں ہے اور اسی طرح اس کا دین بھی کامل نہیں ہے جس کی عبادات تو بہت ہوں مگر حقوق العباد کی ادائیگی کا خانہ بالکل خالی ہو۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا کہ تمام مخلوقات کے مابین نزاعات کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا، پس ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ رب العزت تمام حیوانات کے مابین نزاعات کا فیصلہ فرمائیں گے اور پھر تمام حیوانات کو حکم دیں گے کہ مٹی ہو جاؤ تو وہ سب کے سب حیوانات خاک ہو جائیں گے اور ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا کیونکہ جانوروں کے لیے کسی ثواب و عقاب کا وعدہ نہیں ہے، ان کے لیے نہ جنت ہے اور نہ ہی جہنم، پس تمام کے تمام جانور، جو کہ مکلف نہیں ہیں، انہیں اللہ رب العزت مٹی کر دیں گے اور کافر یہ سب دیکھ رہا ہو گا اور تب یہ سب دیکھ کر وہ کہے گا:

﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ (سورۃ النبا: ۴۰)

”اور کافر کہے گا: کاش کہ میں مٹی ہوتا (میں کبھی پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، میرا کوئی وجود ہی نہ ہوتا)!۔“

عَنْ أَبِي ذَرٍّ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَاتَيْنِ تَنْتَطِحَانِ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ هَلْ تَدْرِي فِيمَ تَنْتَطِحَانِ قَالَ لَا قَالَ لَكِنَّ اللَّهَ يَدْرِي وَسَيَقْضِي بَيْنَهُمَا (مسند احمد)

”حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکریوں کو آپس میں ایک دوسرے سے سینگوں کے ساتھ ٹکراتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ایک دوسرے کو سینگ مار رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں! (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: لیکن اللہ جانتا ہے اور عن قریب ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔“

یہ واقعہ ایسا نہیں ہے کہ جو کبھی کبھار پیش آئے بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے بھی پیش آتے ہیں، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے ہونے والی کسی بھی بات اور کسی بھی واقعے کو ایک خاص تناظر میں دیکھتے تھے۔ پس اس واقعے نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت اور حساب کتاب کی یاد دلائی اور آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی تعلیم دی۔ پس اس میں ہمارے لیے نصیحت ہے کہ ہماری نگاہیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور ہمارے کان جو کچھ سنتے ہیں ہم ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی صحبه وسلم

☆☆☆☆☆

کام اصول اور ضابطے سے ہونے چاہییں!

ایک صاحب نے دستی استفتاء پیش کیا۔ دریافت فرمایا کہ جواب کی کب ضرورت ہے؟ عرض کیا کہ ابھی لکھ دیجیے۔ فرمایا کہ اتنی جلدی تو یہ کام نہیں ہو سکتا، بعض اوقات کتاب دیکھنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، بعض مرتبہ تلاش میں دیر لگ جاتی ہے، تلاش سے تو میں نہیں گھبراتا کیونکہ ایک مسلمان کی خدمت ہے مگر تلاش کے لیے کچھ وقت کی بھی ضرورت ہے۔ عرض کیا کہ بہت اچھا۔ فرمایا کہ اب یہ بتلاؤ کہ تمہارے پاس کس طرح پہنچا جائے گا؟ عرض کیا کہ میں خود آکر لے جاؤں گا۔ فرمایا کہ ممکن ہے کہ آج ہی تیار ہو جائے تو اس کو امانت رکھنے کا ایک مستقل کام ہے۔ میں کثرت مشاغل سے بھول بھی جاتا ہوں۔ عرض کی کہ بذریعہ ڈاک روانہ فرما دیں۔ فرمایا کہ ماشاء اللہ یہ بات کہی کام کی، بہت اچھا اب یہ کیجیے کہ ایک لفافہ خرید کر اور اپنا پورا پتہ لکھ کر مجھ کو دیا جائے، جس وقت بھی فتویٰ تیار ہو جائے گا روانہ کر دوں گا۔

اصول سے کام کرنے میں راحت ہی راحت ہے۔ میں کام سے نہیں گھبراتا، نہ انکار ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ ہر کام اصول کے ماتحت ہو۔ اصول سے بڑی راحت ملتی ہے۔ آج کل یہ ہی بات نہیں رہی اصول اور ضابطوں سے لوگ گھبراتے ہیں اور میں بے اصولی اور بے قاعدہ باتوں سے گھبراتا ہوں کیونکہ وہ دوسروں کے کام کے ساتھ اپنی بھی کچھ مصلحتیں ہیں، آرام بھی ہے، کوئی کام بھی ہے، کس طرح پابند ہو جاؤں دوسروں کا؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ

(ملفوظات حکیم الامت، ج۳)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

رجیع اور بئر معونہ کے واقعات سے مستفاد دروس

صفر ۴ ہجری میں قبیلہ عضل اور قارہ کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہماری قوم میں اسلام پھیل رہا ہے، آپ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ بھیجیں جو ہمیں دین سکھائے، احکامِ شرع کی تعلیم دے اور قرآن پڑھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے چھ یا دس صحابہ رضوان اللہ علیہم کو ان کے ساتھ روانہ کیا، ان میں مرثد بن ابو مرثد، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن دثنہ، عبد اللہ بن طارق اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

یہ حضرات جب ان کے ساتھ حجاز کے ایک طرف واقع رجیع نامی بنو ہذیل کے چشمے پر پہنچے تو ہمراہیوں نے ان کے ساتھ بد عہدی کی اور بنو ہذیل کو بھی اپنی مدد کے لیے بلایا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ابھی اپنے سواریوں پر ہی تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے تلوار بدست لوگوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا، یہ حضرات بھی تلواریں سونت کر مقابلے پر آمادہ ہوگئے، اس پر یہ خائن گھبرا کر کہنے لگے: بخدا! ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ تمہارے بدلے اہلِ مکہ سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کے نام پر تم سے عہد کرتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ حضرت مرثد، خالد بن بکیر اور عاصم بن ثابت رضوان اللہ علیہم نے کہا: ہم تو ہرگز کسی مشرک کا عہد و معاہدہ قبول نہیں کریں گے۔ سو یہ حضرات ان کفار سے لڑنے لگے اور جامِ شہادت نوش کیا، بنو ہذیل نے حضرت عاصم کی شہادت کے بعد ارادہ کیا کہ ان کا سر کاٹ کر سلافہ بنت سعد کو بیچ دیں، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں اس کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا، جس پر اس عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر کسی طرح عاصم رضی اللہ عنہ کا سر اس کے ہاتھ لگ گیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیے گی۔ لیکن بنو ہذیل کو ناکامی ہوئی، کیونکہ بھڑوں کے ایک غول نے آکر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسد کو اپنے حصار میں لے لیا، اس پر انہوں نے مشورہ کیا کہ فی الحال ان بھڑوں کو چھوڑ دو، شام کو یہ واپس چلی جائیں گی تو ہم عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو لے جائیں گے، لیکن اس سے پہلے ہی اللہ نے سیلابی ریلا بھیج دیا جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہالے گیا۔

حضرت خبیب، ابن الدثنہ اور عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہم نے گرفتاری دے دی، کفار انہیں گرفتار کر کے بیچنے کے لیے مکہ لے جانے لگے، ظہران نامی جگہ حضرت عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے کسی طرح بندشوں سے اپنا ہاتھ آزاد کروالیا اور تلوار لے کر آمادہ پیکار ہوگئے، کفار پیچھے ہٹ گئے اور دور سے ہی پتھر مار مار کر آپ کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ وعن الصحابۃ اجمعین۔

خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما مکہ لائے گئے، اور بنو ہذیل نے مکہ میں قید اپنے دو افراد کے بدلے ان دونوں کو قریش کے حوالے کر دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا، تاکہ اپنے باپ کے بدلے انہیں قتل کرے اور اپنے غلام نسطاس کے ہاتھ انہیں حدودِ حرم سے باہر تنعیم میں بھیج دیا کہ وہاں انہیں قتل کیا جائے، قتل کے موقع پر قریش کی ایک ٹولی بھی موجود تھی اور ان میں ابو سفیان بھی تھے [جو ابھی ایمان نہ لائے تھے]، عین قتل کے وقت ابو سفیان نے ان سے کہا: اے زید! میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو اپنے اہل و عیال میں ہو اور (نعوذ باللہ) تیری جگہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بات بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ جس جگہ ہیں وہاں انہیں ایک کانٹا چبھے جس سے انہیں تکلیف پہنچے اور میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مزے میں ہوں۔ اس پر ابو سفیان بول اٹھے: میں نے کسی کو کسی کے ساتھ ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت محمد ﷺ کے ساتھ ان کے ساتھیوں کو ہے۔ بعد ازاں حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔

[حضرت خبیب کی کرامت اور وفاشعاری]

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی بابت حجیر بن ابی اہاب کی باندی ماویہ کہتی ہے: خبیب میرے پاس میرے گھر میں قید تھے، ایک دن میں نے ان کی کوٹھڑی میں جھانکا تو ان کے ہاتھ میں انسان کے سر جتنا بڑا انگوروں کا گچھا تھا جسے وہ کھا رہے تھے، جبکہ پورے مکہ میں اس وقت انگور کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ وہ مزید بتاتی ہے: جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا تو مجھ سے کہا: مجھے استرا دے دو، تاکہ قتل سے پہلے پاکی حاصل کر لوں۔ میں نے قبیلے کے ایک بچے کو استرا دے کر کہا کہ یہ لو اور کوٹھڑی میں بند آدمی کو دے آؤ، وہ کہتی ہے: بچہ ابھی استرا لے کر گیا ہی تھا کہ مجھے خیال آیا کہ یہ میں نے کیا کر دیا! بخدا! یہ قیدی تو بچے کو قتل کر کے اپنا بدلہ لے لے گا۔ جب بچے نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو استرا پکڑایا تو انہوں نے استرا لیتے ہوا کہا: تعجب ہے! جب تیری ماں نے تجھے استرا دے کر میرے پاس بھیجا تو اسے میرے انتقام کا خوف محسوس نہیں ہوا؟! پھر آپ نے اس بچے کو جانے دیا۔

[آخری خواہش: نماز]

جب کفار انہیں سولی دینے کے لیے تنعیم لائے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے کہا کہ پڑھ لو۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بڑے اطمینان کے ساتھ عمدہ طریقے سے دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیر کر مشرکین سے کہا: اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں اور لمبی نماز پڑھتا۔ قتل سے قبل دو رکعت پڑھنے کی اس روایت کا آغاز مسلمانوں میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے عمل سے ہوا، قریش نے انہیں سولی پر چڑھا کر مضبوطی سے باندھ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا کی: اے اللہ! بلاشبہ ہم نے آپ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچا دیا، آپ آج ہی اپنے رسول تک ہماری پیتا پہنچا دیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تغادر منھم احدا۔

"اے اللہ! ان میں سے ایک ایک کو گن لے، اور انہیں الگ الگ کر کے مار اور ان میں سے کسی ایک کو بھی مت چھوڑ۔"

اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار بھی پڑھے:

ولست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذالک فی ذات الالہ وان یشا
یبارک علی اوصال شلو ممزع

"جب میں مسلمان قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے پروا نہیں
میں کس پہلو کے بل گروں گا اللہ کی خاطر
یہ سب قربانی اللہ کے لیے ہے، اگر وہ چاہے
برکت ڈال دے شکستہ بدن کے ہر جوڑ پر

پھر عقبہ بن حارث نے آگے بڑھ کر انہیں شہید کر دیا۔[1]

بئر معونہ کا واقعہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے:

"رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان نے اپنے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگی، رسول اللہ ﷺ نے ستر انصار صحابہ ان کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیے، ان ستر کو اس وقت ہم قراء کہتے تھے، یہ حضرات دن میں لکڑیاں وغیرہ اکٹھی کرتے اور راتوں کو نماز پڑھتے، جب یہ قافلہ مدینہ سے نکل کر بئر معونہ پہنچا تو قافلے والوں نے بدعہدی کی اور ان ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ فجر کی نماز میں بادیہ عرب کے ان قبائل: رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے خلاف بد دعا فرمائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان حضرات قراء کی بابت قرآن کی آیات بھی نازل ہوئیں جو بعد ازاں اٹھا لی گئیں (یعنی ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی)، وہ آیات یہ تھیں:

بلغوا عنا قومنا بانا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔

'ہماری قوم کو ہماری طرف سے پیغام پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی، وہ ہم سے راضی ہوا اور اس نے ہمیں راضی و خوش کر دیا'۔"

یہ حادثہ جانکاہ بھی صفر ۴ ہجری کو پیش آیا۔[2]

جنگجو قراء

رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان نے جب دشمن کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگی تو آپ ﷺ نے ستر قراء کو بطورِ کمک ان کے ساتھ بھیجا، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں گزرا، اسی طرح رجیع والے حضرات صحابہ بھی قراء تھے۔

قراء کا مطلب وہ نہیں جو متاخرین کی اصطلاح ہے یعنی قرآنِ کریم کے قاری، بلکہ اس زمانے میں قراء سے مراد وہ علماء ہوتے تھے جنہوں نے قرآن کو اس کے معانی و مطالب سمجھ کر پڑھا ہوتا تھا، تو یہ ستر حضرات صحابہ کرام میں علماء شمار ہوتے تھے۔

اس زمانے میں علم عمل کے ساتھ جڑا ہوتا تھا، اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اس نبوی معاشرے کا خاص الخاص وصف تھا جس میں عالم و غیر عالم کی کوئی تفریق نہیں تھی، بلکہ علماء اس باب میں دوسروں سے آگے تھے اور اس بابت کسی مشقت و آزمائش کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جہاد و شہادت کی طرف لپکنے والے تھے اور میدان کی سختیوں پر صبر کرنے والے تھے۔

[اہلِ علم و جہاد]

اسلام کے ابتدائی زمانوں میں ایک عالم کا میدانِ جہاد میں قتال کوئی تعجب انگیز بات نہیں تھی، (بلکہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنا لائقِ تعجب ہوتا تھا)، یہ تو بعد کے زمانوں کا المیہ ہے کہ کسی فرد کا علم و جہاد کا جامع ہونا تعجب خیز سمجھا گیا، جب علم عمل سے تہی دامن ہو گیا۔ واللہ المستعان

[1] سیرت ابن ہشام: ۲: ۱۰۷۔ البدایہ والنہایہ: ۴: ۶۹۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، غزوۃ الرجیع ورعل و ذکوان و بئر معونة

[2] سیرت ابن ہشام: ۲: ۱۱۶۔ البدایہ والنہایہ: ۴: ۷۸۔ صحیح البخاری: کتاب المغازی، غزوہ الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونة

اللہ کی خشیت رکھنے والا سچا عالم اس بات سے حیا کرتا ہے کہ اسے اللہ کا ایک حکم معلوم ہو جائے پھر وہ اس پر عمل نہ کرے، کیونکہ علم سے مقصود تو عمل ہی ہے اور عمل ہی علم کی زینت ہے، جیسا کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف قتال کے وقت فرمایا تھا: اے اہلِ قرآن! اپنے عمل سے قرآن کو مزین کرو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مرتدین پر ہلہ بول دیا اور انہیں مارتے کاٹتے ان کی صفوں میں اندر تک گھس گئے اور زخمی ہو گئے۔ اور جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علم میں لوگوں سے برتر ہو اسے چاہیے کہ عمل میں بھی وہ دوسروں سے بڑھ کر ہو۔

عالم کے لیے تو مستحبات کے ترک اور مکروہات کے ارتکاب میں سستی کرنا عیب کی بات ہے، تو واجبات کے ترک اور حرام کے ارتکاب میں کوتاہی کس قدر بڑا عیب ہو گا!

اللہ کے عائد کردہ عظیم الشان احکام میں سے ایک حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے، فرضِ کفایہ ہونے کی صورت میں اس کو ترک کرنا علماء کے شایانِ شان نہیں، چہ جائیکہ فرضِ عین ہونے کی صورت میں پیچھے بیٹھ رہیں!

علماء ہی امت کی قیادت کر کے اسے ہر خیر تک لے جانے والے ہیں، جہاد کے میدانوں میں اس کی پیشوائی کرنے والے ہیں، اللہ کے عطا کیے علم و فہم کی بنا پر اللہ کی قدرت کا استحضار اور اس کی نصرت کا یقین انہیں دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کے لشکر کا حال بیان کیا کہ جب بعض لوگوں نے کہا:

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

”آج کے دن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ ہمارے بس سے باہر ہے۔“

یہ لوگ دشمن کی کثرت و قوت سے خوف کھا گئے تھے، تو ان کے علماء نے انہیں حوصلہ دیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، مدد اللہ کی طرف سے آتی ہے، تعداد اور ساز و سامان کی کثرت سے غلبہ نہیں ملتا، اور کہا:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ○

”کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

نیز ارشادِ باری ہے:

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ○

”اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، نتیجتاً انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے صابر (و ثابت قدم) لوگوں کو پسند کرتا ہے۔“

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ربیون کثیر کی تفسیر میں فرماتے ہیں اور بہت سے علماء سے یہ تفسیر بھی منقول ہے: صبر کرنے والے علماء، نیکوکار، متقی۔

ہماری امت کی تاریخ اللہ کے فضل سے باعمل اور صابر و مجاہد علماء کے واقعات اور مثالوں سے بھری ہوئی ہے، یہ تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے، یہ امت آج بھی اللہ کے فضل سے ایسے باعمل علماء پیدا کرنے پر قادر ہے جو حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کے اس قول کا عملی نمونہ ہوں:

بئس حامل القرآن انا اذا۔

”تب تو میں بہت بُرا قرآن کا علم رکھنے والا ہوں گا۔“

حضرت سالم رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں مہاجرین کے علم بردار تھے، مسلمانوں نے ان سے کہا کہ ہمیں ڈر ہے آپ کی وجہ سے ہمیں شکست ہو جائے گی۔ [آپ ثابت قدم نہ رہ سکیں گے، جھنڈا گر جائے گا اور لشکر کے حوصلے پست ہو جائیں گے] اس وقت حضرت سالم نے یہ تاریخی جملہ کہا:

بئس حامل القرآن انا اذا۔

”تب تو میں بہت بُرا قرآن کا علم رکھنے والا ہوں گا۔“

دو متضاد تصویریں

ان واقعات میں مسلمانوں کی وفا کی کئی روشن مثالیں ہیں، کیونکہ اسلام ہے ہی پاکیزگی، وفا، اعلیٰ اخلاق اور رفاہِ عام کا دین، ذرا اس واقعے پر غور کیجیے! مسلمانوں کے اخلاق کی بلندی آپ کو حیرت زدہ کر دے گی، جب عورت نے بچے کے ہاتھ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو استرا بھجوایا تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ماں سے کہا: کیا خیال ہے، اللہ نے مجھے تم پر قدرت نہیں دے ڈالی؟ [یعنی میں تم سے انتقام لینے پر قادر ہوں] عورت نے جواب دیا: میرا آپ کے بارے میں یہ گمان نہیں! حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے استرا اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا: میں صرف مذاق کر رہا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق کہا: میں بد عہدی کرنے والا نہیں [کہ تم مجھ پر اعتبار کر کے چھوٹے بچے کے ہاتھ استرا بھیجو اور میں اس بچے کو قتل کر دوں]۔

کیسی وفا ہے! کیسے بلند اخلاق ہیں! ایک شخص کو ایک قوم قتل کرنا چاہتی ہے اور وہ اس قوم کے ایک فرد پر قابو پالیتا ہے کہ اسے قتل کر کے اپنا انتقام لے لے، لیکن محض اس قوم کے اعتبار کی لاج رکھتے ہوئے ایسا نہیں کرتا!

اس اعلیٰ طرزِ عمل کے بالمقابل کفار کا مکروہ طریقہ کار بھی پوری طرح واضح ہے کہ کس طرح انہوں نے رجیع اور بئر معونہ میں مسلمانوں کے ساتھ کھلی غداری کی، اور کافر تو ہیں ہی ایسے:

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (سورۃ التوبۃ: ۱۰)

”کسی مومن کی بابت کسی رشتے داری یا معاہدے کا لحاظ نہیں کرتے۔“

[یعنی بہر صورت اسے نقصان پہنچانے کی سعی کرتے ہیں،] ان کا دین تو خواہشات اور مفادات سے عبارت ہے، ان کے نزدیک اخلاق اسی چیز کا نام ہے جس سے ان کی خواہش پوری ہو۔

اس بدترین بدعہدی کے باوجود مسلمانوں کے طرزِ عمل کی ایک اور مثال بھی ہے جو اسلام کی پاکیزگی اور اس کے ماننے والوں کے کردار کی بلندی پر شاہدِ عدل ہے۔

[غدر: تو غداروں کے ساتھ بھی نہیں]

عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ بئر معونہ کے واقعے میں گرفتار ہوئے تھے، جب انہوں نے گرفتار کرنے والوں کو بتایا کہ ان کا تعلق 'مُضَر' سے ہے، تو عامر بن طفیل نے [بطورِ علامت] ان کے سر کے بال پیشانی کی طرف سے کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا، اس کی ماں نے اس صفت کے حامل غلام کو آزاد کرنے کی منت مانی تھی تو اس نے اپنی ماں کی طرف سے کفارے میں انہیں آزاد کیا۔ قید سے چھوٹ کر آپ روانہ ہوئے، جب قرقرہ نامی چشمے پر پہنچے تو قبیلہ بنو عامر کے دو افراد آ کر اسی سایہ دار جگہ میں فروکش ہوئے جہاں آپ آرام کر رہے تھے، بنو عامر کے ان دونوں افراد کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عہد موجود تھا، لیکن حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو اس کا علم نہیں تھا [وہ انہیں دشمن ہی سمجھ رہے تھے]، انہوں نے ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، جب یہ دونوں بے فکر ہو کر سو گئے تو آپ نے آگے بڑھ کر انہیں قتل کر دیا اور یہ سمجھے کہ بنو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر جو ظلم کیا تھا میں نے اس کا بدلہ لیا ہے۔ عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ جب یہ سب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے ان دو کو قتل تو کر دیا، میں ان کی دِیَت ضرور دوں گا۔

دینِ اسلام کی بلندی کردار کے کیا کہنے! کس قدر انصاف پر مبنی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستّر محبوب ساتھی دیدہ و دانستہ بدعہدی کر کے شہید کر دیے جاتے ہیں، پھر اسی غدار قوم کے دو افراد، جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد تھا، غلطی سے قتل ہو جاتے ہیں، یہ غلطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی شاق گزرتی ہے کہ آپ دِیَت کی ادائیگی کی خاطر رقم جمع کرنے کے لیے بنفسِ نفیس مسلمانوں اور ان کے حلیف یہود کی علاقوں میں جاتے ہیں اور اسی دوران بنو نضیر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے بنو نضیر کی خلاف جنگ کی گئی۔

[غدر: کفر کی خصلت]

غدر و خیانت کرنا ہر دور میں کفار کا شیوہ رہا ہے، ہمیشہ عہد باندھتے ہیں، وعدے کرتے ہیں، لیکن ہمیشہ بدعہدی و خیانت کرتے ہیں، یہ عہد و معاہدے تو محض ان کا جال ہیں جس سے وہ مسلمانوں کو اپنی مکاری کا نشانہ بناتے ہیں۔

ہمیں کفار کی بدعہدی پر تعجب نہیں، کیونکہ کفر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں [بشمول غدر]، تعجب تو اہلِ اسلام پر ہے جو کفار کے بلوں سے بار ہا ڈسے جانے کے باوجود دوبارہ ڈسے جانے کے لیے ان کی طرف لپکتے ہیں، ان کفار نے بارہا مسلمانوں کے ساتھ آزادی، ترقی اور تعاون کے وعدے کیے لیکن سوائے خسران اور دھوکے کے ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔

کفار اپنی جبلی غداری کو ہر وقت مسلمانوں پر آزماتے ہیں، لیکن اسلام اس کے باوجود غدر سے پاک، کردار کی بلندی کا حامل اور وفا کیش رہتا ہے، خواہ معاہدہ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ کیوں نہ ہو، ہم خیانت کرنے والے کے ساتھ خیانت والا معاملہ نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ولاتخن من خانک [3]

”تم اس کے ساتھ خیانت مت کرو جو تمہارے ساتھ خیانت کرے۔“

والحمد للہ و صلی اللہ علی محمد و آلہ وسلم

☆☆☆☆☆

تم کو رہِ رسول پہ چلنا نصیب ہو! (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ تم کو صاحبِ سیف و سناں کرے
جسموں میں روحِ خالدؓ و طارقؒ رواں کرے

دے کر شعورِ زیست، ارادے جواں کرے
جو جم چکا ہے خون رگوں میں دواں کرے

تم کو رہِ رسولؐ پہ چلنا نصیب ہو
کب سے گرے پڑے ہو، سنبھلنا نصیب ہو

(احسان دانش رحمہ اللہ)

[3] رواہ الترمذی وابو داود

امت مسلمہ اور اہل صومالیہ کے نام پیغام

قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس کا فرمان ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

”اور تھام کر رکھو اللہ کی رسی کو تم سب اور آپس میں پھوٹ کے شکار نہ بنو“

اور درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کا تا روز قیامت ہمارے نبی محمد پر جن کا فرمان ہے:

أيها الناس، عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة، أيها الناس، عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة

”اے لوگوں اجتماعیت کو لازم پکڑو اور آپس میں تفرقہ بازی سے بچو، اے لوگوں اجتماعیت کو لازم پکڑو اور آپس میں تفرقہ بازی سے بچو۔“

نیز رحمت و سلامتی ہو ان کے آل و اصحاب پر جو ان کی راہنمائی پر چلتے رہے اور ان کی سنتوں پر گامزن رہے۔

امابعد!

ایک ایسے نازک وقت میں جب ایک طرف امت مسلمہ پہلے ہی سے ان وطنی لکیروں کے تحت، جو مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی غرض سے سائکس پیکو معاہدے کے ذریعے کھینچی گئی تھیں، المناک نتائج کا سامنا کر رہی ہے، تو دوسری طرف صہیونی طاقتیں اور خطوں میں موجود ان کی کٹھ پتلیاں پورے تکبر کے ساتھ اپنے منحوس منصوبوں کو آگے بڑھانے اور مسلمانوں کی سرزمینوں کو مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں، ہمیں میڈیا ذرائع سے موصول ہونے والی خبروں سے معلوم ہوا کہ اس بدکردار صہیونی ریاست نے اپنے وزیر اعظم (نیتن یاہو) کے توسط سے مسلمانوں کی گنجان آبادی پر مشتمل سرزمین صومالیہ سے علیحدہ مزید ایک مستقل ریاستِ صومال (صومالی لینڈ) کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا ہے، اور اس کا محض مقصد یہ ہے کہ اب تک کے نامزد مشہور ملکِ صومالیہ سے علیحدہ ایک ایسا مستقل مسلم علاقہ تیار ہو جائے جہاں یہ صہیونی اپنے ناپاک قدم رکھ سکیں تاکہ وہاں سے خطے کے دیگر مسلم علاقوں پر صہیونی خطرے کی سنگینی کو بڑھائیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہاں سے دو اہم سمندر بحرِ ہند اور بحرِ احمر پر اور بالخصوص آبنائے باب المندب جو عالمی اسٹریٹجی میں اہم کردار رکھتا ہے اس پر کنٹرول جاری رکھ سکیں۔

یہ قدم ایسے ہی نہیں اٹھایا گیا، بلکہ اس معاملے سے پہلے صومالی حکمرانوں نے پچھلی دہائیوں میں اپنے آپ کو امریکہ اور صہیونی دشمنوں کے آگے بالکل جھونک دیا گویا کہ وہ ان کے حلیف ہوں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح یہ حکام صہیونی صلیبی دشمنوں کی خاطر داری کے لیے کئی سارے معاملوں میں جی حضوری کرتے چلے آرہے ہیں اور کس طرح یہ امریکہ کی ان سے متعلق ہر منشاپوری کرنے کے لیے اور بحرِ احمر و بحرِ ہند سے جڑی مغربی مصلحتوں کی خدمت ادا کرنے کے لیے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔

خود یہودیوں کے اعتراف کے مطابق وہ صومالیہ کے حوالے چند مقاصد رکھتے ہیں:

- صومالی سرزمین ان علاقوں میں سے ایک ہے جس کو صہیونی رجیم غزہ سے ہمارے فلسطینی بھائیوں کو جبراً منتقل کرنے کے لیے ملحوظ رکھ رہی ہے، یہ پس پردہ معاملات بھی کھل کر سامنے آئے ہیں کہ ان ملکوں کے طاغوتی حکمرانوں نے صہیونیوں کے اس خیال کہ جواب میں یہ پیغام پہنچایا کہ وہ غزہ سے آنے والے لاکھوں لوگوں کو قبول کرنے کو تیار ہیں۔
- مسلم ممالک میں صہیونی فوجی اقتدار کو پھیلانا۔
- بربرہ بندرگاہ سے اپنا مفاد نکالنا جس کی ترقی کا بیڑا خطے میں موجود صہیونیوں کے وکیل صہیونی حکومتِ متحدہ امارات نے اٹھا رکھا ہے۔
- خلیج عدن اور آبنائے باب المندب پر نگرانی بٹھانا جہاں سے بڑے پیمانے پر دنیا بھر کا معاشی ساز و سامان گزرتا ہے۔
- جزیرۂ عرب اور دیار حرمین کا محاصرہ کرنا۔

باوجود صومالیہ اور عالمی ذرائع کی جانب سے اس اقدام کے انکار اور اظہارِ لاتعلقی پر مشتمل بیانات کے، یہود صومالی لینڈ کی خائن حکومت کے ساتھ ایسے عملی منصوبوں کی طرف بڑھتے جارہے ہیں جو عالمی قراردادوں کو دیوار پر دے مارنے کا معنی دے رہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ ہم نے صہیونی وفود اور صومالی لینڈ کے سربراہوں کی ملاقاتوں اور آمد و رفت کا بھی مشاہدہ کیا، مزید یہ بات بھی سامنے آئی کہ صہیونی حکومتِ امارات بآسانی صومالی لینڈ کی طرف منسوب لوگوں کو اپنا ویزا فراہم کر رہی ہے جبکہ دوسری طرف دیگر صومالی لوگوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک رہی ہے، اور اس کے علاوہ کئی معاملے جن میں کچھ بالکل واضح نظر آرہے ہیں اور کچھ خفیہ طور پر ہو رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اس اعتراف سے قبل ہی صومالی لینڈ میں صہیونی حکومت کے ایجنٹ و نمائندے خفیہ طور پر موجود ہیں۔ اب یہ سب وہ معاملے ہیں جو واضح طور ثابت کرتے ہیں کہ یہ عالمی قراردادیں اور بین الاقوامی تنقیدیں صہیونی و صلیبی دشمنوں کو ایک دن بھی اپنے توسیع پسندانہ ناپاک منصوبوں میں روکنے والی نہیں ہیں، انہیں اور ان جیسے دیگروں کو در حقیقت جو

چیز روکنے والی ہے وہ بس اس ربانی راستے کو مضبوط پکڑنا ہے جس پر حبیب مصطفیٰ ﷺ نے توجہ دلائی:

> إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ

> ”جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے، گایوں بیلوں کی دم تھام لو گے، کھیتی باڑی میں مست و مگن رہنے لگو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا، جس سے تم اس وقت تک نجات و چھٹکارا نہ پاسکو گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔“

اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

> لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله إلا سلط الله عليهم الذل

> ”جو قوم بھی جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتے ہیں۔“

اسی بنا پر ہم صومالیہ کے مسلمان بھائیوں کو اس بات کی طرف مدعو کرتے ہیں کہ وہ اپنے اطراف میں موجود جہادی تنظیم ”الشباب“ کے ساتھ جڑیں اور مختلف وسیلوں سے ان کی نصرت کریں، کیونکہ یہ بہت سے دشمنوں کے مقابل اللہ تعالیٰ کے بعد اس خطے کے اہم محافظین ہیں۔

اور اسی طرح ہم دنیا بھر میں بسنے والے تمام مسلمان بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس خطرے کی سنگینی کو محسوس کریں اور اس کے تئیں جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے جو ان پر ذمہ داری بنتی ہے اس کی تیاری کریں، اس لیے کہ اگر ہم کھڑے نہ ہوئے اور ہم نے اس معاملے کی خبر نہ لی تو یہ خطرہ انتہائی تاریک نتائج رکھتا ہے، لہٰذا یہ بات مناسب نہیں کہ ہم یہودیوں کے بڑھتے اقدامات کو لے کر مزید ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں جبکہ وہ مزید جرائم برپا کرتے جائیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ مسلمانانِ عالم ہوش کے ناخن لیں اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد میں سبقت اختیار کریں۔ ہمارے لیے فقط ان کے منصوبوں کو روکنا اور سرسری سامنا کرنا کافی نہیں بلکہ یہ لازم ہے کہ ہم اپنی مقبوضہ زمینوں سے ان کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں (بإذن الله تعالىٰ)

والله غالب على أمره ولكن أكثر الناس لا يعلمون

تنظيم قاعدة الجهاد في جزيرة العرب

۲۶ رجب ۱۴۴۷ھ بمطابق ۱۵ جنوری ۲۰۲۶ء

☆☆☆☆☆

بقیہ: سڈنی بونڈائی حملہ: کیا ہمارا طرزِ عمل درست ہے؟

اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے لیے اس کی رحمت کہاں جا سوئے گی؟ پھر کیا یہ رحمت کے منافی ہے کہ ظالم کا ہاتھ روکا جائے؟ ظالم کے حق میں تو عین رحمت یہی ہے کہ اس کے ظلم کا ہاتھ روکا جائے اور اسے جہنم کی مزید گہری گھاٹیوں میں گرنے سے بچایا جائے۔ احمد الاحمد نے جس کو ظالم سمجھا وہ تو اس امت کے نجات دہندہ بن کر آئے تھے، ان ہی جیسے تو اہل غزہ کا حقیقی بدلہ لینے والے ہیں، اہل غزہ کو ساتھ مل کر رونے والوں کی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ روکنے والوں کی ضرورت ہے۔ پس ہمیں اپنی سوچ اور اپنی فکر کے زاویے درست کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان موم کی ناک نہیں ہوتا کہ جہاں چاہے موڑ دو اور وہ اف تک نہ کہے، بلکہ اللہ نے مومنین کی صفت بنیان مرصوص، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بیان کی ہے جو نہ موڑی جائے، نہ توڑی جائے اور جو اس سے ٹکرائے وہ خود ہی پاش پاش ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

> واللہ! ہم اپنی آنکھوں سے اس امت کی بے توقیری، دشمن کی طرف سے اس کی تحقیر، اس پر کی جانے والی یلغار اور اس کی خرمستی دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے دل خون کے آنسو روتے ہیں، کیونکہ ہم اس دشمن کی بزدلی، کمزوری، ذلت اور اس کے حقیقی قد کو خوب پہچانتے ہیں اور اس سے بھی پہلے ہم اس کے بارے میں اس الٰہی حقیقت کو جانتے ہیں: لأنتم أشد رهبة في صدورهم من الله کہ ان کے دلوں میں تمہاری دہشت اللہ سے زیادہ ہے، کاش کہ اس کا مقابلہ اہلِ اسلام کی عزت، اور کھوئی ہوئی عربی غیرت و حمیت سے کیا جاتا، مگر یہ سب وَہَن ہے، ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔“

میرے دلبر آپ کی یادوں کا گلشن مہکتا رہے گا۔ قمریاں اپنا سر طوق میں ڈال کر اپنے ذوق میں آپ کا ذکر خیر کرتی رہیں گی۔ بلبلیں ہر گل کی بولے کر آپ کا چرچا کرتی رہیں گی۔ وہ دور خزاں ہو یا دور بہاراں ہو، دل آپ کی یادوں سے سرشار رہیں گے۔ الوداع اے جانِ جاں الوداع۔ نیا سال تو لوٹ آیا ہے، نہیں آئیں گے تو بس وہ پیارے لوٹ کر نہیں آئیں گے جو دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ اللہ عزوجل آپ کے درجات بلند فرمائے۔

مستند رستے وہی مانے گئے   جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے   تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشّاق سے   آہ نکلی اور پہچانے گئے

رحمه الله رحمة واسعة

☆☆☆☆☆

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

فضیلۃ الشیخ سیف العدل

بسمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دشمن کے خلاف اعلانِ جہاد

۱. لومڑی کو اس کی پناہ گاہ سے نکالنے[1] کی اسٹریٹیجی (اشتعال انگیزی)

آپ اس وقت تک مؤثر طریقے سے نہیں لڑ سکتے جب تک کہ آپ اپنے دشمنوں کی شناخت نہ کر لیں، اپنے دشمنوں کو ان کے چھپنے کی جگہوں سے نکالنے کا طریقہ سیکھیں، ان کے خلاف خفیہ طور پر اعلانِ جنگ کریں، سادہ لوح نہ بنیں۔ کچھ دشمنوں کے ساتھ تصفیہ ناممکن ہے، اور کوئی درمیانی راہ بھی نہیں۔ اللہ سے مدد طلب کریں اور ہمت نہ ہاریں۔ آپ کو جن رکاوٹوں کا سامنا ہے، نہ تو وہ قدرتی عوامل ہیں اور نہ ہی دیگر افراد، بلکہ آپ کے سامنے واحد رکاوٹ آپ خود ہیں۔ جب آپ ناکامی اور گھبراہٹ محسوس کرنے لگیں، جب آپ کو صحیح سمت کے احساس کا فقدان ہو، جب آپ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر پائیں، تب آپ، اپنے آپ کے علاوہ کسی کو ملامت نہ کریں۔

عسکری قوت خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، اگر وہ اپنا قوتِ حوصلہ کھو دے تو وہ سقوط کر جاتی ہے، صرف مضبوط دل رکھنے والے ہی سب لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مشکل حالات میں وہی نجات دہندہ ہوتے ہیں۔ جنگ کی طرف لوٹنا یا نجات پالینا، ان میں سے ہر ایک پہلو دوسرے کی طرف لے جاتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ واپسی کا فیصلہ اتنا بھرپور ہو جس سے مہم میں کامیابی حاصل ہو جائے، اور ان مواقع پر لوگوں کی اصلیت اور ان کی نفسیاتی قوت ظاہر ہوتی ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی ہوتی ہے۔

نَفْسُ عِصامٍ سوّدَتْ عِصاما
و علمتهُ الكرّ والإقداما
وصَيّرَتْهُ مَلِكًا هُمَامَا
حتى علا، وجاوزَ الأقواما

”عصام کی روح نے اسے خودداری سکھائی، حتیٰ کہ اسے جنگجو اور دلیر بنادیا۔ اور اسے ایک طاقتور بادشاہ بنادیا، یہاں تک کہ وہ سربلند ہوا اور دیگر اقوام پر سبقت لے گیا۔“

دورِ حاضر میں، دشمن نے بالواسطہ طور پر تنازع کو برپا کیا ہے اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنے میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مڈھ بھیڑ کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور عسکری اصول بدل چکے ہیں۔ ماضی قریب اور موجودہ دور میں، جنگ اور تنازع کا انتظام دولت مند خاندانوں اور ارب پتی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آچکا ہے، جو سیاستدانوں، انٹیلی جنس ایجنسیوں اور بیشتر ریاستی اداروں کو اپنے مقاصد کے لیے تابع بنا لیتے ہیں۔ ٹیلی ویژن، سینما اور انٹرنیٹ کے ذریعے میڈیا، ناقابلِ تصور حد تک چھا گیا ہے اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے سبب میڈیا کے ذرائع اور وسائل متعدد اور متنوع ہو چکے ہیں، جہاں سے اقدار و ثقافت، رسوم و رواج اور روایات و عادات دوسروں کے ہاں برآمد کی جاتی ہیں۔ اس سے بھی خطرناک اور بدترین پہلو یہ ہے کہ میڈیا نے لوگوں کے ذہنوں کو ابراہیمی مذاہب کے اتحاد[2] کے فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ نرم طاقت (Soft Power) کی جنگ ہے، جو شربت میں زہر ڈال کر پلاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو علامات اور اشاروں کی طرف توجہ دیتے ہیں، لیکن بہت سے لوگ ایسی اشیاء کی دراندازی سے غافل رہتے ہیں جو ان کے اقدار و ثقافت اور معاشرتی ورثے کو خراب کر رہی ہوتی ہیں اور انہیں اندھی تقلید کے جنون میں مبتلا مسخ شدہ انسانوں میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

عالمی جہادی تنظیم القاعدہ کی ذہانت اسی اسٹریٹیجی سے پیدا ہوئی اور بجا طور پر اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا بانی و شہسوار بننے کا حق تھا، چنانچہ یہ نسل انہی کے نام سے پہچانی گئی۔

امریکہ کے خلاف اعلانِ جہاد، دشمن کو ایک تنبیہ تھا اور سفارت خانوں پر حملہ، بحری بیڑے یو ایس ایس کول کو اڑانا ایک تمہید تھا تاکہ امریکہ کے اندر طاقت کی علامتوں کو ڈھا دیا جائے، خفیہ دشمنی ختم ہو اور اصل چہرے سامنے آجائیں، تاکہ لوگ نرم طاقت (Soft Power) کے جادو سے باہر نکلیں اور سخت طاقت (Hard Power) کا طبلِ جنگ انہیں بیدار کر دے۔ یہ ایک زوردار جھٹکا تھا جس نے دشمن کو اس کی پناہ گاہوں سے باہر نکالا اور لوگوں کو اس نرم جنگ کے منظر سے ہٹا دیا جو ایمان کو خراب کر رہا تھا اور انسان کو نقصان پہنچا رہا تھا اور انسان کو ایک ایسی بے جان مخلوق میں تبدیل کر چکا تھا جسے یہ احساس ہی نہیں کہ اُس کا رب اُس سے کیا چاہتا ہے۔ بیداری کا عمل چونکا دینے والا تھا کیونکہ نیند بہت گہری تھی اور پھر امتِ مسلمہ کا ردِ عمل بھی شاندار تھا جس سے ’القاعدہ‘، تورا بورا سے نکل کر مشرق میں برِ صغیر پاک و ہند تک اور مغرب میں برِ اعظم افریقہ کی آخری حد تک پہنچ گئی

[1] (اِخراج الثعلب) یہ مقولہ ابو جعفر المنصور نے نفسِ زکیہ محمد بن عبد اللہ بن حسن (رحمہ اللہ) پر قابو پانے کے لیے لمبی سلسلہ وار چالوں کے بعد کہا تھا۔

[2] یہ ایک مضحکہ خیز اتحاد ہے جس میں مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے حکمران شامل ہیں تاکہ اسے ہر قسم کی اسلامی تحریکوں، خصوصاً مسلح تحریکوں کے خلاف ’نیٹو‘ کی طرز پر استعمال کیا جائے۔ اسی طرح ہر اُس قوت کے خلاف استعمال کیا جائے جو مغرب کے مفادات کے لیے یا مغربی طاقتوں کے آقاؤں کے لیے خطرہ ہو۔ یہ اتحاد اب امتِ مسلمہ کی اقوام کو مزید دھوکہ دینے کے قابل نہیں رہا۔ لٰہذا، یہ ایک مسترد شدہ اتحاد ہے جو صرف میڈیا کی حد تک رہ گیا ہے جس میں کامیابی کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔

جبکہ شمال میں عراق و شام سے لے کر جنوب میں یمن و صومالیہ تک پھیل گئی۔ البتہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سے علم و آگاہی پھیلی، عقل و شعور کی بیداری ہوئی اور امتِ مسلمہ، تبدیلی کی جانب متحرک ہوئی، یہاں تک کہ اس سب کا نتیجہ اسلامی انقلابات کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خطرہ صرف ظاہری دشمن پر ہی نہیں رکتا، بلکہ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو وفاداری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اتحاد، شراکت داری اور رفاقت کی دعوت بھی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر اِن باتوں کے گُن گاتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ مواقع کے انتظار میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان سے بھی محتاط رہا جائے اور انہیں ایسے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جائے کہ وہ اپنے ارادوں کو قبل از وقت ظاہر کر دیں۔

دوست اور اتحادی ہی سب سے بہتر جانتا ہے کہ آپ کو کیسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے، وہ آپ سے بھی اتحاد کرتا ہے اور آپ کے مخالفین سے بھی۔ وہ مدد کی پیشکش کرتا ہے اور آپ کو مالی و سیاسی مدد فراہم بھی کرتا ہے، وہ آپ کو ایسے طریقے سمجھاتا ہے جن سے آپ وقت سے پہلے بڑھنے اور پھولنے لگیں، ایسے رجحانات سے تعلقات بنانے کو خوشنما کر کے دکھاتا ہے جو مستقبل میں آپ کے لیے ٹھوکروں کا باعث بنیں۔ آپ کے لیے آپ کی قبر کھودتا ہے اور ہر مرحلے پر اسے مزید گہرا کرتا جاتا ہے۔ جہاں اس کا مفاد ہوتا ہے وہاں آپ کا ساتھ دیتا ہے، لیکن پھر ساتھ دینے سے رک جاتا ہے تاکہ آپ اس کے پیچھے لگ جائیں۔ ایسا دوست اور ساتھی یہ سب حربے اس لیے استعمال کرتا ہے تاکہ وہ آپ کو کمزور، تابع اور ذلیل رکھ کر اپنے اہداف حاصل کر سکے۔

بدترین شراکت دار اور ساتھی وہ ہیں جو تبدیلی کے عمل کے دوران آپ کے خلاف ہو جائیں، شراکت داری کو دشمنی میں بدل دیں، اپنے ہاتھوں کو پاکیزہ خون سے آلودہ کریں، کل کے ساتھیوں کو جھوٹ اور بہتان تراشی کے ذریعے بدنما دکھائیں، خصوصاً جب بعض مشہور اور نامور لوگ ان کے بُرے کرتوتوں کو ان کے لیے خوش نما بنا کر دکھانا شروع کر دیں اور انہیں اس توَہُم میں مبتلا کریں کہ یہ تو اللہ کی تقدیر ہیں۔ یہ لوگ آپ کے دین و ایمان اور پرہیز گاری کا استحصال کرتے ہوئے ان شراکت داروں کا پردہ چاک ہونے سے بچاتے ہیں، تاکہ وہ آپ پر حملہ کریں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ آپ ان شراکت داروں کے ساتھ کچھ برا نہیں کریں گے، پس یہ غداری کا سب سے بھیانک اور بدترین وار ہے جو ہمیں ساتھیوں اور شراکت داروں کی طرف سے ملتا ہے۔ تو کیا ہم نے ساتھیوں کا انتخاب کرنے میں غلطی کی؟ یا وہ شروع ہی سے غدار اور خیانت کرنے والے تھے؟ کیونکہ مقولہ مشہور ہے کہ:

مَا خَانَ أَمِينٌ قَطُّ وَلَكِنَّهُ ائْتَمَنَ غَيْرَ أَمِينٍ فَخَانَ

”دیانت دار کبھی خیانت کا مرتکب نہیں ہوتا، لیکن جب بددیانت شخص کو امین مقرر کیا جائے ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔“

ایسے طبقے سے ہوشیار رہنا چاہیے، ان کے افعال کو جواز نہیں بخشنا چاہیے اور اگر یہ ہماری صفوں میں پائے جائیں تو ان کے ساتھ شراکت داری توڑنے میں پہل کرنی چاہیے یا اس شراکت کو تبدیل کر دینا چاہیے اس سے قبل کہ یہ مضبوط اور وسیع ہو جائے کیونکہ بعض اوقات حسنِ ظن غفلت بن جاتا ہے۔

اسلامی تحریک کے مثالی حلیف مسلم اقوام کے عوام ہیں، یہی قومیں ہیں جنہوں نے ہمیں جنم دیا اور جو بدلہ طلب کیے بغیر اپنی جان و مال سے ہماری مدد کرتی ہیں، ہماری مسلم اقوام ہی اس دین کی محافظ ڈھال تھیں اور اب بھی ہیں۔ پس اسلامی تحریک کو مسلم اقوام کی حقیقت پسندانہ نمائندگی کرنی چاہیے اور وہ تلوار بننا چاہیے جسے یہ اقوام اپنے عزائم کے حصول کے لیے اٹھاتی ہیں۔ ہماری مسلم اقوام شریعتِ اسلامیہ کے سائے تلے زندگی گزارنے کی پیاسی ہیں، کیونکہ اسی کے ذریعے عدل و انصاف، بھائی چارہ اور باہمی تعاون قائم ہو سکتے ہیں، وہ اپنے وسائل کو بہترین طریقے سے لگانے کی منتظر ہیں، جس سے انہیں، حکومتوں کی بے جا دخل اندازی اور لوٹ مار سے پاک، باعزت زندگی نصیب ہو۔ ہماری اقوام اقتدار کو ایک غنیمت کے طور پر نہیں دیکھتیں بلکہ ایک فریضے اور ذمہ داری کے طور پر دیکھتی ہیں، جو مخلص افراد ہی ادا کر سکتے ہیں، وہ افراد جو مسلم اذہان اور مسلم سرزمینوں دونوں کو آزاد بھی کرائیں اور ان کا دفاع بھی کریں۔ لہٰذا مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اقوام کے ساتھ ہر میدان کے دروازے کھلے رکھیں، انہیں ان کے مقاصد کے حصول کے طریقے سمجھانے کے لیے کام کریں اور اس کے لیے ان کی قیادت کریں۔ اس طرح اور دیگر طریقوں سے ڈھال (اقوام) اور تلوار (اسلامی تحریک) کے درمیان مکمل ہم آہنگی حاصل ہو گی۔

جو چیز سپاہیوں کے حوصلے (مورال) بلند کرتی ہے وہ ایک آسمانی اور بے عیب منہج کے سائے تلے اور ایک ایسی ربانی قیادت کے جھنڈے اور نگرانی کے تحت ان کو متحرک کرنا ہے، جو اللہ سے ڈرتی ہے اور ان کے معاملہ میں خوفِ خدا سے کام لیتی ہے، وہ سب مل کر ان مقاصد کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں جن پر ان کا ایمان ہے۔ حوصلے (مورال) کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ صفوں کا اتحاد اور ان کی مضبوطی و ہم آہنگی، اور یہ پختہ ایمان اور دو طرفہ اعتماد کی عکاسی کرتا ہے۔

جھاڑیوں پر ایسا مارو کہ سانپ چونک جائیں (چینی کہاوت)، جو میرے ساتھ نہیں وہ میرے خلاف ہے (انجیل کا متن)۔ ۱۱ ستمبر کا حملہ ایک عسکری ضرب سے بڑھ کر تھا، یہ ایک زلزلہ تھا جس نے صفوں کے درمیان تفریق کر دی، اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات جھاڑیوں میں چھپے ہوؤں کو سامنے لے آئے اور صفیں الگ ہو گئیں، دشمن اپنے سردار کے خیمے میں اس کے پیچھے اور اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ امتِ مسلمہ کی اقوام دنیا میں اپنا مقام اور قدر و منزلت جان گئیں اور یہ کہ انہیں کس صف میں کھڑا ہونا چاہیے۔ القاعدہ کو بھی اپنے قائدانہ کردار کا ادراک ہوا کیونکہ وہ امت کا ہراول دستہ ہے۔

اسٹریٹجی کے اعتبار سے دشمن کا تصور آپ کے خلاف لڑنے والی قوت سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ موقع کی تاک میں رہنے والے بھی دشمن ہیں اگرچہ وہ آج کمزور ہیں۔ جب شکار گر جائے یا زخمی ہو جائے تو شکاری درندے اس پر جھپٹ پڑتے ہیں اور ان کے بعد گندگی کھانے والے گھٹیا جانور بھی منہ مارنے لگتے ہیں۔ دشمن کی اصطلاح میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اسلام کے قافلے کے خلاف کام کرتا ہے، اس کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، گڑھے کھودتا ہے یا دشمن کی حمایت کرتا ہے اور اسے مادی اور اخلاقی مدد وحمایت فراہم کرتا ہے، وہ بھی دشمن ہے جو کمزور و بے بس انسانوں پر ظلم و زیادتی کرتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اسی طرح، وہ بھی دشمن ہے جو انسانوں کو تباہ و برباد کرنے اور انہیں مسخ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ بھی دشمن ہے جو ذاتی مال و دولت کے لیے اور اپنے ملک کے مفادات کے لیے کرۂ ارض کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، اس کے وسائل کو لوٹتا ہے اور اس میں فساد برپا کرتا ہے۔

دشمنوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اُس وقت انصاف پسند اور اعتدال پسند ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں جب ہم جنگ اور معرکے کے عین وسط میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسے وقت میں دشمن کی حقیقت، اس کی خسیس چالوں اور اس کے ظلم و بربریت کو واضح کرنا چاہیے لیکن یہ اندرونی دشمن، اس کے بجائے مغربی استعمار کی سیاہ تاریخ پر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور امت کی حوصلہ شکنی اور عزم و ہمت توڑنے کے لیے مغرب کی اعلیٰ ٹیکنالوجی اور فوجی برتری کا پرچار کرتا ہے تاکہ امت ان کے پروپیگنڈہ کی طاقت کے سامنے ہتھیار ڈال دے، ان کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور تبدیلی لانے سے عاجز ہو جائے۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی شکست ہے جو کئی میدانوں میں شکستوں کو جنم دیتی ہے۔ کیا ملحد اور سیکولر اپنی امت کے ساتھ یہی کچھ نہیں کرتے؟

ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو آپ کے لیے بُرے ارادے رکھتے ہیں اور خفیہ طریقے سے آگے بڑھتے ہیں، آپ کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے، نہ کہ شک میں پڑنا چاہیے، اشاروں اور علامات پر نظر رکھیں کیونکہ ہر ظاہری چیز حقیقی نہیں ہوتی۔ مسلم ممالک کے اندر گھس بیٹھے پانچویں کالم (منافقین) کو مشتعل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان انہیں پہچان سکیں اور ان کے خطرات سے بچ سکیں۔ انہیں جال میں پھنسانے کی بھی ضرورت ہے تاکہ انہیں حرکت دینے والے امت کے دشمن سامنے آئیں اور ان کے مکروہ چہرے بے نقاب ہوں۔

اس اسٹریٹجی کی مشکل تب واضح ہوتی ہے جب اسے اندرونی صفوں میں نافذ کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں میں بدگمانی، شکوک و شبہات اور خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّكَ إِذَا اتَّبَعْتَ الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ» فَإِنِّي لَا أَتَّبِعُ الرِّيبَةَ فِيهِمْ فَأُفْسِدَهُمْ۔

’جب تم لوگوں کے عیبوں کی ٹوہ میں لگو گے تو انہیں بگاڑ دو گے‘، میں ان میں ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہیں لگتا کہ انہیں بگاڑ دوں۔“[3]

مسلم معاشرہ کی حفاظت بھی ایک اہم مقصد ہے جس کا خیال رکھنا مقدم ہے۔ اس لیے اس اسٹریٹجی کو اس روایت پر عمل کرتے ہوئے استعمال کیا جا سکتا ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لاَ يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔

”مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“

رہے وہ لوگ جو اپنے آپ کو شک و شبہ کی بھٹی میں ڈالتے ہیں، انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ہمیں اشاروں اور علامات پر نظر رکھنی چاہیے اور انہیں جانچ پڑتال کے عمل سے گزارنا چاہیے کیونکہ دینی و اخلاقی پرہیز گاری ہمیں اس سے نہیں روکتی۔ عقل مندانہ معائنہ (Smart Test) سے حاسدین، منافقین، در انداز جواسیس اور موقع پرستوں کے دلوں کے بھید معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جن لوگوں سے مشکوک علامات ظاہر ہوں ان سے تغافل برتنا یا انتہائی مودت کا اظہار کرنا۔ اس چال سے وہ مزید تیز ہو جاتے ہیں اور اپنی احتیاطیں چھوڑ دیتے ہیں، اس طرح ماہر تفتیش کار کو وہ ثبوت فراہم کر دیتے ہیں جسے وہ تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ مشتبہ شخص کو غصہ دلانے اور اس کے تناؤ میں اضافہ کرنے کا حیلہ کامیاب ہو جاتا ہے تاکہ اس کے بند ٹوٹ جائیں اور وہ ما فی الضمیر ظاہر کر دے۔ اسی طرح بحث و مباحثہ کی شدت سے بھی، جو اشتعال انگیزی یا الزام تراشی یا مدح سرائی پر مبنی ہو، خاطر خواہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے لمحے میں اس کے ساتھ مناسب اقدام نہ اٹھانے کا کوئی جواز نہیں۔

لین بیاؤ (Lin Biao) چینی لیڈر ماؤزے تنگ (Mao Zedong) کے قریبی دوستوں اور مشیروں میں سے تھا، ستّر کی دہائی کے آغاز میں، ماؤ نے لین میں تبدیلی محسوس کی۔ لین شدید مودت ظاہر کرنے لگا اور شرمناک انداز میں اس کی بہت تعریفیں کرنے لگا۔ ماؤ کے لیے یہ ایک اشارہ تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ماؤ لین کو قریب سے دیکھنے لگا، اس کا شک درست نکلا۔ لین بغاوت کی منصوبہ بندی کر رہا تھا یا کم از کم ماؤ کی جگہ اقتدار سنبھالنے کے لیے اپنی جگہ بنا رہا تھا۔

نازک اوقات اور بحرانوں کے دوران عوام جذباتی ہوتے ہیں، اس دوران ان پر خواہشات کے حامل مفاد پرست افراد اثر انداز ہوتے ہیں اور لوگ ہر آواز لگانے والے کے پیچھے لگ کر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بحران یک دم نہیں آتے بلکہ اس کے

[3] صحیح الادب المفرد/حدیث: ١٨٦۔الأدب المفرد کی تخریج میں شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

آثار افق پر نظر آنے لگتے ہیں۔ عقل مند انسان کو بحران کے دوران دروغ گوؤں کے خطرے کا صحیح ادراک ہوتا ہے کیونکہ اندرونی جنگ ہی مشکل ترین ہوتی ہے اس لیے کہ اس کے نتائج خطرناک ہوتے ہیں اور یہ تفرقہ اور خلفشار کا دروازہ ہے۔ یہ ایسا موقع ہے جسے بیرونی دشمن ہماری کمزوری اور تفرقہ کو مزید بڑھانے کے لیے کبھی بھی ضائع نہیں کرتا اور اس طرح وہ، حالات سے اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہمیں طرح طرح کی دعوت دینے والوں کو راستہ نہیں دینا چاہیے اور نہ ہی انہیں اتنی مہلت دینی چاہیے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائیں بلکہ ایسی حالت کو سنبھالنے کے لیے کئی جہتوں پر کام کرنے میں پہل کرنی چاہیے۔

۱. عوام کو آئندہ رونما ہونے والی حالات کے بارے میں آگاہ کرنا۔
۲. مندرجہ بالا یا دیگر طریقوں سے جب ہم ان بولنے والوں کو بے نقاب کر دیں تو ہمیں ان کا سامنا کرنا ہوگا اور ان کا پردہ چاک کرنا ہوگا تاکہ ایسی سوچ رکھنے والے کے سامنے تمام راستے بند ہو جائیں۔
۳. ہر ملوث شخص کو سختی اور سنجیدگی سے سزا دینا، کیونکہ بے جادر گزر ایک آفت ہے۔ پرامن حل میں حد سے زیادہ بڑھنا تنازع کو کمزور کر دیتا ہے اور اسے تباہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔

زندگی میں تنازعات اور لڑائیوں سے بچنا اور ان سے فرار ہونا، ناکامی کا ایسا نسخہ ہے جو دوسروں کو آپ پر غنڈہ گردی کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے اور آپ کی عزت و وقار تک کو سلب کر لیتا ہے جبکہ اس ذلت کے راستے پر اپنے حقوق کا تو ذکر ہی مت کیجیے۔ خود کو مظلوم ثابت کرنا آپ کے حقوق واپس نہیں لائے گا، حتیٰ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ ہمدردی کی نظر سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ وہ اقوام جو ظالم حکومتوں کو مہلت دیتی ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتی ہیں، انہیں غلام بنا لیا جاتا ہے۔ قدیم مصری مقولہ ہے:

"اے فرعون تجھے کس نے فرعون بنایا؟ جواب ملا: مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو مجھے کہے 'نہیں!'۔"

لہٰذا حفاظتی تدابیر ہمیشہ علاج سے بہتر ہیں۔

شکوک و شبہات میں ڈوب جانا اور وسوسوں کو اپنے اوپر غالب کر لینا بہت خطرناک ہے۔ ایسے شخص سے گڑبڑ کرنا کتنا آسان ہے جو شک زدہ ہو اور جس پر سازشوں کا بھوت سوار ہو۔ پس ضروری ہے کہ ہم اشاروں اور علامات پر توجہ دیں، انہیں اپنے مشاہدے میں رکھیں اور ان کی جانچ پڑتال کرتے رہیں تاکہ ہم شکوک و شبہات میں نہ ڈوب جائیں اور اپنے تصور کو واضح رکھیں، اور پھر ہم دوست، احمق اور دشمن میں فرق کر سکیں، دشمنوں کی درجہ بندی کرتے رہیں اور دشمن کی ہر قسم سے نمٹنے کے طریقے متعین کریں۔ پس جہاں لاٹھی سے کام ہو وہاں تلوار استعمال نہ کریں اور جہاں الفاظ سے کام ہو تا ہو وہاں لاٹھی کا استعمال نہ کریں۔

مقولہ ہے کہ مہارت یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو لڑے بغیر مغلوب کر دو یا ان کو ایک دوسرے کے خلاف کر دو۔ لیکن مہارت کی انتہا یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو اپنے ایک حصے میں بدل دو اور انہیں اپنا ہی ایک جزو بنا ڈالو تاکہ وہ آپ پر یقین کرنے لگیں اور آپ کی مدد کرنے لگیں۔ ہمارے پیارے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی عظیم سیرت میں اس حوالے سے شاندار واقعات موجود ہیں۔[۴]

پوری تاریخ میں زیادہ تر ممالک اور سلطنتیں، دو اہم ترین چیزوں کی خاطر زندہ اور قائم رہی ہیں اور قیادت کے لیے آپس میں مقابلہ بازی کرتی رہی ہیں: پہلا وہ منہج جو معاشرے کو باہم جوڑتا ہے اور صفوں میں وحدت اور مضبوطی پیدا کرتا ہے اور دوسرا وہ انصاف جو لوگوں کی سلامتی اور وجود کو تحفظ دیتا ہے۔ اگر یہ دو عناصر موجود ہوں تو عوام بھوک اور پیاس پر بھی صبر کر لیتے ہیں لیکن اگر ان دو میں سے ایک بھی ناپید ہو جائے تو لیڈر اور سیاست دان بیرونی دشمن کی تخلیق پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کے خلاف قوم کو متحد کیا جا سکے، اور اگر ایسا دشمن بھی تخلیق نہ کیا جا سکے تو اس کا نتیجہ صفوں کے ٹوٹنے، اندرونی اتحاد کے خاتمے اور اقتدار کے لیے اندرونی جھگڑوں کے آغاز کی صورت میں نظر آئے گا۔

موجودہ زمانے میں، مغرب پہلے تو اندرونی کشمکش کا متبادل ایجاد کرنے میں کامیاب ہوا اور اس نے، انتخابی مقابلہ بازی کے ذریعے، داخلی تنازعات کو حقیقی تبدیلی سے چہروں کی تبدیلی کی

---

[۴] نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے ایک گھڑ سوار دستے کو نجد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ یہ دستہ بنو حنیفہ کے (سرداروں میں سے) ایک شخص ثمامہ بن اُثال کو پکڑ کر لے آیا اور اسے مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ باہر تشریف لائے اور پوچھا: "اے ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟" ثمامہ نے کہا: "اے محمد! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ) میرے پاس خیر ہے، (اس کے باوجود) اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو آپ ایک شخص کو قتل کریں گے جو خونی ہے، اس نے جنگ میں مسلمانوں کو مارا اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو (احسان کرنے والے کا) شکر ادا کرتا ہے اور اگر آپ کو مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں مجھ سے مال طلب کر سکتے ہیں"۔ ثمامہ کو اسی حال میں رکھا گیا یہاں تک کہ اگلا دن آ گیا۔ پھر نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے اس سے پوچھا: "اے ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟" ثمامہ نے جواب دیا: "وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ احسان کریں تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو شکر گزار ہے"۔ ثمامہ کو اسی حال میں رکھا گیا یہاں تک کہ تیسرا دن آ گیا۔ پھر آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے دریافت فرمایا: "اے ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟" ثمامہ نے کہا: "جو میں پہلے کہہ چکا ہوں وہی ہے"۔ تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: "ثمامہ کو رہا کر دو"۔ ثمامہ مسجد کے قریب ایک باغ میں گئے اور غسل کر کے پھر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا: "أشهد ان لا إله إلا الله، وأشهد أن محمداً رسول الله۔ اے محمد! (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ) اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ میرے لیے محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! میری نظر میں آپ کے دین سے زیادہ برا کوئی دین نہیں تھا لیکن آج آپ کا دین مجھے عزیز ترین ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض شہر کوئی اور نہ تھا لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ آپ کے دستے نے مجھے اُس وقت پکڑا جب میں عمرے کے ارادے سے نکلا تھا، تو اب آپ کی کیا رائے ہے؟" رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے آپ کو خوشخبری دی اور حکم دیا کہ عمرا ادا کریں۔ جب حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو کسی نے ان سے کہا: تم صابی (یعنی بے دین) ہو گئے ہو۔ حضرت ثمامہ نے جواب دیا: "نہیں، بلکہ میں حضرت محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں اور اللہ کی قسم! اب تمہارے یہاں یمامہ کی گندم سے ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اس کی اجازت دیں۔" (بخاری)

طرف موڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ داخلی تنازع کا شکار ہونے کے بجائے حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنا، بہتر ہے۔ دوسری بات یہ کہ مغرب نے اپنے عوام کو مصروف اور پُر سکون رکھنے کے لیے ہمیشہ ایک بیرونی دشمن ایجاد کیا اور اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اس طرح لیڈروں اور سیاست دانوں نے، عارضی طور پر، اندرونی سکون اور عوام کی خاموشی کو یقینی بنایا تاکہ وہ تاک میں رہنے والے بیرونی دشمن (سوویت یونین، اسلامی تحریکوں، روس اور چین) کے خطرات کے خوف سے اندرونی بحرانوں کو حل کرنے کا مطالبہ نہ کرنے لگیں۔ بصورتِ دیگر، کسی جنونی، اشتعال انگیز اور جُوا باز شخص (جیسے مارگریٹ تھیچر یا ٹرمپ وغیرہ) کی موجودگی میں تفرقہ اور تقسیم کے بیج بکھر جائیں گے اور ایک بار جب وہ اندرونی اختلافات کے پانیوں سے سیراب ہو جائیں گے تو ریاست کا اتحاد اور ہم آہنگی ختم ہو جائے گی۔ یہ تمام اتحادوں میں قریب الوقوع نظر آتا ہے (یورپی یونین، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، متحدہ مملکت برطانیہ)۔

اس سے بھی بدتر عرب حکمران اور سیاست دان ہیں جو بیرونی دشمن کی خاطر قوم کی وحدت کو توڑنے اور داخلی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اس لیے انہوں نے اپنی قوموں کے جذبات سے کھیلا اور انہیں بے معنی جھگڑوں میں تھکا دیا۔ جیسے بن زاید اور بن سلمان نے قطر کو سدھارنے کے لیے خلیجی عوام کے ساتھ کیا اور کھیلوں کے ایک ٹورنامنٹ کی میزبانی کو جزیرۂ عرب کے عوام کے درمیان دشمنی پھیلانے کا نقطۂ آغاز بنایا اور پس پردہ اغراض کو چھپائے رکھا۔ دوسری طرف امت کے سب سے مغربی خطے میں مراکش اور الجزائر کے درمیان تند و تیز الفاظ کا استعمال ہو رہا ہے جبکہ یہی لوگ سبتہ (سیوٹا) اور ملیلیہ (میلیلا) کو سپین سے آزاد کرانے پر مکمل خاموش بلکہ گونگے بنے ہوئے ہیں۔ کھیلوں کے ان مقابلوں کا تو ذکر ہی نہ کیجیے جو ہماری اقوام کے درمیان دشمنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ کھیل ایک طرف ایک فضول مقابلہ بازی میں عوام کو متحرک کر کے ان کے جذبات کو خرچ کر دیتے ہیں اور دوسری طرف اقوام کو ایک خیالی دشمنی کے ذریعے آپس میں چیر پھاڑ دیتے ہیں تاکہ عوام اپنے اندرونی بحرانوں کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ یہ کھیل تماشا، ایک بدحواسی کی نمائندگی کرتا ہے جو، عوام کی توجہ حکام کی خیانت اور آلہ کاری سے دور کر دیتا ہے۔

برائی اور نقصان میں ان کے برابر وہ حکمران بھی ہے جو اپنے عوام کو گمراہ کرتا ہے اور ان کے ساتھ جہالت سازی کی صنعت پر عمل پیرا ہوتا ہے......خود کو فرعون بنالیتا ہے (جیسے مصر میں سیسی اور تیونس میں قَیْس سَعِیّد) عوام کی نمائندگی کرنے والے چنیدہ افراد کو قید کرتا ہے، مخلص لوگوں کے خلاف آتش و آہن سے لڑتا ہے، اپنے مستقبل کی ضمانت کے بدلے اپنے ملک کو دین کے دشمنوں کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ پس یہ مسندِ اقتدار پر براجمان ایک غدار ہے۔

امت کے حصے بخرے کرنے کے لیے ایسے حکمران اور ان کے پیروکار خواہ کتنے ہی حربے کیوں نہ استعمال کر لیں آخر کار ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو امت کے درمیان ان دراڑوں کو مندمل کر دیتے ہیں، اور اگر ان واقعات سے صحیح طریقے سے استفادہ کیا جائے تو امت کی یکجہتی و ہم آہنگی کو بحال کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (پانچ سالہ) بچے ریان المغربی پر رحم فرمائے جس کی وفات نے حکمرانوں کی بے حسی کو شکست دی اور امت میں بھائی چارے اور باہمی تعاون کی روح کو زندہ کیا۔[5] یہ ایک زندہ، باشعور اور پختہ امت ہے جو اپنے تاریخی لمحے کے لیے تیاری کر رہی ہے۔ امت کی اقوام، وللہ الحمد، ایک دوسرے کو آپس میں جوڑنے والے عناصر سے بھی واقف ہیں اور اپنے لیڈروں اور سیاست دانوں کے مکروہ کردار کا بھی انہیں ادراک ہے۔

ایسے دشمن بھی پائے جاتے ہیں جو دھوکہ دہی میں ماہر ہیں اور آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ داؤ پیچ اور چال بازی کے میدان ہوتے ہوئے جنگی میدانوں کی ضرورت نہیں۔ آپ کے اندر معافی تلافی، صلح جوئی اور کسی ڈیل پر پہنچنے کی قناعت اور رغبت پیدا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان کی خواہشات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ سادہ الفاظ میں وہ آپ کو صرف غیر مسلح کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

بعض کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح یا اصلاحات کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔ یہ ایک وہم ہے، کیونکہ اصلاح ایک تربیتی و تعلیمی تحریک ہے نہ کہ تبدیلی کی تحریک۔ دراصل یہ لوگ، نظام اور مختلف گروہوں یا جماعتوں کے درمیان سمجھوتوں کے ذریعے بعض مفادات اور کچھ فوائد کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں۔ اگرچہ سیاسی میدان میں سمجھوتے تک پہنچنا ایک قابلیت اور مہارت ہے لیکن وہ اپنے اندر اصولی مواقف سے پیچھے ہٹنے اور خاطر مدارت کی دلدل میں غرق ہونے کا خطرہ سموئے ہوتے ہیں۔ جس سے اقتدار کے لیے اندرونی جدوجہد، حقیقی تبدیلی سے ہٹ کر ایک عمومی ماحول میں بدل جاتی ہے جس میں صرف چہرے بدل جاتے ہیں، تبدیلی کا عمل اپنا راستہ کھو دیتا ہے اور دوبارہ اس راستہ تک لوٹنا نہ صرف ایک مشکل کام بن جاتا ہے بلکہ وہ اس راستے میں دور نکل جاتے ہیں اور اسی کو فروغ دیتے ہیں۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا تنازع پیوندکاری کو قبول نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسے سمجھوتے برداشت کر سکتا ہے جو دین و شریعت سے متصادم ہوں۔ اگر دو تلواریں ایک نیام میں نہیں اکٹھی ہو سکتیں تو، دو عقیدے ایک دل میں بطریقِ اولیٰ جمع نہیں ہو سکتے۔ کوئی بھی امت خلط

---

[5] یہ واقعہ فروری ۲۰۲۲ء میں مراکش کے شمالی صوبہ شفشاون کے ایک گاؤں میں پیش آیا جہاں ریان نامی پانچ سالہ بچہ، ایک کنویں میں گر گیا۔ سوشل میڈیا کی توجہ دلانے پر پوری امت اسے بچانے کے لیے بیدار ہو گئی۔ انتہائی کوششوں کے باوجود اس کے لیے زندگی مقدر نہ تھی۔

ملت منہج کے بنا پر حکمرانی نہیں کر سکتی۔ (سیاسی و عسکری دونوں طرح کے) تنازعات کا راستہ، مخالفین کی دشمنی کے خوف کے بغیر، واضح اور بے جھول ہونا چاہیے۔ معرکے ہمیں اپنے عقیدے کا چوکس محافظ بنا کر رکھتے ہیں، لڑائیوں اور معرکوں کے بغیر تنازع میں فتح کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور فتح سے ہی ہم اپنی اقوام کی جانب سے وقار اور احترام حاصل کریں گے کیونکہ ہم اپنی دعوت میں سچے تھے اور ہماری فتح وہ ہے جس پر ہمیں یقین ہو اور اس کے لیے ہم نے امکانات پیدا کیے ہوں۔

مضبوط دشمن کے ساتھ نرم خوئی پر مبنی دوستانہ اور خوشگوار حل تلاش کرنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔ یہ گمان مت رکھیں کہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرے گا اور وہ کھینچی ہوئی لکیروں کو عبور نہیں کرے گا۔ طاقتور لوگ سرخ لکیروں کو نہیں جانتے، نہ ہی ہم سری و برابری قبول کرتے ہیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر اپنی نرم یا سخت قوت کو استعمال کرتے ہوئے آپ کے دروازے توڑ ڈالیں گے، وہ بحران پیدا کریں گے اور آپ کو اپنے کلب میں کھینچ لانے کی کوشش کریں گے۔ جب آپ ان کے کھیل کے میدان کی طرف پھسل جائیں گے تو انہی کے قانون و ضابطے کے مطابق حرکت کرنے پر مجبور ہوں گے اور آپ ان کے جال میں پھنس جائیں گے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو گا۔ لہٰذا دھوکہ دہی کے بازار میں اپنے آپ کو بہت ہوشیار مت سمجھیں۔ اس سب کے بعد بھی دشمن آپ سے تب تک راضی نہیں ہو گا جب تک آپ اس کی مکمل تابعداری نہیں کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

”اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔ (ان سے) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے۔ اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی خدا) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذاب) خدا سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔“

جنگ اور تنازع زندگی عطا ہونے سے پہلے ہی سے زندگی کا ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے۔ انسان اپنے دشمنوں سے سیکھتا ہے، کئی مرتبہ دشمن ہی ہمیں تنازعات کے لئے مناسب حکمت عملی سُجھا دیتا ہے۔ دشمنی کی محض موجودگی اور تنازع کی شروعات ہی ہمیں باہمت، متحرک، ہر دم تیار، کمربستہ اور اپنے ایمان، اقدار، اصول و روایات اور رسم و رواج سے جڑے رہنے کے لیے پُر عزم بنا دیتی ہیں اور ہم اپنی پوری طاقت سے اپنے اقدار و ثقافت کے ورثے اور اہم علامتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اس سے ہمارا معاشرہ مضبوط تر، ہمارا نظام زیادہ مستحکم اور مؤثر، ہمارے حوصلے بلند، ہماری جسمانی صلاحیتیں قوی اور ہمارا عزم مضبوط ہوتا ہے۔ اس سے ہمارا ذہن بھی زیادہ بیدار ہوتا ہے اور ہماری تیاری اور آمادگی کو بھی اعلیٰ ترین سطح پر لے جاتا ہے۔

تنازع ہمیں اپنی صلاحیتوں کو ماپنے کا پیمانہ فراہم کرتا ہے اور ہمیں بہتری لانے کے لیے خود کو پرکھنے اور جانچنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ ہمیں اپنی امت کو کھڑا کرنے اور ترقی دینے کے لیے علم کے مختلف شعبوں میں کوشش کرنے پر اکساتا ہے تاکہ ہماری امت منہجی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، ٹیکنالوجی اور اس کی بنا پر تہذیبی طور پر ہمیشہ کے لیے قیادت کے مقام پر فائز رہے۔

بقیہ: اصلاح معاشرہ

اس آیت کا اس سے پہلے کی آیتوں سے تو بہت واضح ربط ہے ہی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری سورہ کی جان ہے، شروع سے لے کر اب جتنے احکامات دیے گئے ان سب کے اندر حقیقت پیدا کرنے کی اس میں تلقین کی جا رہی ہے، اور یہ اسلام کی بڑی خصوصیت و امتیاز ہے کہ اس نے صورت کو حقیقت کے ساتھ جوڑا ہے اور اس میں جان پیدا کی ہے، اس سے عمل کے اندر وہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے نتائج سامنے آتے ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی کو ان کا تصور بھی نہیں ہوتا، اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب اللہ کی اس صفت کا استحضار رہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کے ڈھکے چھپے سے واقف ہے، سینوں کے راز اس کے پاس ہیں، اندر کی کیفیتوں کو وہ خوب جانتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

”بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے ڈھکے چھپے سے واقف ہے۔“

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

”اور جو کچھ تم کرتے ہو اس پر اس کی پوری نگاہ ہے۔“

آدمی اپنے کیے پر کیسا ہی پردہ ڈالے لیکن وہ اپنے خالق و مالک سے کچھ چھپا نہیں سکتا، جس کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور اپنے کاموں کا حساب دینا ہے، اس کا استحضار انسان کو ہزار خرابیوں سے بچا سکتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ معاشرہ کی اصلاح میں اس کی خاص اہمیت ہے، ایک روسی مفکر نے یہ بات لکھی ہے کہ ”سماج کو سنوارنے کا سب سے بڑا ذریعہ آخرت کی جزا و سزا کا یقین ہے“ یقین جتنا بڑھتا جاتا ہے زندگی سنورتی جاتی ہے، پھر انسان پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کوئی کام مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے کہ اس کے نتیجہ میں آخرت کی پکڑ کا سامنا کرنا پڑے۔

حاصل یہ کہ صفات حمیدہ پیدا کرنے اور زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے کا یہ سب سے قیمتی نسخہ ہے، ضرورت ہے اس کے یقین کو بڑھانے کی اور اسے آزمانے کی۔

☆☆☆☆☆

موجودہ عالمی تبدیلیوں کے تناظر میں اسلام کا مستقبل

ادارہ شاہد، تنظیم القاعدہ، جزیرۂ عرب

موجودہ عالمی تبدیلیوں کے تناظر میں اسلام اور جہاد کا مستقبل، بہت سے عوامل اور درست فیصلوں پر منحصر ہے جنہیں اہلِ اسلام، اہلِ علم، اہلِ دعوت اور اہلِ جہاد کو پوری ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ اپنانا چاہیے۔

چاہے ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں، آج ہم جس دنیا میں جی رہے ہیں وہ بدل رہی ہے اور تیسری عالمی جنگ کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہے، تاہم، اگر اس کی ابتدائی سرد علامات اور گرم تیاریاں پہلے ہی شروع نہیں ہو چکیں، تب بھی یہ ایک واقعی حقیقت ہے جس میں ہم جی رہے ہیں اور مشاہدہ کر رہے ہیں، نہ کہ کوئی پیشن گوئی جو شاید مستقبل میں پوری ہو۔ تمام اشارے، نشانیاں، علامات، حتیٰ کہ آنکھیں بھی اسی حتمی انجام اور ناگزیر قسمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم افق پر نمودار ہو رہے ہیں، ہر سمت ان کے طبل بج رہے ہیں، اور ان کے بادل آہستہ آہستہ فضا میں ابھر رہے ہیں۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ وبائیں زمین کے کونے کونے میں پھیل رہی ہیں جن سے لاکھوں لوگ مر رہے ہیں، آتش فشاں، زلزلے، سیلاب اور قحط وخشک سالی جیسی قدرتی آفات نازل ہو رہی ہیں اور ابتدائی جنگوں کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ تجارتی راستے منقطع ہو رہے ہیں، بڑی طاقتوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ اور اشتعال انگیزیاں مسلسل بڑھ رہی ہیں اور وہ کمزوروں پر ظلم و ستم میں حد سے گزر چکی ہیں۔ اسی دوران صہیونی صلیبی گھمنڈ اور استبداد کے خلاف اسلامی اور عالمی غصہ بڑھ رہا ہے اور اسلامی جہادی تحریک کے ہراول دستے سے مثبت ردِ عمل ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ سب اور دیگر عوامل نے شدید اقتصادی و معاشی بحران پیدا کر دیا ہے جس سے دنیا بھر میں مہنگائی کی ایک لہر پھیل گئی ہے۔ اگر ہم ان سب عوامل میں ملٹی نیشنل کمپنیوں، کاروباریوں اور تاجروں کی لالچ اور ناجائز منافع خوری، عوام کی فضول خرچیوں اور عیاشی، ہر ملک میں معاشرتی تقسیم، جہاں ایک طبقہ حد سے زیادہ امیر اور دوسرا حد سے زیادہ غریب ہے، کا بھی اضافہ کریں، تو نتیجہ ایک تباہ حال دنیا کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کا اعتماد علماء، مبلغین، مفکرین، اراکین پارلیمنٹ، حکومتی اہلکاروں اور ریاستی اداروں سے اٹھ چکا ہے۔ موجودہ ریاستیں اخلاقی زوال، الحاد و لادینیت اور روحانیت کے خاتمے کو فروغ دے رہی ہیں۔ اس سب نے دنیا کو معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی بگاڑ کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ لہٰذا دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر ہے اور اقوام اپنے ظالم و کرپٹ حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے راستے پر گامزن ہیں۔ ہر ملک کے عوام اپنے حکمرانوں سے لڑیں گے جنھوں نے انہیں قید کیا، انہیں ذلت و عار اور پستی میں مبتلا کیے رکھا۔

آنے والے چند سالوں میں جنگیں چھڑنے والی ہیں اور دنیا جنگوں کے بعد کے دور کی نئی حقیقت میں داخل ہونے والی ہے۔ جو لوگ مستقبل کی اچھی منصوبہ بندی اور بہتر تیاری کریں گے، وہی آنے والی جنگوں کے ثمرات سمیٹیں گے۔ یہ سب حالات و حقائق اہلِ دعوت، اہلِ علم، اور اہلِ جہاد سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ زیادہ ہمت، درست فہم اور صحیح شعور کے ساتھ اپنی تیاری جاری رکھیں، کیونکہ آنے والی جنگیں ہماری توقع سے کہیں زیادہ خونریز اور شدید تر ہوں گی اور ان جنگوں سے دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ جبکہ ہمیں یعنی مجاہدین کی جماعت کو اس راستے پر اپنی عزیز امتِ مسلمہ کی موجودگی اور مدد کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک ہو۔ اس وقت ہمیں جس چیز کی سب سے زیادہ احتیاج ہے وہ یہ ہے کہ ہم اور ہماری امت کی اقوام ایک ہی موقف پر اور ایک ہی بنیاد پر کھڑی ہوں، پس یہ ایک تاریخی موقع ہے جس سے ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مشرق اور مغرب کے درمیان ہونے والا یہ تصادم، دونوں طاقتوں کو کمزور کر دے گا اور اس تصادم کے سائے میں بہت سی اقوام اپنے حکمرانوں کے جبر و تسلط سے نجات پا جائیں گی، چاہے انقلاب کے ذریعے ہو، یا قتال اور لڑائی کے ذریعے، یا سیاسی معاہدوں اور اتفاقِ رائے سے۔ پس ایک طرف عالمی جہادی مزاحمتی دعوت کی تحریکیں مضبوط ہوں گی (جو دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کی طرف تبدیلی چاہتی ہیں)، اور دوسری طرف لادین، قوم پرست، اور وطنی تحریکیں کھڑی ہوں گی اور آنے والے وقت میں ان دونوں قسم کی تحریکوں کے درمیان زبردست مقابلہ ہو گا۔ ہمیں دعوتی، امنیاتی (سیکورٹی) اور عسکری میدانوں میں مرحلہ وار ترقی کرتے ہوئے ان تمام جاہلی تحریکوں کو غیر مؤثر بنانے، کمزور کرنے اور اگر ممکن ہو تو ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ جہاں تک (قومی شراکت) اور (اجتماعی ذمہ داری) کے نام پر ان سیکولر تحریکوں کے ساتھ اتحاد کا تعلق ہے تو یہ ایک غلطی ہے۔ ہمیں اپنے ماضی کے تجربات اور دوسروں کے تجربات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ مثلاً جب مصر میں حکومت گری تو قوم پرست اور سیکولر جماعتوں نے اخوان المسلمون کے ساتھ غداری کی، انہیں دھوکہ دیا اور فوج کے ساتھ مل گئے۔ نتیجتاً اخوان المسلمون ایک اعتدال پسند جماعت سے ''دہشت گرد جماعت'' قرار پائی، اور پُرامن تبدیلی کے حصول کے تمام راستوں کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد صرف مجاہدین ہی سے امید باقی رہی جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی مدد و نصرت سے نوازتا ہے۔ قدیم کہاوت ہے کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں، لہٰذا ہمیں کبھی بھی ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جو اسلام کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کی بنیاد وطنی، سیکولر، جمہوری یا قوم پرستانہ ہوتی ہے، کیونکہ یہ سب مغرب کی خدمت کرتے ہیں اور اسلام اور اسلامی نظام کے دشمن ہیں۔ پس ہمیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے، ان کے ساتھ اتحاد نہیں کرنا چاہیے، نہ ان سے وعدے کرنے چاہئیں اور نہ ہی انہیں تحفظ فراہم کرنا چاہیے، بلکہ ان کی جدوجہد کے طریقۂ کار کی خامیوں کو واضح کرنا

چاہیے، پھر ان کو کمزور کرنے، ان کی صفوں کو توڑنے، ان کی جمعیت کو منتشر کرنے اور بالآخر ان کا خاتمہ کرنے پر کام کرنا چاہیے تاکہ عالمی اصلاحی و جہادی دعوتی محاذ مضبوط ہو۔ پھر ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے جیسا وہ ہم سے کریں گے اگر کبھی تنازع کا فیصلہ ان کے حق میں ہو جائے، جیسا کہ مصر میں ہوا، مگر یہ سب ہمارے دین کی عدل پر مبنی تعلیمات اور ہمارے منہج کی اعتدال پسند روش کے مطابق ہونا چاہیے (نہ کہ غلو پسند جاہلوں کی طرح)۔ ہمیں اپنی صفوں کو ان لوگوں کے ذریعے مضبوط کرنا چاہیے جو دین پر مضبوطی سے قائم ہیں اور ہمیں اپنی امت اور اپنی اقوام کے عام افراد کو بھی تبدیلی سے پہلے، دورانِ تبدیلی، اور تبدیلی کے بعد اپنے ساتھ شامل کرنا چاہیے، تاکہ ہم اسلام کو غالب کر سکیں اور دین کو اسی طرح قائم کریں جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور جس پر وہ راضی ہوتا ہے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں، (اکابر اہلِ جہاد کی) مجالسِ شوریٰ میں اہم ترین موضوعات میں سے ایک موضوع یہ تھا کہ امریکہ کی نرم طاقت (Soft Power) ہماری امت کی اقوام کے درمیان اثر و رسوخ حاصل کر رہی ہیں اور بڑھتی جا رہی ہیں، اور امریکہ اپنی اس نرم طاقت سے آئندہ نسلوں کی امیدوں پر قابو پا رہا ہے۔ اُس وقت اہلِ جہاد کا یہ یقین تھا کہ آنے والی نسلیں کبھی بھی اس حقیقت کو نہیں سمجھ پائیں گی کہ صہیونی مغرب دراصل ہماری امتِ مسلمہ کا دشمن ہے، بلکہ ہماری نسلیں ان کے کارندوں اور ایجنٹوں میں سے ایک بن جائیں گی۔ چنانچہ اہلِ دعوت و جہاد پر یہ لازم تھا کہ وہ ان نسلوں کو ان کی غفلت سے بیدار کریں۔ اُس وقت اسلامی دعوتی تحریک کو میڈیا محاذ اور سیاسی محاذ پر سخت حملوں کا سامنا تھا، جبکہ مجاہدین کے پاس نہ وہ ادارے تھے، نہ وسائل، جو دشمنوں اور ان کی ایجنٹ مقامی حکومتوں کے پاس تھے جن سے وہ عوام تک اپنی دعوت پہنچا سکیں۔ بہت سے میدانوں میں اہلِ جہاد کے تمام ذرائع اور وسائل محدود کر دیے گئے تھے اور اگرچہ اسلامی بیداری کی لہر بڑھ رہی تھی، لیکن رائے عامہ کی تشکیل کے ذرائع مجاہدین کے ہاتھ میں نہیں تھے۔ اُس وقت دشمنوں کو روکنے اور اپنی امت کو جگانے کا واحد راستہ مسلح جدوجہد ہی تھا اور اس تناظر میں یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ افغانستان کا جہاد، اللہ عزوجل کی توفیق کے بعد، امت کی غفلت سے بیداری کے اہم ترین عوامل میں سے ایک تھا۔ لہٰذا، اس میں کوئی شک نہیں کہ جہادِ افغانستان نے موجودہ دور میں، امتِ مسلمہ کے صفِ اوّل کے مجاہد و جانباز دستے کی بنیاد رکھنے کے لیے مضبوط زمین فراہم کی۔ اس وقت، امریکہ اور صہیونی صلیبی مغرب کے ساتھ تنازع کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ ہم اپنی نئی نسلوں پر تنازع کی حقیقت کو واضح کریں، انہیں شعور دیں اور بیدار کریں۔ پس اللہ کے فضل و کرم اور اس کی عنایت سے، تنظیم القاعدہ، امریکہ کی ''نرم طاقت'' (Soft Power) کو تنازع سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی اور اُسے سخت طاقت (Hard Power) کی لڑائی میں گھسیٹ لیا۔ یہ بیداری صرف امتِ مسلمہ تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کی سرحدوں سے باہر دوسرے ممالک تک بھی پھیل گئی، یہاں تک کہ چند برس قبل ایک اعلیٰ چینی عہدیدار نے کہا تھا: ''القاعدہ نے چین اور روس، دونوں کو ترقی، تعمیرِ نو اور عالمی بالادستی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے کافی وقت فراہم کیا ہے، کیونکہ اُس نے مغرب کو اپنے ساتھ سخت جنگ میں مصروف رکھا''،

یہ بیان غور و فکر کے لائق ہے۔ لیکن ہم مجاہدین کا کہنا ہے کہ ''القاعدہ نے مسلمانوں کو عالمی فیصلہ سازی کے لیے تنازع اور مقابلے کے میدان میں واپس لا کھڑا کیا ہے''، یہ جملہ ہمارے لیے اور ہماری امت کے لیے بے حد معنی رکھتا ہے۔ اور ان شاءاللہ، چند دہائیاں نہیں گزریں گی کہ مغرب، عالمی فیصلہ سازی میں اپنی برتری کھو دے گا۔ یقیناً آج مغرب ہر سطح پر ناکام ہو چکا ہے، اُس نے دنیا کو کوئی ایسا نظریہ یا نظام نہیں دیا جو اسے معنویت بخشے اور اس کے وجود کو برقرار رکھے، بلکہ اس نے موقع پرستی اور دنیا کے وسائل پر لالچ اور ہوس کا بازار گرم کیا اور انسانیت و روحانیت کی تباہی پیش کی اور اُس نے وسائل کے اسراف سے انہیں ضائع کیا اور پوری زمین کو آلودہ کر کے رکھ دیا، اور وہ اب بھی انسانی عنصر اور انسانیت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ مغرب کو سیاسی مسابقت سے نکالنے اور عالمی فیصلہ سازی سے باہر کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کی جائے، تاکہ اسلام کے دو میدانوں، دعوت اور جہاد، کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔

حال ہی میں احمق قزاق ٹرمپ نمودار ہوا ہے تاکہ ہر میدان میں عالمی تبدیلی کے عمل کو تیز کر دے:

داخلی طور پر: وہ اپنے اس خواب و خیال میں جی رہا ہے کہ وہ امریکہ کا پہلا بادشاہ بن جائے، اسی لیے توقع ہے کہ وہ آنے والے انتخابات کو کسی بھی بہانے منسوخ کر دے گا یا اقتدار میں رہنے کے لیے آئین میں ترمیم کرے گا۔ اللہ کے حکم سے یہ بلیک میلر، بھتہ خور قزاق، اپنے ملک امریکہ کو خانہ جنگی اور داخلی تنازع میں جھونک دے گا، جو امریکہ کی عالمی فیصلہ سازی کی بالادستی اور اس کے عالمی تسلط کو کمزور کر دے گا۔ جہاں تک اس کے مشابہ خواب دیکھنے والے نیتن یاہو کا تعلق ہے، تو وہ بھی یہی کر رہا ہے اور پوری سنجیدگی سے کوشش میں ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ بن جائے۔ کسی بھی قوم کو اس کے اندرونی انتشار اور ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی مؤثر علاج نہیں کہ اس کی لڑائیاں بیرونی دشمنوں کی طرف منتقل کر دی جائیں، خصوصاً اگر اس قوم کا مقصد مفاد پرستی ہو، نہ کہ دین و مذہب پرستی۔ یہی وہ عمل ہے جو انہوں نے صدیوں کے فکری اور عسکری تصادم کے ذریعے ہم پر اور دیگر اقوام پر کیا ہے، مگر ہم اللہ کے فضل سے اور اسلام سے اپنی وابستگی کے باعث بچ گئے اور مادورو اور لاطینی امریکہ کے حکمران اپنے دینی و روحانی خالی پن کے باعث ناکام ہوئے، اور اسی طرح باقی تمام اقوام جو دینی و روحانی لحاظ سے کھوکھلی ہیں، وہ بھی ناکام ہو جائیں گی۔

بین الاقوامی سطح پر ٹرمپ نے امریکہ کے اتحادیوں کے ساتھ، طاقت کے تصور کو اس کے دو پہلوؤں ''نرم'' اور ''سخت'' سے نکال کر ''ڈینگیں مارنے والی طاقت'' کے زاویے میں منتقل کر دیا۔ اُس نے مادورو کو اغوا کیا اور اس کے پیچھے موجود لاطینی امریکہ کے ممالک کے سربراہوں کو دھمکیاں دیں۔ اُس نے عرب بادشاہوں سے تکبر سے کہا کہ ''ہم مفت میں کسی کی حفاظت نہیں کریں گے، تمہیں تحفظ کی قیمت ادا کرنا ہو گی''۔ یہ معاملہ صرف مسلم ممالک کے حکمرانوں یا امریکہ کے کمزور اتحادیوں تک محدود نہیں رہا بلکہ یورپ، نیٹو کے

رکن ممالک، حتیٰ کہ یوکرین تک جا پہنچا، جو روسیوں کے خلاف یورپ اور مغرب کی پہلی دفاعی لائن ہے۔ ”امریکہ کو دوبارہ عظیم بنائیں“ اور ”سب سے پہلے امریکہ“ جیسے نعرے، اللہ کے حکم سے، مغربی دنیا کے مکمل زوال کو حقیقت کا روپ دے دیں گے۔

اسی طرح بین الاقوامی سطح پر اپنے مخالفین اور حریفوں کے ساتھ، ٹرمپ نے وہ سب کچھ کھلے عام کر دکھایا جو امریکہ خفیہ طور پر کیا کرتا تھا۔ وہ کرۂ ارض پر موجود ہر ایک کو دھمکی دیتا ہے، ہر اُس قوم کو بلیک میل کرتا ہے جس کی مزاحمت کی قوت کمزور ہو، (نام نہاد) بین الاقوامی قانون اور اقوامِ متحدہ کو تباہ کرنے پر تُلا ہوا ہے، اور سامراجی طاقت کی حکمرانی اور جنگل کے قانون کے اصول کو دوبارہ زندہ کر رہا ہے۔ اُس نے وینزویلا کے حکمران مادورو کو اُس کی فوج اور محافظوں کے درمیان سے اغوا کر لیا اور پھر کیوبا، ایران اور دیگر ممالک کو بھی دھمکیاں دینے لگا۔ ٹرمپ واقعی جنگل کا قانون نافذ کر رہا ہے اور مکمل طور پر سامراجی و استعماری غنڈہ گردی کے راستے پر چل رہا ہے۔ جن لوگوں نے استعماری دور نہیں دیکھا، وہ آج حقیقی استعماری غارت گری کا چہرہ دیکھ رہے ہیں۔ پوری دنیا کو، اپنے ساتھیوں اور اہلکاروں کو، صحافیوں کو، حتیٰ کہ اپنے خاندان تک کے خلاف ٹرمپ کی روزانہ کی دھمکیوں کی گنتی کرنا بھی مشکل ہے۔ وہ بادشاہت کا جنون رکھتا ہے اور مطلق العنان حکمرانی چاہتا ہے۔ جو بھی شخص اپنے مقاصد میں سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے، اُسے صرف ٹرمپ کی خوشامد اور چاپلوسی کرنی ہے اور اُس کی حمایت کرنی ہے تاکہ وہ امن کا نوبل انعام حاصل کر سکے۔ لیکن وہ اسے کیسے حاصل کر سکتا ہے جبکہ وہ صبح و شام دنیا کو دھمکاتا ہے، لاطینی امریکہ کے کمزور ممالک کے خلاف طاقت استعمال کرتا ہے، خلیجی ریاستوں سے پیسہ نچوڑتا ہے اور اپنی وزارت کا نام وزارتِ دفاع سے بدل کر وزارتِ جنگ رکھ دیتا ہے، چاہے جنگ اندرونی ہو یا بیرونی، تاکہ سب اُس کی مرضی کے تابع ہو جائیں۔ وہ ایک ایسا احمق ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے، ہر دور کے ظالم حکمرانوں کی طرح۔

اور دوسری طرف جہاں تک چین کا تعلق ہے، جو عالمی میدان میں سب سے بڑا حریف ہے، وہ اپنی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی تمام طاقتوں کو کمزور کیا جائے، خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی۔ اسی لیے وہ کمزوروں کو مزید کمزور کرتا ہے، سب کو مالی امداد فراہم کرتا ہے، سب کے ساتھ اور سب کے خلاف اتحاد بناتا ہے، اور دنیا کے سامنے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ محض ایک بڑا تجارتی کارخانہ نہیں بلکہ ایک ایسی قوم ہے جو دنیا کی قیادت کرنے اور اس کا انتظام کرنے کی کوشش میں ہے۔ لیکن یہ اس کی پہنچ سے دور ہے اور اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو گی، کیونکہ وہ اپنی خود پسندی میں مگن ہے، ایک حکمران کی بلند امنگوں کو دوسرا محتاط حکمران زائل کر دیتا ہے، اور اس کی نفسیاتی کمزوری سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

ہم تصدیق کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ نہ صرف چین، بلکہ روس، ایران اور ترکی، نیز ان جیسے بہت سے ممالک یا گروہ جو مغرب کی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ صرف ظاہری حد تک ہی ہو، وہ سب ہمارے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ تو ہماری کوششوں اور جہاد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہم اس مرحلے پر ان کے ساتھ کسی ٹکراؤ میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ خود اس کی ابتدا نہ کریں۔ اس کے برعکس یہ ممالک، مستقبل کے حالات کا اندازہ لگا کر، ضرور ہمارے مخالفین اور ہماری صفوں کو تقسیم کرنے والوں کی حمایت و مدد کریں گے۔ ممکن ہے فی الحال ان میں سے بعض کچھ مدد بھی فراہم کریں، مگر بخل، احتیاط اور محتاط انداز میں، اتنی ہی جس سے ہم (ان کے نقطۂ نظر سے) زندہ رہ سکیں اور مغرب کے ساتھ ہمارا جاری تصادم قائم رہے تاکہ مغرب کو کمزور کیا جا سکے۔ تاہم، ان کی یہ مدد ہمیں مستقبل میں کسی مقابلے کی طاقت نہیں دے گی۔ اس لیے ہمیں ان پر نہ بھروسہ کرنا چاہیے، نہ انحصار۔ بلکہ ہمیں موجودہ اور آئندہ کے معرکوں کو حکمت و بصیرت، شعور اور اللہ عزوجل پر کامل توکل کے ساتھ سنبھالنا چاہیے اور اپنی امتِ مسلمہ کے عام لوگوں اور اپنے دین پر مضبوطی سے قائم فرزندانِ امت پر اعتماد کرنا چاہیے۔

مسلم ممالک پر مسلط عرب اور غیر عرب حکمرانوں کے فرائض کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اقتدار میں رہنے کے لیے انہیں کن احکامات پر عمل کرنا ہو گا؟

مسلم ممالک پر مسلط عرب اور غیر عرب طاغوتی حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی سرزمین کو دشمنوں کے حوالے کرنے اور آنے والے قبضے کے لیے تیار کریں، اپنی قوموں کو ناکام زرعی اور معاشی پالیسیوں کے ذریعے مزید فقر اور غربت میں دھکیلیں، تاکہ ان کے عوام پے در پے بحرانوں میں مبتلا رہیں اور مایوسی کا شکار ہو جائیں۔ انہیں چاہیے کہ رزق اور روزی کے ذرائع تنگ کر کے معاشرتی فساد پیدا کریں تاکہ نکاح اور شادی ناقابل حصول بن جائے اور خواہشات کی تکمیل بے حیائی و فحاشی سے کی جائے، اس طرح خاندانی اکائی کو تباہ کر دیا جائے۔ عوام کو کمزور رکھنے کے لیے انہیں اسلحے سے محروم رکھا جائے اور جنگ کا اختیار ایک ایسے طبقے (یعنی فوج) کے ہاتھ میں دیا جائے جو آرڈر اور اطاعت کے لیے تربیت یافتہ ہو، نہ کہ سوچنے یا انتخاب کرنے کے لیے۔ صنعتیں صرف کھپت پر مبنی ہوں، ترقی یافتہ نہ ہوں، تاکہ قوم مغرب کی تابع رہے، اس کی ٹیکنالوجی کی محتاج اور اس کی نرم طاقت سے مرعوب ہو کر اس کے پیش کردہ نظریات کو آسانی سے قبول کر لے۔ انہیں چاہیے کہ دینی مدارس، تعلیم و تربیت کے نظام، اور اسلامی عدالتی اداروں کو تباہ کر دیں تاکہ جہالت عام ہو جائے اور شرعی مرجعیت ان سے چھن جائے۔ ان حکمرانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو افراد قیادت کے اہل بن سکتے ہیں، انہیں پختہ ہونے سے پہلے ختم کر دیا جائے، تاکہ تجربہ ضائع ہو جائے، رعایا بے راہبر رہے اور عمارت اپنی بنیاد کھو بیٹھے۔ یوں کوئی مرجع نہ رہے، نہ کوئی طاقت دفاع کرے، نہ کوئی قلم علم پھیلائے، نہ کوئی زبان شعور کی جنگ لڑے اور ماحول فقر و محتاجی سے بھر ا رہے۔ معاشرہ گمراہی اور بھٹکاؤ میں کھو جائے، بغیر کسی راہبر کے۔

اسی طرح سلطنتوں اور مملکتوں کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور عوام کو پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے۔ پے در پے حملوں کے خلاف ہمارے آبا و اجداد کی بہادرانہ مزاحمت سے، آج دشمنوں کی جامع حکمتِ عملی ظاہر ہو چکی ہے۔ نوآبادیاتی طاقتیں نکل گئیں لیکن اپنے پیچھے اپنی باقیات چھوڑ

گئیں تا کہ وہ اُن کاموں کو انجام دیں جن میں وہ خود ناکام رہے۔ پس اسلام کے خلاف جنگ اعلانیہ ہے، لیکن اسلامی سرزمینوں پر طاقت کے ذریعے قبضہ کرنا ایک ناکام تجربہ ثابت ہوا ہے، سو، اُنہیں اسلامی سرزمینوں پر غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ البتہ ان کے ایجنٹ اپنے مبلغین اور میڈیا کے ترجمانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ وطن پرستی کو بھی کمزور کر دیتے ہیں اور غیرت کو مٹانے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

موجودہ عالمی تبدیلیوں کے تناظر میں اسلام اور جہاد کا مستقبل، بہت سے عوامل اور درست فیصلوں پر منحصر ہے جنہیں اہلِ اسلام، اہلِ علم، اہلِ دعوت اور اہلِ جہاد کو پوری ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ اپنانا ہو گا۔ تیاری کے لوازمات، درست منصوبہ بندی، اور تعلیمی، عسکری، دعوتی اور سیاسی غرض تمام محاذوں پر سنجیدہ عمل، یہی وہ عناصر ہیں جو ان شاء اللہ اس روشن مستقبل کو طے کریں گے۔ ہر وہ شخص جو اسلام کے لیے کام کر رہا ہے، اُسے اپنے کردار و مقام کو سمجھنا چاہیے، اس کے مطابق خود کو تیار کرنا چاہیے، اور سب کو نیکی اور تقویٰ پر باہمی تعاون کے ذریعے متحد ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی، علمائے ربانیین اور مخلص داعیان سے مشاورت لازم ہے، اور امت کے نوجوانوں میں درست شعور پھیلانا ضروری ہے تا کہ قافلہ درست سمت میں آگے بڑھے۔ تاہم، اس سے پہلے، اس کے دوران اور اس کے بعد بھی اصل سہارا 'کتاب اللہ' اور 'سنت رسول اللہ ﷺ' سے وابستگی، ان پر مضبوطی سے قائم رہنا اور ان کا دفاع کرنا ہے۔ کامیابی درحقیقت اُسی کے لیے ہے جو اللہ کے ساتھ ہے، اور اللہ کے مخلص انصار کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ○ (سورۃ الصف: ۱۴)

”اے ایمان والو! تم اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ، اسی طرح جیسے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے حواریوں سے کہا تھا کہ: وہ کون ہیں جو اللہ کے واسطے میرے مددگار بنیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں۔ پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا، اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے ہم نے ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غالب آئے۔“

☆☆☆☆☆

بقیہ: بوسنیا سنائپر سفاری کھیل

اس کے علاوہ ۲۰۰۷ء میں، سابق امریکی فوجی جان جارڈن (John Jordan) نے سابق یوگوسلاویہ کے لیے بین الاقوامی فوجداری ٹربیونل کے سامنے گواہی دی کہ ”سیاح شوٹر“ سرائیوو آئے تھے۔

فاطمہ پوپوواک، جن کا چھ سالہ بیٹا عدنان اسنائپر فائر سے شہید ہوا، نے کہا کہ اس نے سچ کی تلاش میں کئی دہائیاں گزاریں۔ انہوں نے انادولو نیوز ایجنسی کو بتایا کہ میں سمجھ نہیں سکتی کہ کوئی بچے کو تفریح کے لیے کیسے مار سکتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ گولی چلانے والوں اور ان کو مدد دینے والوں دونوں کا احتساب ہونا چاہیے۔ چھ سال کا بچہ کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟

فاطمہ نے کہا کہ وہ اب بھی اس قتل کے پیچھے ذہنیت کو سمجھنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کی ہیں وہ انسانی شکل میں ہو سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں سیکولرزم ولبرلزم کے داعی حضرات مغرب کی انسانیت پرستی کا راگ الاپتے ہوئے کبھی کسی جیوگرافک چینل کا کلپ دکھاتے ہوئے کہیں گے دیکھو ان انگریزوں نے ایک جانور کو کیسے ریسکیو کیا تو کبھی کوئی اور دلیل پیش کریں گے لیکن اس تاریخ کا تذکرہ ان کے سامنے کوئی کر دے تو ایسے منہ پھیریں گے جیسے گالی دی ہو۔ ڈاکٹر سبحان اللہ لکھتے ہیں کہ انگریز دور میں ہندوستان میں ایک انجمن خالص استعماری مقاصد کے لیے بنائی گئی جس کا مقصد تعلیمی نصاب کے لیے ایسی نظمیں تخلیق کرنا تھا جس کی مدد سے ہندوستانی تہذیب و تاریخ کو کم تر ثابت کرنا تھا اور استعماری جبر و ستم کی بجائے انگریز سامراج کی اعلیٰ برتر شبیہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اس انجمن کے پلیٹ فارم سے کل دس مشاعرے ہوئے اور ہر مشاعرے میں زیادہ تر ایسی نظمیں پیش کی گئیں جن میں استعمار کو مثبت اور نمایاں شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اللہ کا کرنا دیکھیے انہی مشاعروں میں استعمار مخالف نظمیں پیش کی جانے لگیں اور ان نظموں نے عوام کے جذبات کی حقیقی ترجمانی کی۔ بعد ازاں یہی ان مشاعروں کی بندش کا سبب بن گئی۔ الطاف حسین حالی نے ان مشاعروں کی بندش کے بعد علی گڑھ کے پلیٹ فارم کو استعمال کرتے ہوئے انہیں خوب آئینہ دکھایا۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ قومیں جو ہیں آج غم خوار انساں
درندوں کی اور ان کی طینت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں
بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے
وہ تھے بھیڑیئے آدمی خور سارے

☆☆☆☆☆

مدرسہ ومبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاہد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ درحقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی واسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء وطلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

باب چہارم: اقدار کی کشمکش میں ایمان کی قوت اور کمزوری کا اثر

عقیدے اور اقدار کی جنگ کی اہمیت

عقیدے، افکار اور اقدار کی جنگ میں جو قوم غالب آ جائے، وہ دیگر میدانوں میں کبھی شکست نہیں کھا سکتی، لیکن جو قوم دشمن کے مقابلے میں عقیدے اور فکری میدان میں شکست کھا لے، وہ مالی اور عسکری لحاظ سے کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، طویل عرصے تک اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ بالآخر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ دشمن کی صف میں شامل ہو جاتی ہے، اور اپنی سرزمین، معیشت، فوج، عوام اور تمام تر وسائل دشمن کے قبضے میں دے بیٹھتی ہے۔

مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان جو امتیاز ہے، وہ عقیدے اور فکر کے اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو فکری طور پر اپنے جیسا بنالیں، تاکہ یہ دونوں جداگانہ ملتیں ایک ملت بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ (النساء: ۸۹)

"وہ (کفار) یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کافر ہو جاؤ جیسے وہ خود کافر ہو چکے ہیں، تاکہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔"

اگر ہم گزشتہ ایک صدی کے دوران کفار اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے پہلوؤں پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ کفار مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان فکری، سیاسی، اقتصادی اور عسکری فاصلے کم کر دیں، بلکہ انہیں بالکل ختم کر دیں۔ اسی مقصد کے تحت وہ عالمی سطح پر ذرائع ابلاغ اور مطبوعات میں یہ کوشش کر رہے ہیں کہ "کفر" اور "کفار" کے الفاظ بالکل استعمال نہ کیے جائیں، بلکہ ان کی جگہ "دیگر" جیسے الفاظ رائج کیے جائیں، مثلاً یہ کہا جائے کہ "مسلمانوں اور دیگر اقوام کے درمیان" یا "مسلمانوں اور دوسری تہذیبوں کے درمیان"۔ اس تبدیلی کا مقصد یہی ہے کہ "کفر" اور "کفار" جیسے الفاظ، جو تمام مذاہب اور ادیان میں ایک منفی اور نفرت انگیز حیثیت کے حامل ہیں، آہستہ آہستہ ذہنوں سے محو کر دیے جائیں۔

مزید یہ کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو طویل عرصے سے جدائی اور امتیاز قائم و برقرار رکھا گیا ہے، اس کی بنیاد یہی تھی کہ جو شخص مسلمان نہ ہوتا، وہ مسلمانوں کی نظر میں کافر کہلاتا اور اس سے نفرت کی جاتی تھی۔ کفار سے محتاط رہنا مسلمانوں کی ایک مقصود اور پسندیدہ پالیسی تھی، اور ان کے مقابلے میں اسلامی صف کو مضبوط بنانے کے لیے مسلسل جدوجہد کی جاتی تھی۔

جب سے سیاسی، معاشی اور عسکری تعلقات کے میدان میں کفر و اسلام کی تمیز ختم ہوئی اور اس کی جگہ مشترکہ مفادات کے الفاظ اور اصطلاحات رائج ہوئیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج اگرچہ دنیا میں تقریباً دو ارب مسلمان موجود ہیں، مگر بین الاقوامی سطح پر کفار کی نظر میں مسلمانوں کا کوئی ایسا علیحدہ دینی وجود باقی نہیں رہا جس سے عالمی فیصلوں یا معاملات کے بارے میں رائے لی جائے۔

آج مسلمان نہ تو سلامتی کونسل کے مستقل اراکین میں شامل ہیں، نہ عالمی سطح پر کیے جانے والے اجتماعی فیصلوں میں ان کے دین کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، نہ ہی ان کے مقدسات، حلال و حرام اور مذہبی اقدار کا احترام کیا جاتا ہے، کیونکہ کفار اس حد تک کامیاب ہو چکے ہیں کہ مسلم ممالک اور ان کی حکومتوں کو سیاسی، عسکری، اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں اپنے تابع بنالیا ہے۔

عالمی طاقتور کفری قوتیں اب اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتیں کہ قوانین سازی کے وقت مسلمانوں سے ان کے دینی اصولوں یا حلال و حرام کے بارے میں کوئی مشورہ لیا جائے، اور نہ ہی وہ مسلمانوں کی مذہبی اقدار کو کسی درجہ میں اہمیت دیتی ہیں۔

جب تک سیاسی، اجتماعی، عسکری، اقتصادی، ثقافتی اور تمدنی میدانوں میں ''اسلام'' اور ''کفر'' کی اصطلاحات رائج تھیں، انہی ناموں کے اپنے مخصوص معنی اور اثرات بھی انہی شعبوں میں قائم تھے۔ مسلمان ایک امت اور کفار دوسری امت سمجھے جاتے تھے۔

مگر آج کل گلوبلائزیشن کی ثقافت میں سب کو ایک جیسا سمجھا جاتا ہے، اور سب پر لازم سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی اصول و معیار قبول کریں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلم ممالک نے معنوی اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے کفار کے مقابلے میں اپنا مضبوطی سے دفاع نہیں کیا، اپنی تہذیب، اپنے معیار، اپنے عقائد اور اپنے اعتقادات کی حفاظت نہ کر سکے اور کفار سے یہ تسلیم کروانے میں ناکام رہے کہ وہ ان تمام پہلوؤں میں ایک جداگانہ امت ہیں جن کے الگ قوانین اور نظریات ہیں۔

آج مسلم ممالک اپنی اسلامی، سیاسی، ثقافتی اور عسکری شناخت کھونے کی وجہ سے کفار کے عالمی منصوبے کا ایسا جزو بن چکے ہیں جس کی اپنی کوئی شناخت نہیں، اور نہ ہی ان کی کوئی حیثیت ہے، جس کی پرواہ کی جائے، بلکہ جو ارادے اور فیصلے بڑی کفری طاقتیں کر لیں، مسلمان ممالک پر لازم ہے کہ چاروناچار انہی کے مطابق عمل کریں۔

اس صورتحال کے بارے میں استاد محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''واقعنا المعاصر'' میں واضح کیا ہے کہ جب مسلمان اپنے دین کو زندگی کے ہر شعبے میں ایک ضابطہ سمجھ کر اس کے مطابق رہنمائی اختیار کرتے تھے اور دین نے ان کے لیے طریقۂ زندگی، اصول اور راہِ عمل مقرر کیے تھے تو خواہ وہ بڑے فتنے اور طوفانوں کا سامنا کرتے، یہ طوفان انہیں وقتی طور پر متاثر ضرور کرتے لیکن وہ کبھی دشمن کی صف میں شامل نہ ہوئے۔ اس کے برعکس آج عالمِ اسلام میں مختلف قسم کی لاکھوں کی تعداد میں افواج ہونے کے باوجود سب یا تو اپنی اقوام کے خلاف یا دوسرے مسلمان ہمسایہ ممالک کے خلاف جنگ میں مصروف ہو چکی ہیں۔ آج پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسی باقاعدہ منظم فوج موجود نہیں جو اسلام کی خاطر کفار کے مقابل کھڑی ہو، بلکہ ایسی بیشتر قوتیں یا تو اپنی ہی عوام کے خلاف ہیں یا دوسرے مسلمان ملک کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

تاریخ اسلام میں مسلمانوں پر ایک کے بعد ایک خطرناک طوفان آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا عظیم فتنہ برپا ہوا، جس نے پورے جزیرۂ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہزاروں نئے مسلمان عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے خلافت اسلامیہ کے خلاف مختلف محاذ قائم کیے، یہاں تک کہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اسلامی سلطنت ہی ختم نہ ہو جائے۔

لیکن سچے مسلمان اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے، اور خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی ایمانی استقامت کے نتیجے میں مرتدین کو کچلنے کے لیے جزیرۂ عرب کے مختلف حصوں میں گیارہ لشکر روانہ کیے۔ ایک سال سے بھی کم مدت میں ارتداد کا فتنہ ختم کر دیا گیا اور لوگ دوبارہ اسلام کی آغوش میں آ گئے۔

استاد محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کا اپنے عقائد، اصولوں، تعلیمات اور احکام پر ایمان اتنا مضبوط تھا کہ ارتداد جیسا عظیم فتنہ، جو قریب تھا کہ پورے جزیرۂ عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا، نہ انہیں ڈگمگا سکا اور نہ ہی ختم کر سکا۔

ارتداد کے فتنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ برپا ہوا۔ مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے، یہاں تک کہ صحابہ کرام کے درمیان بھی جنگیں ہوئیں، کافی خون بہا اور فتوحات رک گئیں۔ باوجود اس کے کہ اس فتنہ کے بڑے منفی اثرات تھے، مگر پھر بھی مسلمانوں کو مٹایا نہ جا سکا۔ وہ اس آزمائش سے نکل آئے، دوبارہ ایک قیادت کے زیرِ سایہ جمع ہوئے اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔

استاد محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام کے درمیان جو جھڑپیں ہوئیں وہ اسلام کے خلاف جنگیں نہ تھیں بلکہ اسلام کی خاطر تھیں، ہر گروہ یہی کہتا تھا کہ اگر وہ قیادت کے عہدے پر آ جائے تو دینِ اسلام مزید ترقی کرے گا۔ یہ لڑائیاں اسلام کے بنیادی تصورات پر اختلاف کی وجہ سے نہیں تھیں بلکہ ہر فریق کا یہ دعویٰ تھا کہ جب سیاسی، سماجی اور عسکری حالات ویسے ترتیب پائیں جیسا وہ چاہتے ہیں تو امت ترقی کرے گی اور نظام مضبوط ہو گا۔

بڑے فتنوں اور طوفانوں کے سلسلے میں بعد ازاں صلیبی حملے بھی آئے۔ یورپی بادشاہوں نے خشکی اور سمندر کے راستے فلسطین، شام اور مصر پر بڑے حملے شروع کیے، وسیع علاقے فتح کیے اور طویل عرصے تک فلسطین اور اس کے اطراف میں ایک سلطنت اور چار امارتیں قائم کیں۔ اس کے باوجود مسلمان بکھرے یا ختم نہیں ہوئے۔ چونکہ اس وقت بھی مسلمان اپنے ایمانی و مذہبی اقدار پر مضبوطی سے قائم تھے، اسی لیے عماد الدین زنگی، ان کے بیٹے نور الدین زنگی اور پھر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہم کی قیادت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور تاریخی جنگوں کے بعد انہوں نے وہ سب علاقے آزاد کروائے اور امت مسلمہ کو صلیبیوں کے شر سے نجات دلائی۔

صلیبی جنگوں کے بعد تاتاریوں اور چنگیز کے عظیم حملے ہوئے۔ انہوں نے منگولیا سے لے کر شام تک زمینیں زیرِ نگیں کر لیں، بڑے مسلم خطوں کو تباہ کر دیا، لاکھوں انسان قتل کیے، عباسی خلافت کو مٹایا اور مسلمانوں پر ایسا خوف طاری کر دیا کہ لوگ کہتے تھے اگر کہیں کوئی کہے کہ تاتاری ہار گئے ہیں تو اس پر یقین مت کرنا، کیونکہ وہ منگولیا سے لے کر فلسطین کے مقام عین جالوت تک پہنچ گئے تھے اور کوئی طاقت بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔

تاتاری فتنے نے خلافت کو تباہ کر دیا، تاتاریوں نے مسلمانوں کی کتابیں دجلہ میں پھینک دیں، مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک ماہ تک دریا کا پانی کتابوں کی سیاہی سے سیاہ بہتا رہا۔ لیکن یہ عظیم فتنہ بھی مسلمانوں کو اپنے دین، اقدار اور قوت کے سرچشموں سے کاٹ نہ سکا۔ اس دور میں ایسے جید علماء پیدا ہوئے جنہوں نے مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کو جہاد کے میدان میں اتارا، ان کے ایمانوں کو تازہ کیا اور ان کے اندر دینی غیرت اور عزم پیدا کیا۔

ایمانی اقدار سے چمٹے رہنے کا ہی نتیجہ تھا کہ اس وقت ایسے قائدین پیدا ہوئے جو عزم و استقلال میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہی کے جہاد اور دعوت کے نتیجے میں تاتاریوں کے اس بڑے طوفان کو نہ صرف روک دیا گیا بلکہ وہی وحشی تاتاری خود مسلمان ہو گئے اور امتِ مسلمہ کا حصہ بن گئے۔ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح تاتاری طوفان، چنگیزی درندگی، عسکریت اور عظیم منگول سلطنت مسلمانوں کی ایمانی قوت اور اسلامی اصولوں کے سامنے پگھل گئی۔

فتنہ تاتار کے بعد سقوطِ اندلس کا المناک سانحہ پیش آیا اور یورپ میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا۔ مسلمانوں کو اندلس چھوڑنے یا جبر کے ذریعے اسلام سے برگشتہ ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اندلس کی وہ عظیم اسلامی تہذیب اور علم و دانش کے مراکز، جن سے خود یورپ نے روشنی حاصل کی تھی، مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مسلمان پیچھے ہٹ کر شمالی افریقہ، مراکش، تیونس، لیبیا اور مصر بلکہ دوبارہ ایشیا اور حجاز تک سمٹ گئے۔

لیکن اس سب کے باوجود اسلام اور مسلمان نہیں مٹے بلکہ اپنی ایمانی قوت اور اسلامی اصولوں کی بدولت وہ اندلس کے سقوط کے بعد دوبارہ ابھرے اور عثمانی خلافت کی شکل میں اتنے مضبوط ہوئے کہ ان کا اقتدار روس کے شہر پطرس برگ (Petersburg) اور مشرقی یورپ تک پھیل گیا۔ انہوں نے عالمِ اسلام کے تمام منتشر علاقوں کو، جزیرۂ عرب سے لے کر شمالی افریقہ تک، دوبارہ ایک خلافت کے زیرِ سایہ جمع کیا، یہاں تک کہ بحرِ روم (Mediterranean Sea) ایک بار پھر اسلامی سمندر کہلانے لگا۔ یوں خلافتِ عثمانیہ اسلام اور مسلمانوں کی قوت و شوکت کی نئی علامت بن گئی۔

امت کی خطرناک کمزوری کا آغاز کہاں سے ہوا؟

استاد محمد قطب اپنی کتاب ''واقعنا المعاصر'' میں امت مسلمہ میں فکری کمزوری کے پیدا ہونے اور اس کے اسباب و عوامل پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ کہاں سے شروع ہوا اور مغرب کے مقابلے میں مسلمانوں کا زوال کب سے شروع ہوا۔

استاد کے مطابق اصل مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب مسلمانوں کے نظام اور وہ ادارے جو امت کی قیادت کرتے تھے، اور جن کے ذریعے مسلمانوں میں قوت اور آزادی کا احساس پیدا ہوتا تھا، انہوں نے اپنے عقائد، اقدار و روایات پر شک کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مغرب کے نظام اور اس کی کامیابیوں کو اپنی نظر میں زیادہ کامل سمجھا، اس کے اخلاق، پالیسیاں، حکومتیں اور ثقافت زیادہ اعلیٰ سمجھی، اور اپنے نظام و اقدار کو کمتر جانا۔ نتیجتاً وہ مغربی تہذیب اور اس کے فکری، ثقافتی اور دینی اصولوں کی طرف مائل ہو گئے اور اپنی دینی اقدار اور معنوی قوت کے عوامل کھو دیے۔

استاد محمد قطب فرماتے ہیں کہ اس وقت تک مسلمانوں میں یہ کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنے دین، عقائد، قرآن و حدیث، پیغمبر ﷺ، تاریخ اور اپنی معنوی و ثقافتی اقدار کو کمتر سمجھیں۔ اس سے پہلے سیاسی کمزوریاں، استبداد، ظلم، جہالت اور دیگر جرائم تو موجود تھے، سیاسی انتشار بھی موجود تھا، جیسے ابن سبا کی یہودی تحریک کے فتنے، عراق کے بعض شہروں میں زنجیوں کا تسلط، جزیرۂ عرب کے بعض علاقوں میں قرامطیوں کی تحریکیں، اور شام و فلسطین میں صلیبیوں کے مقابلے میں عسکری شکستیں، مگر اس وقت امت روحانی اور معنوی شکست سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ کمزوری کے باوجود امت دوبارہ مضبوط ہو جاتی تھی۔

لیکن جب مسلمان امت روحانی اور معنوی شکست سے دوچار ہوئی، تو انہیں دشمن کے اقدار میں کمال اور ترقی اور اسلامی اقدار میں نقصان و زوال نظر آنے لگا اور جب زوال اور کمال کے معیار بدل گئے، تو ان کے مقدر اور نصیب میں وہی آیا جو ان کی سوچ میں تھا۔ وقت کے ساتھ یہ امت اغیار کی ثقافت، تمدن اور قافلے کا حصہ بن گئی، اور آج امت کے تقریباً دو ارب لوگ ایسے حکمرانوں کے زیرِ اثر ہیں جو انہیں سیاست، فکر، معیشت، تمدن، اخلاق اور دنیا کے ساتھ تعلقات میں ایک ایسے کاروان میں لے جا رہے ہیں جس کی قیادت عالمِ کفر کر رہا ہے۔

آج مسلم ممالک اور مسلم اقوام مغرب کے سیاسی و فکری نظام کا حصہ بن چکے ہیں اور جو بھی اس نظام سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا ہے، اس پر پسماندہ، تنگ نظر، انتہا پسند یہاں تک کہ دہشت گرد کے القابات لگائے جاتے ہیں، جبکہ جو لوگ اسی نظام میں چلنے کو ترجیح دیتے ہیں، انہیں متمدن، ترقی پسند، روشن خیال اور گلوبلائزیشن کے حامی کہا جاتا ہے۔

آج اغیار کے نظام میں شامل ہونے والوں کو اچھے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اپنے اصولوں پر قائم رہنے اور اپنی اسلامی شناخت سے وابستگی کو رجعت پسندی کہا جاتا ہے۔

کاش ہم رجعت پسندی اختیار کریں اور اپنے اصل کی طرف رجوع کریں، جب ہمارا پرچم اندلس (موجودہ سپین) میں لہرایا کرتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جس کی طرف نسبت کی وجہ سے وہ لوگ ہمیں رجعت پسند کہتے ہیں، جی ہاں! ہم اسی دور کی فکری بنیادوں کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اُس زمانے میں تو روس بھی مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں کی سرزمینوں میں امن و امان کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عورت ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کرتی، تو اُسے صرف اللہ تعالیٰ اور راستے کے درندوں کا خوف ہوتا، اسے سفر میں اپنی عزت پامال پر دست درازی کا کوئی خوف نہ ہوتا۔

اگر ہم اپنی تاریخ کی طرف لوٹیں تو اسی میں ہماری عزت ہے۔ وہ ایسا دور تھا کہ جب بادل بغداد کے اوپر سے گزرتے اور بارش نہ ہوتی، تو دارالاسلام کے خلیفہ ہارونِ الرشید ان بادلوں کو مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے اور فرمایا کرتے: ”اے بادل! جہاں جانا چاہو چلے جاؤ، اور جہاں برسنا چاہو وہیں برسو، تمہارا اخراج پھر بھی میرے پاس ہی پہنچے گا۔“ اس سے مراد یہ تھی کہ اُس کے ملک و سلطنت کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ اگر بارش مصر، لیبیا، الجزائر، مراکش، سوڈان یا ایران، خراسان، بخارا اور ہند میں بھی ہوتی تو اس کا پھل اور عشر و ٹیکس بغداد پہنچتا۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے اصل مسئلہ پیدا ہوا۔ ایک طرف مسلمانوں میں اغیار کے اقدار کی طرف جھکاؤ پیدا ہوا، اور دوسری طرف ”لا إله إلا الله“ کے مفہوم کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق بدل گیا۔

یہ تبدیلی اس معنی میں تھی کہ پہلے ”لا إله إلا الله“ مسلمانوں کے دین، سیاست، اخلاق، تہذیب، عسکریت اور ثقافت کا عنوان اور محور تھا۔ اس کلمے کے دو ارکان ہیں، ایک نفی اور دوسرا اثبات۔

نفی کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے تھے اور اس پر عمل پیرا بھی تھے کہ حق ”الٰہ“ کے سوا کسی دوسرے ”الٰہ“ کی طرف سے پیش کردہ دین، حلال و حرام، اخلاق، سیاست، تہذیب، عسکریت، معیشت غرض کسی چیز کو نہیں مانتے، بلکہ اسے کفر اور جاہلیت سمجھتے تھے۔

اور ”اِلا اللہ“ کے اقرار اور اثبات کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے دل و دماغ میں یہ یقین رکھتے تھے کہ زندگی کے ہر میدان میں چاہے وہ عبادت، سلوک، اخلاق، سیاست، عسکریت، معیشت یا طرزِ زندگی ہو، جو کچھ حق ”الٰہ“ نے فرمایا ہے، وہی ماننا اور اسی پر عمل کرنا ان کا فرض ہے۔

بعد میں مسلمانوں کا ”لا إله إلا الله“ کے ساتھ تعلق ایسا بدلا کہ انہوں نے اسے صرف ایک جملہ اور عبارت سمجھ لیا۔ وہ اسے ایک زندہ عقیدہ اور دین کے بجائے ایک لفظی ذکر کے طور پر برتنے لگے، جو صرف ثواب حاصل کرنے کے لیے زبان سے ادا کیا جاتا ہے، اور قانون، سلوک، اخلاق، معیشت، تہذیب، عسکریت اور سماجی روابط میں اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

اس غلط فہمی اور ناقص تصور کے نتیجے میں آج کے مسلمان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں عقیدے میں مسلمان ہوں، مگر معیشت میں کیپٹلِسٹ (سرمایہ دار) یا سوشلسٹ (اشتراکی) ہوں، میں ”لا إله إلا الله“ کہتا ہوں اور مسلمان ہوں، مگر اخلاق میں لبرل ہوں، میں کلمہ پڑھتا ہوں مگر سیاست میں ڈیموکریٹ (جمہوری) ہوں، اور یہاں تک کہ کلمہ گو اور مسلمان ہو کر بھی تشریع (قانون سازی) اور فیصلوں میں سیکولر بن گیا ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف رجوع نہیں کرتا، بلکہ شرعی دلائل کے بجائے اکثریت کی رائے اور انسانی وضع کردہ قوانین کو ترجیح دیتا ہوں اور انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں سے ”لا إله إلا الله“ کے احکام اور مفاہیم مٹ گئے یا مٹا دیے گئے تو یہ کلمہ یہ محض ایک ثواب حاصل کرنے والی عبارت بن کر رہ گئی۔ اور جب مسلمانوں کا ”لا إله إلا الله“ کے ساتھ تعامل بدل گیا تو مسلمان اپنی اقدار و روایات کھو بیٹھے، اور دین صرف ایک روایتی یا قومی نسبت بن کر رہ گیا، عبادت کے علاوہ کلمے کے مفہوم، اوامر، احکام اور نواہی پر عمل نہیں رہا۔ حکومتوں نے مسلمانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں اغیار کے طور طریقوں اور معیارات اپنانے کی ترغیب دی، انہیں قبول کرنے پر مجبور کیا اور اُن معیارات کے تقدس پر قائل کیا، اور جس نے قبول نہ کیا اُس کو قتل، بمباری، قید اور مختلف قسم کی دھمکیوں سے ڈرایا گیا۔ اس استبدادی کیفیت نے مسلم اقوام میں اغیار کے پیچھے چلنے کو ”ترقی“ باور کروایا، جبکہ اپنے ہی معیارات پر قائم رہنے کو انتہا پسندی، تنگ نظری، بنیاد پرستی اور پسماندگی کے القابات سے نوازا گیا۔

ایسے حالات کے نتیجے میں امت کی نئی نسلیں اپنی شرعی اور دینی اقدار سے دور ہوتی گئیں، اور اغیار کی اقدار کو اپنانے لگیں۔ انہی اقدار کو اپنانے کے نتیجے میں مسلم ممالک کی افواج، عسکری اداروں، پولیس، سیاستدانوں، تعلیمی اداروں، میڈیا، جامعات، نصاب، سیاسی جماعتوں، تنظیموں، معاشرتی ڈھانچوں اور اخلاقیات پر غیروں کا رنگ چڑھ گیا۔

استاد محمد قطبؒ ایمان میں کمزوری کے حوالے سے ایک اور مسئلے کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ بعض اسلامی ممالک میں ایسے لوگ جو علوم شریعت سے ناواقف تھے مگر خود کو مذہبی روحانیت سے منسوب کرتے تھے، انہوں نے نادان مسلمانوں میں قضا و تقدیر کے بارے میں ایک غلط فہمی پھیلائی۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ سب اللہ کی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے، اور اب جب کہ مغربی استعمار ہم پر مسلط ہو چکا ہے، تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا حصہ ہے، اور اس کے خلاف مزاحمت کرنا گویا تقدیر کے خلاف لڑنا ہے۔

اس قسم کے جاہلانہ خیالات اور تصورات نے بعض افریقی مسلم ممالک میں مغربی استعمار کے خلاف مزاحمت کے جذبات کو کمزور کر دیا۔ یہ لوگ جسمانی امراض کے علاج میں تو، جو خود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھے، کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور اس علاج کو تقدیر کے مخالف نہ سمجھتے، مگر جب معاملہ مستعمرین (حملہ آور کفار) کے مقابلے کا ہوتا تو اسے تقدیر کی مخالفت تصور کرتے۔ قضا و قدر کے بارے میں ایسے منفی تصورات کو بعض لوگوں نے روحانیت کا نام دے دیا اور اسی بہانے اپنے آپ کو جہاد و مزاحمت کی شرعی ذمہ داری سے بری کر دیا۔

استاد محمد قطب نے اپنی کتاب ”واقعنا المعاصر“ میں ایمانی کمزوری کا ایک اور بنیادی سبب یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان کی زندگی ایک موروثی اور روایتی شکل اختیار کر گئی ہے، اور ہر چیز

رسم وعادت بن گئی ہے۔ مسلمان عبادت اس لیے کرتا ہے کہ اس کے والد، دادا اور سارے رشتے دار نماز پڑھتے ہیں، وہ عبادت کے حقیقی مفہوم سے بے خبر ہوتا ہے۔ ایک شخص اسّی برس تک نماز پڑھتا ہے لیکن نہ اسے نماز کے فرائض و مبطلات کا علم ہوتا ہے، نہ ہی وہ نماز کے الفاظ کا مطلب جانتا ہے۔ یہ تو صرف ایک رسم بن چکی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں سے شعور و اخلاص پر مبنی بندگی چاہتا ہے۔ عبادت رسم بن گئی، سلوک و اخلاق رسم بن گئے، عورت کا حجاب رسم بن گیا، معاشرتی تعلقات اور لباس رسم بن گئے، حتیٰ کہ میل جول اور مذہبی تہوار بھی رسموں میں بدل گئے۔ وہ روحانی قوت اور خلوص، جس کے ساتھ اللہ جل جلالہ نے اپنے بندوں کو عبادت کا حکم دیا تھا، کمزور ہو گیا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینۃ:۵)

”اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے دین کو خالص رکھتے ہوئے۔“

عبادت، سلوک، اخلاق، سیاست، تمدن، اور زندگی کے دیگر شعبوں اور اجتماعی معاملات میں بھی اخلاص اور للّٰہیت کی جگہ رسم و رواج نے لے لی ہے۔ حالانکہ للّٰہیت کا مفہوم یہ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأنعام:۱۶۲)

”کہہ دو بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔

لیکن اب تقریباً ہر چیز رسم و عادت بن چکی ہے۔ جب دین کے تمام مظاہر رسموں میں بدل گئے تو لوگوں نے خود دین کو بھی ایک شرعی فریضے و ذمہ داری کے بجائے ایک رواجی معاملہ سمجھ لیا، ہر شخص نے دین کے بارے میں اپنی الگ تعبیر اختیار کر لی، حتیٰ کہ بعض نے رواجی دین کے نام سے مضامین اور نظریات تک پھیلائے۔

درج بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں جنگوں، مشکلات اور مادی کمزوریوں سے دوچار بھی ہوئے، جب تک وہ ایمان کے لحاظ سے مضبوط رہے، اپنے اصولوں پر قائم رہے، اور اپنے روحانی اقدار کو محفوظ رکھا، وہ ہر شکست و کمزوری کے بعد پھر سے ابھرے اور کامیاب ہوئے۔ لیکن جب ان کے ایمان اور معیارِ حق پر سے اعتماد کمزور ہوا، تو وہ سیاسی، عسکری، تمدنی، اخلاقی اور ثقافتی لحاظ سے اغیار کے تابع بن گئے۔ اگرچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ثابت قدم رہا اور استعمار کے خلاف جہاد و مزاحمت کرتا رہا، لیکن ان کی کوششیں عمومی کمزوری کی تلافی نہ کر سکیں، اور آج بھی کفار عالمِ اسلام پر غالب ہیں۔

اس دگرگوں صورتحال سے مسلمانوں کو نکالنے کی امید کا بڑا انحصار مدارس اور اسلام کے نفاذ کے لیے سرگرم جماعتوں پر ہے، کیونکہ مسلمان حکومتیں کافی حد تک کفار کے زیرِ اثر ہیں، اور وہ مطلوبہ انداز میں دین کے نفاذ یا مغرب کی سیاسی و فکری بالادستی کے خاتمے کی امید پوری نہیں کر سکتیں۔ چونکہ مدرسے کو یہ عظیم کام انجام دینا ہے، لازمی ہے کہ وہ جمود، پسماندگی اور سطحیت کے ماحول سے نکل آئے اور حقیقی معنوں میں مسلمانوں کی دینی و دنیوی قیادت سنبھالنے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کرے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسرائیل صومالی لینڈ تعلقات

صومالی لینڈ کے مفادات

یوں تو صومالی لینڈ کی حکومت مسلمانوں کی ہے، لیکن باقی مسلم حکومتوں کی طرح ان کے آگے بھی پہلی اور آخری ترجیح ان کے داخلی مفادات ہیں۔ یہ بات وہ بھی جانتے ہیں کہ امریکہ کو راضی کرنے کا راستہ تل ابیب سے گزر کر جاتا ہے۔ اس وقت دنیا کی تمام طاقتیں اسرائیل کے ہر مجرمانہ فعل کی محافظ ہیں۔ اسی لیے صومالی لینڈ میں ابراہیمی معاہدوں میں شمولیت پر علی الاعلان جشن منایا گیا ہے اور اسرائیل کو عسکری بیس بنانے پر بھی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ صومالی لینڈ نے اسرائیل کے ساتھ ماضی میں بھی ”اسلامی انتہا پسندی“ کے خلاف کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ صومالیہ کو یہ ڈر ہے کہ اگر اسی طرح امریکہ نے بھی صومالی لینڈ کو تسلیم کر لیا تو یہ دوبارہ کبھی صومالیہ کا حصہ نہیں بن سکے گا، لیکن صومالی لینڈ کو متحدہ عرب امارات اور اسرائیل سے ملنے والی اقتصادی مدد اور سفارتی تعلقات، ترقیاتی منصوبے اور آگے چل اقوام متحدہ میں شمولیت کی وجہ سے انہیں اپنا مستقبل ”روشن“ دکھائی دے رہا ہے۔

حرفِ آخر

جس طرح تمام ممالک اپنے مفادات کو ہر شے پر فوقیت دیتے ہیں، ایسے میں صومالی لینڈ کو کیا مورد الزام ٹھہرانا۔ اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ اسرائیل نے ایسی چال چلی ہے کہ عرب و مسلم ممالک کے پاس ایسی کوئی آفر ہی نہیں ہے جسے پیش کر کے وہ بازی پلٹ سکیں۔ اس چال سے اسرائیل نے بغیر کسی مقابلے کے پورے خطے میں برتری حاصل کر لی۔ جبکہ اسرائیلی پالتو متحدہ عرب امارات اپنی پراکسیوں کے ذریعے صہیونی اہداف کو قابلِ رسائی بنانے کے لیے سرگرم ہے۔ حالات جس قدر تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں آنے والے چند سال خطے کے حالات کا تعین کریں گے۔ ایسے میں خطے کی جہادی تنظیموں کو اس کے مطابق اپنے اہداف مقرر کرنے ہوں گے۔ اسرائیل اور تمام صہیونی طاقتیں ہماری اوّلین دشمن اور ہمارا اولین ہدف ہونے چاہئیں۔ دشمن اپنی چالیں چل رہا ہے اور اللہ اپنی چال چل رہا ہے، اور بے شک اللہ کی چال ہی غالب ہے۔

☆☆☆☆☆

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی

مولانا ابن عمر عمرانی گجراتی

پیراڈائمز کے تین اہم بنیادی مبادیات و مباحث

عموماً پیراڈائم شفٹنگ بالفاظ دیگر دارۂ نظر کا سفر تجدید درجِ ذیل تین اہم مراحل سے ناگزیر طور پر گزرتا ہے جیسا کہ اجمالاً گزشتہ قسط میں اشارہ دیا گیا:

۱. علمیات کی بحث (epistemology)
۲. وجودیات کی بحث (Ontology)
۳. اخلاق و اقدار کی بحث (Moral Philosophy)

اب انہیں حسب امکان و ضرورت تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اصل ان کے سمجھنے سے مقصود مغربی لادینی و الحادی افکار کے اصول سمجھنا ہے اور جائزہ لینا ہے کہ آیا یہ اصول و افکار فطرتِ انسانی کے موافق ہیں یا اس سے متصادم۔ جس کو گہرائی نہیں بلکہ سطحی نظر سے دیکھ کر ہی شاید دل گواہی دے دے کہ واقعی انسان اپنے بنائے ہوئے اصول جو دراصل نفس پرستی اور شیطانی وسواس سے مخلوط ہوتے ہیں ان کی وجہ سے روحانی فقدان اور اخلاقی بحران کا شکار ہو رہا ہے، جو فرد اور معاشرے ہر ایک کی تباہی پر انجام پذیر ہو رہے ہیں۔ اور پھر ایک تقابلی انداز کا جائزہ پیش کیا جائے گا جس میں اسلام کے پیراڈائم (مذکورہ تین فنون) کو سمجھنے کی کوشش ہو گی۔

علمیات (epistemology)

معرفت یا علمیات (Epistemology) فلسفے کی وہ اہم اور ابتدائی شاخ ہے بلکہ شاید پیراڈائم شفٹ کی جڑ ہے جو یہ سوال اٹھاتی ہے کہ علم حقیقتاً کیا ہے؟ اس کے حصول کے اصل اسباب کیا ہیں؟

زیادہ قابل غور و بحث دوسرا سوال (اسباب علم کا) ہوتا ہے کہ علم کے اصولی ذرائع کیا ہیں۔ علمی ذرائع کو اہمیت دینے میں باریک نکتہ یہ ہے کہ جس طرح نظریات و افکار کئی بار بے ارادہ آنے والے ذہنی خیالات سے تکوین ہوتے ہیں اسی طرح معلومات و علم سے بھی نظریات و افکار تکوین ہوتے ہیں اور معلومات کے ثمرات و تاثیر بیشتر اپنے ذرائع کے تابع ہوتی ہیں، مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک برتن اگر مٹی کا ہو تو اس میں پانی یا کوئی اور مشروب بھر کر رکھنے سے پانی کی (ذائقے اور احساس میں) الگ تاثیر ہو گی (جیسا کہ بعض مشروب شراب تک بن جاتے ہیں)، ایسے ہی اگر چمڑے کا مشکیزہ ہو تو الگ اور ایسے ہی اگر تانبے کا برتن ہو تو الگ، الغرض ذریعے (برتن) کے اختلاف سے تاثیر، حکم و حقیقت اور انجام میں فرق واقع ہوتا ہے۔ بس اسی طرح علم کے حصول و فہم میں اسباب و ذرائع کا بھی اثر ہوتا ہے۔

تو یہ سوالات صرف ذہنی یا فلسفیانہ کھیل نہیں ہیں بلکہ یہ انسانوں اور معاشروں کی تہذیبی سمت طے کرتے ہیں، جس طرح کوئی قوم علم کو سمجھتی ہے، اسی بنیاد پر وہ اپنے تعلیمی نظام، سیاسی ڈھانچے، اخلاقی قدریں حتیٰ کہ اپنے تمدنی و سائنسی منصوبے بھی تشکیل دیتی ہے۔

اسی زاویے سے جب ہم مغربی فکر اور اسلامی فکر کو دیکھتے ہیں تو ایک نمایاں فرق سامنے آتا ہے کہ مغرب کی معرفت زیادہ تر عقل اور تجربے پر مرکوز ہو گئی جبکہ اسلام کی معرفت میں وحی، عقل اور حواس سب ایک مربوط اور متوازن نظام کے طور پر موجود ہیں، یہی فرق آگے چل کر دونوں تہذیبوں کے انجام اور ان کے اثرات میں ظاہر ہوا۔

اب مغربی epistemology کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ epistemology جو عموماً عالمی تعلیمی اداروں میں رائج ہے اور اسی کی ماتحت سارا تعلیمی نصاب و تربیتی دستور چل رہا ہے جس کے نتیجے میں ایک مادہ پرست (Materialistic) سوچ اور روحانیت سے عاری زندگی کا ڈھانچہ سامنے آ رہا ہے اور عقائد و ایمان کے عروۃ الوثقیٰ کی گانٹھ ڈھیلی ہونے کے سبب لامذہبیت سے ملمع شدہ بے شعوری کا طوق گلے میں پڑ رہا ہے۔

مغربی علمیات (Western Epistemology) اور اس کے اثرات

علم کیا ہے؟

غیر مذہبی مغربی فکر جو اکثر امور میں یونانی فلسفے پر اپنی اساس قائم کرتے ہوئے دکھتی ہے[1]، اس کے مطابق علم کی تعریف ہے: "جواز یافتہ حقیقی عقیدہ" (Justified True Belief)۔ جس کے مطابق علم وہ اعتقاد ہے جو نہ صرف سچا ہو بلکہ اس کے پیچھے ٹھوس جواز (Justification) بھی موجود ہو۔

تو یہ تعریف تین اجزاء سے مرکب ہوئی:

اَ. وہ بات جو حقیقت ہو۔ وہمی اور فرضی بات نہ ہو۔
ب. جو اعتقادی حیثیت رکھتی ہو۔ عارضی خبر یا نظریہ نہ ہو۔

---

[1] مزے کی بات یہاں یہ ہے کہ اس نام نہاد جدید تہذیب کے دلدادہ جو پوری دنیا اور خاص طور پر اہل مذاہب جن میں اہل اسلام کثیر الہدف ہوتے ہیں کو طنز کرتے ہیں کہ تم سب ایک قدیم دستور کے متبع ہو، قدامت پرست (Conservative) سوچ کے حامل ہو، زمانے سے ہزاروں سال پیچھے ہو، جبکہ حال و حقیقت یہ ہے کہ اس طنز کے وہ خود مستحق اعلیٰ ہیں کیونکہ ان کی بنیادیں اور اصول کا تعلق اکثر و بیشتر یونان کے قدیم حکماء کی تحقیقات اور ضابطوں کے نہج پر جاتا ہوا ہی دکھتا ہے۔

ج۔ جو جواز یافتہ یعنی مقبول و مسلم ہو۔ اگر اس حقیقی اعتقاد پر دل مطمئن نہ ہو یا الفاظ دیگر ظاہر پر مبنی مادہ پرست ناقص انسانی عقل کو تسلیم نہ ہو تو وہ برحق عقیدہ ہونے کے باوجود علم نہیں ہوگا بلکہ افسانہ یا فرضی سوچ کا مترادف و عکس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ایک امر مردود ہوگا، اس پر یقین و عمل کا تقاضہ درست نہیں ہوگا۔

علم کی یہ تعریف افلاطون کی وضع کردہ ہے اور یہی تعریف حالیہ مغربی فلسفے میں زیادہ تر معروف و مقبول ہے، اسی تعریف کو بنیاد بنا کر مغربی تعلیمی اداروں میں تربیت دی جاتی ہے۔

بظاہر یہ تعریف علم کی ایک معقول وضاحت ہے، لیکن اس کا تیسرا جزء (جس بات کو آپ حق جان رہے ہو اس کا "Justified" ہونا) اس تعریف میں ایک اہم شرط ہے، یہ شرط اگر مطلق ہو اور Justified ہونے میں کوئی معیار و حدود طے نہ ہو کہ کن کن باتوں کا justified ہونا ضروری ہے اور کس حد تک ہونا ضروری اور کن کن باتوں کا Justified ہونا ضروری نہیں ہے تو ایسے آزاد ضابطے کے دو اساسی ثمرے بر آور ہوتے ہیں:

۱. انسانی نفس میں مزاجِ تکبر کا غلبہ: جب تک مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئے گی تو میں اسے نہیں مانوں گا، جو در اصل ابلیس کا ذوقِ خسیس اور اصل اعلیٰ تھا اور پھر یہی ذوق Individual Reasoning کے ذوق کی طرف لے جاتا ہے۔ اس نکتے پر آگے کچھ گفتگو ہوگی ان شاء اللہ۔

۲. غیر حتمی اور مختلف فیہ انداز کا مشوّش Confused نظریہ: ظاہر ہے جب برحق اعتقاد Justified ہونے تک مسلَّم مقبول نہیں ہوگا تو چونکہ ہر ایک شخص کا درجۂ فہم، معیار، اندازِ ادراک مختلف ہوتا ہے، اس اعتبار سے اس کا Justified ہونا نہ ہونا بھی مختلف ہوگا۔ لہٰذا وہ عقیدہ اتفاقی طور پر قبول نہ ہونے کی وجہ سے اشکالی اور شدید اختلافی ہوگا۔ پھر کسی بھی فکر و نظر کا انجام ایک غیر حتمی نظریے کے علاوہ اور کیا ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ آج ملحدین کے پاس دستورِ تعامل، اخلاقی اقدار، سیاسی قوانین، معاشی نظام میں کوئی حتمی مؤقف نہیں ہوتا۔ پھر اسی وجہ سے وہ جمہوری رائے اور رجحان کو فیصلہ کن تجویز طے کرتے ہیں، پھر چند سالوں بعد ایک نئی حکومت جمہوری رائے کے اصول سے قائم ہوتی ہے اور اسی جمہوری رائے کے دستور سے گزشتہ جمہوری رائے سے طے کردہ قوانین و ضوابط کو باطل کر دیتی ہے۔ پس سیاست و معیشت سے لیکر معاشرت و طبیعیت تمام شعبوں کی جڑیں بے ثبات و بے ٹھکانہ بیچ سے نکلتی ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہ قومیں اپنے غیر واضح و ظلمت آمیز نظریات اور تکبر بھرے کچے ستونوں پر قائم اندازوں سے یہ طے کرنے نکلتی ہیں کہ خدا و مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ انبیاء و اولیاء جیسی ذوات قدسیہ کے کلمات مبارکہ کی حیثیت کیا ہے؟

ایسے ہی متکبرانہ غیر مدبرانہ سماج کے تناظر میں گویا یہ آیات قرآنیہ اتری ہیں غالباً:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (سورۃ الحج: ۸،۹)

"اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں، جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہوتے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں، ایسے ہی شخص کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔"

ایک شدید مغالطے پر مبنی مشہور شبہ اور اس کا ازالہ

اکثر عوامی خیال اور سوال ایسے موقع پر یوں سامنے آتا ہے کہ اگر مغربی افکار و نکتہ ہائے نظر اتنے ہی قابل تردید اور ساقطِ وقعت ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو پھر ان کو مادی و ظاہری دنیا میں اتنا بے مثال عروج کیسے حاصل ہوا بلکہ ہو رہا ہے؟ وہ قومیں دنیا کی اعلیٰ ترقی یافتہ کیسے ہیں یہاں تک کہ دوسری اقوام انہیں ہی اپنا رول ماڈل جان کر قابل تقلید مانتی ہیں؟

تو دیکھیں!

اولاً: وہ جدید دور کی مادہ پرست سادہ لوح عام فکر رکھنے والے افراد کی مضحکہ خیز غلطی ہے جو کئی تصوراتی مغالطوں پر قائم اور دھوکوں سے مربوط ہے جسے ہم ایک clear epistemic mistake کہہ سکتے ہیں۔ اور اسی غلط تاثر کی وجہ سے یورپ و مغرب سے مرعوبیت بلکہ ذہنی غلامی تک کا تعلق بن جاتا ہے۔ اور حقیقتاً یہ ذہنی غلامی کا ہی ثمرہ ہے جس کی وجہ سے عمومی طبقہ محض ان کی تکنیکی و تحقیقی ترقی کو اعلیٰ و برتر جانتے جانتے ان کی ثقافت، تعلیم، سیاسی نظام، معاشی نہج، افکار و اعتقادات تمام چیزوں کو برتر و اعلی سمجھ لیتا ہے اور ان کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کی بلکہ اپنی نسلوں کی تربیتی خاکہ بندی کرتا ہے۔ تکنیکی و تحقیقی عروج تو مشرقی اقوام روس و چین، جاپان و کوریا کو بھی اچھا خاصا حاصل ہے، زیادہ تر ٹیکنالوجیکل آئیڈیاز میں مشرقی اقوام پیش رفت اور غلبہ رکھتی ہیں، لیکن ان کی برتری کے وہ چرچے نہیں، ان کی تعلیم کی وہ حرص نہیں جو مغرب کے حوالے سے ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے یہ اور ایسے دیگر suprematic تصور مغرب سے متعلق ذہنی غلامی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ شاید مغرب و یورپ کا حسی استعمار (Physical colonization) تو بظاہر ختم ہو چکا لیکن ذہنی استعمار (Mental Colonization) میں آج تک دنیا میڈیائی چالوں اور سیاسی چالوں اور تعلیمی نظاموں کے سبب طوقِ عبدیت میں ہے۔

حالانکہ، ان تکنیکی ترقیات کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کبھی حادثاتی یا اتفاقی انکشاف (Accidental Discovery) کے طور پر سامنے آتی ہیں، جس میں کسی قوم و فرد کا نہ اپنا کمال ہے نہ ان چیزوں پر اپنی جاگیرداری حق ہے۔ کبھی ایک بیدار (Concious) گہرے خیال کے طفیل کوئی حقیقت کھلتی ہے اور کبھی فردی تجرباتی تحقیق سے اور پھر جب

ان کو میڈیا، ادارہ جاتی وسائل کی کثرت، سیاسی سرپرستی اور مالی قِوام حاصل ہو جاتا ہے تو اسے کسی قوم کا علامتی شعار یا عکاسی کرنے والا معیار بتا اور بنا دیا جاتا ہے۔

تو مادی اور تکنیکی ترقی کسی مخصوص تہذیب یا نظریے کی جاگیر نہیں ہوتی، ایک سائنسی دریافت بسا اوقات کسی ایک فرد یا خطے میں جنم لیتی ہے، کسی دوسری تہذیب میں اس کی فکری نشو و نما ہوتی ہے اور کسی تیسری طاقت کے ہاتھوں وہ عملی غلبے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس پورے عمل میں اصل فیصلہ کن عنصر اکثر مالی اور ادارہ جاتی طاقت ہوتی ہے نہ کہ فکری برتری۔ چنانچہ یہ کہنا کہ جو قوم ٹیکنالوجی میں آگے ہے وہ لازماً علم اور نظریے میں بھی کامل ہے، ایک سادہ لوح کی ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔

ثانیاً: اس بات کا تجزیہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کا یہ فلک بوس علاماتی انفراسٹرکچر، مایہ ناز ٹیکنالوجکل سسٹم، حیرت انگیز تحقیقاتی ادارے، کیا سب کے پیچھے مغرب اور بالخصوص امریکہ کا اپنا علمی کمال اور ان کی فکری برتی اور Intellectual سوچ کار فرما ہے؟ کیا سب ان کے اپنے وسائل وحصائل کا ثمرہ ہے؟

تو آئیں کچھ پس پردہ حقائق کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں (جو اب پیشِ پردہ ہوتے جارہے ہیں بفضل اللہ)

امریکہ اور مغرب کی تکنیکی برتری کو اکثر داخلی علمی محنت، آزاد تحقیق اور جمہوری فضا کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، لیکن جب اس بیانیے کو حقیقی تاریخی واقعات کی روشنی میں پرکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ عروج ایک منظم عالمی عمل کے بغیر ممکن نہ تھا، اس عمل میں دنیا کے مختلف خطوں کے مادی، انسانی اور فکری وسائل کو بتدریج مغربی طاقتوں نے اپنے حق میں منتقل کیا بلکہ دہشت گردانہ انداز سے قتل عام کر کے لوٹا اور مکارانہ طریقوں سے بیوقوف بنا کر ہائی جیک کیا جس کے شواہد تاریخ کے ہر دور میں موجود ہیں۔

کچھ مثالیں:

برطانوی ہندوستان اس کی ایک کلاسیکی مثال ہے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہندوستان دنیا کی مجموعی صنعتی پیداوار کا تقریباً ۲۳ فیصد حصہ رکھتا تھا، خصوصاً ٹیکسٹائل کے میدان میں ہندوستانی کپڑا یورپی منڈیوں پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسیوں کے نتیجے میں مقامی صنعت کو دانستہ تباہ کیا گیا، ہندوستانی کاریگروں پر بھاری ٹیکس عائد کیے گئے، جیسا کہ سرمایہ دارانہ طبقے کا طرز ہوتا ہے جو آج تک کرتے آرہے ہیں، جبکہ برطانوی مشین سے تیار کردہ کپڑے کو ٹیکس فری داخلے کی اجازت دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مانچسٹر کی فیکٹریاں پھلیں پھولیں اور ہندوستان کے ہنر مند لاکھوں کی تعداد میں بے روزگار ہو گئے۔ یہی سرمایہ جو ہندوستان سے نچوڑا گیا، برطانیہ کے ریلوے نیٹ ورک، بندرگاہوں اور صنعتی انفراسٹرکچر کی بنیاد بنا۔

افریقہ میں کانگو فری اسٹیٹ کا واقعہ اس استحصال کی ایک اور المناک مثال ہے، انیسویں صدی کے آخر میں بیلجیئم کے بادشاہ لیوپولڈ دوم نے کانگو کو ذاتی ملکیت کے طور پر استعمال کیا، ربڑ اور معدنی وسائل کے حصول کے لیے مقامی آبادی پر وحشیانہ تشدد کیا گیا، جس کے نتیجے میں اندازاً ایک کروڑ افراد ہلاک ہوئے، یہی ربڑ یورپ اور امریکہ کی ابھرتی ہوئی آٹو موبیل اور الیکٹریکل صنعت کی ریڑھ کی ہڈی بنا، مغرب میں صنعتی سہولتیں بڑھتی گئیں، جبکہ افریقہ نسلوں تک عدم استحکام اور پسماندگی کا شکار رہا، جیسا کہ آج تک Apple جیسی سرمایہ دارانہ کمپنیوں کے سبب ہے۔[2]

پھر بیسویں صدی میں یہ عمل خام مال سے آگے بڑھ کر علم اور سائنس تک بڑھ گیا اور سائنسی افراد کی ہائی جیکنگ تک جا پہنچا۔ چنانچہ مغرب و امریکہ کو آئن سٹائن جیسے فری میسن (Free Mason) شیطانی مفکر[3] نظر آ گئے جن کو پھر باضابطہ خفیہ برادریوں نے نوبل پرائز وغیرہ دلوا کر خصوصی تشہیر کے ذریعے آگے بڑھایا۔ جبکہ آئن سٹائن کی کئی تھیوریز

---

[2] کانگو (Democratic Republic of Congo) دنیا کے اُن خطّوں میں شامل ہے جہاں جدید ٹیکنالوجی کے لیے نہایت قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں، جیسے سونا، ٹِن، ٹینٹلم اور ٹنگسٹن، جنہیں مجموعی طور پر Conflict Minerals کہا جاتا ہے۔ یہی معدنیات اسمارٹ فونز، بالخصوص iPhone جیسے آلات میں استعمال ہوتی ہیں، کیونکہ یہ چِپس، سرکٹس، بیٹریوں اور دیگر حساس پرزہ جات کی تیاری کے لیے ناگزیر ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کانگو کے کئی معدنی علاقوں پر دہائیوں سے مسلح گروہوں کا قبضہ رہا ہے، جو ان معدنیات کی کان کنی، اسمگلنگ اور غیر قانونی تجارت کے ذریعے اپنی جنگی سرگرمیوں کو مالی سہارا دیتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں قتل و غارت، جبری مشقت، بچوں سے مشقت، خواتین پر تشدد اور وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی پامالی جنم لیتی ہے۔

Apple جیسی عالمی ٹیکنالوجی کمپنیاں براہِ راست کانگو کی کانوں سے معدنیات نہیں خریدتیں، بلکہ ایک طویل اور پیچیدہ عالمی سپلائی چین کے ذریعے یہ مواد ان تک پہنچتا ہے۔ الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ کانگو سے نکالی گئی یہ معدنیات پہلے پڑوسی ممالک، مثلاً روانڈا یا یوگنڈا، منتقل کی جاتی ہیں اور وہاں سے "صاف" یا قانونی ذرائع کے نام پر عالمی منڈی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی پس منظر میں کانگو کی حکومت اور بعض انسانی حقوق کی تنظیموں نے Apple پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ اس کی سپلائی چین میں شامل معدنیات بالآخر انہی جنگ زدہ علاقوں سے آتی ہیں، اور یوں بالواسطہ طور پر iPhone جیسی مصنوعات مسلح گروہوں کی معیشت کو تقویت دیتی ہیں۔

Apple کا موقف یہ ہے کہ وہ صرف آڈیٹ شدہ اور ذمہ دار سپلائرز سے ہی معدنیات حاصل کرتا ہے اور ہر سال Conflict Minerals Report جاری کرتا ہے، تاہم ناقدین کے نزدیک مسئلہ صرف براہِ راست خرید کا نہیں بلکہ اس پورے عالمی نظام کا ہے جس میں بڑی کارپوریشنز کی طلب، کانگو جیسے خطّوں میں جاری خونریز تنازعات کو زندہ رکھتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ Apple پر الزام کسی ایک کمپنی کی نیت سے زیادہ اُس جدید مادی تہذیب پر سوال ہے جس میں تکنیکی ترقی کی قیمت اکثر کمزور اقوام کے خون، درد اور عدم استحکام کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔

[3] ایلبرٹ آئنسٹائن کو شیطانی مفکر کہنے کی وجہ: سب سے پہلی بات اس کا فری میسن ہونا اور یہودی تنظیم صہیونیت کا مشیر خاص ہونا، دوسری بات اس کا باوجود یہودیت کی طرف منسوب ہو کر ایک پر اسرار خدا "Spinoza's god" کا قائل ہونا جس کی تعریف وہ تو nature کے طور پر کرتا ہے لیکن اس کی طرف سے اشارات کسی باشعور ذات پر دلالت کرتے تھے، تیسری بات اس کے اپنے شیطانی کرتوت، مثلاً ناجائز اولادیں اور بیوی پر شدید مظالم پھر اپنی ہی بیٹی سے شادی کے ارادے وغیرہ۔ اس کی ابتدائی زندگی یہ تھی کہ یہ بالکل بلید دماغ کا مالک تھا اور تین سال تک گونگا تھا، لیکن سن ۱۹۰۰ء کے بعد اس کی تاریخ بدلتی ہے اور یکایک حیرت انگیز علوم کا ماہر بن جاتا ہے، اس طرح کی حیوانی زندگی گزارنے والا انسان جب اچانک ایسی تعجب خیز صلاحیتوں کا حامل ہو جائے اور عالمی پیمانے پر اس کا شہرہ بج جائے تو شیطانی مفکر کہنے میں کم از کم مجھے تردد نہیں۔

ایسی تھی جو کسی سابق مفکر کے تحقیقی نتائج پر ایک نئی ترمیم تھی، مثلاً آئین سٹائن کی مشہور زمانہ ($E=MC^2$) equation، جس کے ذریعے اس نے Theory of relativity پیش کی، خود دراصل اطالوی صنعت کار اولنٹو ڈی پریٹو (Italian Industrialist Olinto De Pretto) کا اس کے تجربات پر مبنی اتفاقی حساب تھا جو اس نے دریافت کیا۔ بلکہ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ De Pretto سے پہلے بھی اس پر مباحث ہوئے ہیں (واللہ اعلم)۔ بہر حال جو ہو مقصد اس مثال سے یہ بتانا تھا کہ کس طرح عمومی معاملوں میں آئن سٹائن کو ہیرو اور بڑا چہرہ ثابت کر کے پیش کیا جاتا ہے تا کہ اس کا تاثر بھی پھیلے، فری میسنز کی عظمت بھی قائم ہو اور پھر جو مفکرین خفیہ برادری کے سرمایہ دارانہ Capitalist ایجنڈوں، تعلیمی منصوبوں، سازشی ارادوں پر نہیں چلتے، انہیں بے قیمت کر کے پس پشت ڈال کر گمنام کر دیا گیا جیسے نکولا ٹیسلا (Nikola Tesla)، والٹر رسل (Walter Russell)، رینی گینوں (René Guénon)[4] وغیرہ کو کیا گیا اور آج تک ایسے مفکرین سائنسدانوں کو راستے سے ہٹائے جانے کا پراسس جاری ہے جس کی واضح مثال اس دور میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے۔ لہٰذا یہ باتیں کوئی قیاس آرائی یا سازشی نظریہ conspiracy theory نہیں ہیں بلکہ مبنی بر حق معاملہ ہے کہ کوئی کتنا بھی بڑا اور باصلاحیت کیوں نہ ہو یا تو خفیہ برادری کے مخصوص ارادوں کے فریم ورک میں کام کرے یا خاموش و گمنام رہے اور ان کے نظام و مقاصد کے لیے چیلنج بننے کی ہرگز کوشش نہ کرے ورنہ انجام کے ظالمانہ چہرے کا شکوہ کناں ہو گا۔

پھر دوسری عالمی جنگ کے فوراً بعد امریکہ نے "آپریشن پیپر کلپ"[5] کے تحت نازی جرمنی کے سینکڑوں سائنس دانوں اور انجینئروں کو خفیہ طور پر امریکہ منتقل کیا۔ ورنر فان براؤن جیسے سائنس دان، جو نازی راکٹ پروگرام کا حصہ تھے، بعد میں ناسا NASA کے مرکزی معمار بنے۔ امریکی خلائی پروگرام، بیلسٹک میزائل ٹیکنالوجی اور بالآخر چاند پر قدم رکھنے کی صلاحیت، بڑی حد تک اسی علمی ہائی جیکنگ کا نتیجہ تھی۔ اگر یہ دماغ جرمنی میں رہتے یا غیر جانب دار علمی اداروں میں کام کرتے تو شاید عالمی سائنسی توازن مختلف ہوتا۔

اسی ماڈل کو بعد میں ترقی پذیر دنیا پر نرم مگر مؤثر منصوبہ بند انداز میں نافذ کیا گیا۔ سرد جنگ کے دوران ایشیا، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے ذہین طلبہ کو فولبرائٹ، روڈز اور دیگر اسکالرشپس کے ذریعے مغربی جامعات میں بلایا گیا۔ ان میں سے بڑی تعداد وہیں کی ہو کر رہ گئی۔ مثال کے طور پر بھارت اور پاکستان کے ہزاروں سائنس دان، جوہری طبیعیات دان اور آئی ٹی ماہرین امریکہ منتقل ہوئے، جہاں ان کی تحقیق نے سلیکون ویلی، پینٹاگون اور ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس کو تقویت دی، جبکہ ان کے اپنے ممالک تحقیقی اداروں کی کمی اور کمزور انفراسٹرکچر کا شکار رہے۔ اس عمل کو بظاہر Brain Gain[6] کہا گیا، مگر حقیقت میں یہ ترقی پذیر معاشروں کے لیے شدید "Brain Drain" تھا، جس نے ان کے اپنے تحقیقی ڈھانچوں کو کمزور کر دیا۔

عالمی مالیاتی اداروں نے بھی علم کی سمت متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے Structural Adjustment Programs کے تحت افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کئی ممالک کو اپنی جامعات، تحقیقی مراکز اور سائنسی بجٹ کم کرنے پر مجبور کیا گیا، نیز انہیں خام مال برآمد کرنے والی معیشتوں تک محدود رکھا گیا۔ گھانا اور زیمبیا جیسے ممالک میں اعلیٰ تعلیم اور سائنسی تحقیق پر اخراجات میں شدید کمی آئی، جبکہ مغربی ممالک انہی وسائل سے اپنی ٹیکنالوجی اور تحقیق کو مزید مضبوط کرتے رہے۔

ادویات اور زراعت کے میدان میں پیٹنٹ سسٹم[7] اس عدم توازن کی واضح مثال ہے۔ AIDS کے علاج کے لیے استعمال ہونے والی اینٹی ریٹرو وائرل ادویات طویل عرصے تک

---

[4] انیسویں اور بیسویں صدی میں چند ایسے غیر معمولی اذہان پیدا ہوئے جنھوں نے محض ٹیکنالوجی یا فلسفہ نہیں بلکہ علم، کائنات اور انسان کے مروجہ تصور کو چیلنج کیا۔ نکولا ٹیسلا ایک ایسا سائنسدان تھا جس کا خواب توانائی کو آزاد، ارزاں اور عالمگیر بنانا تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ بجلی اور توانائی انسانیت کی مشترکہ میراث ہے، نہ کہ کارپوریٹ ملکیت۔ یہی تصور اس وقت کی سرمایہ دارانہ قوتوں، خصوصاً توانائی کی اجارہ داری قائم کرنے والے صنعتی گروہوں کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ نتیجتاً ٹیسلا کو مالی طور پر تنہا کر دیا گیا، اس کے منصوبے بند ہوئے اور اس کی وفات کے بعد اس کی تحقیق کو ریاستی تحویل میں لے لیا گیا۔ وہ جسمانی طور پر غائب نہیں ہوا، مگر علمی طور پر سائڈلائن کر دیا گیا۔

والٹر رسل ایک ہمہ جہت مفکر تھا جو سائنس، فلسفہ اور روحانیت کو ایک وحدت میں دیکھتا تھا۔ اس کا کائناتی ماڈل مادّی سائنس کے میکانکی تصور کے خلاف تھا اور شعور کو کائنات کی بنیاد قرار دیتا تھا۔ چونکہ جدید صنعتی سائنس محض قابلِ فروخت نتائج چاہتی تھی، اس لیے رسل جیسے مفکر کو ادارہ جاتی سائنس نے سنجیدگی سے قبول نہ کیا۔ اسے دبایا نہیں گیا، بلکہ نظر انداز کیا گیا، جو بعض اوقات غائب کرنے کی سب سے مہذب مگر مؤثر صورت ہوتی ہے۔

رینی گینوں مغربی تہذیب پر ایک فکری ضرب تھا۔ اس نے جدیدیت، مادیت اور عقلیت پرستی کو روحانی انحطاط کی جڑ قرار دیا اور روایت (Tradition) کو علم کا اصل سرچشمہ بتایا۔ اس کی تحریریں مغربی فکری ڈھانچے کے لیے خطرہ تھیں، کیونکہ وہ پورے epistemic نظام کو چیلنج کر رہی تھیں۔ نتیجتاً گینوں نے خود کو یورپ سے الگ کر لیا اور مصر میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ یوں اسے طاقت کے نظام نے نہیں، بلکہ خود نظام سے ٹکراؤ نے سائڈلائن کر دیا۔

ان تینوں کی مشترکہ تقدیر یہ تھی کہ یہ علم کو انسانی نجات سے جوڑتے تھے، جبکہ سرمایہ دارانہ طاقتیں علم کو کنٹرول اور منافع کا ذریعہ بنانا چاہتی تھیں۔

[5] دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا میں طاقت کا اصل معیار زمین یا فوج نہیں رہا بلکہ علم اور ذہانت بن گیا۔ اسی تناظر میں آپریشن پیپر کلپ سامنے آیا، جس کے تحت امریکہ نے نازی جرمنی کے سینکڑوں سائنسدانوں کو اپنے ہاں منتقل کیا۔ مقصد انصاف نہیں بلکہ فائدہ تھا۔ جن دماغوں نے جنگی مشینری بنائی تھی، وہی دماغ اب نئی عالمی طاقت کے لیے کام کرنے لگے۔ یوں علم کو اخلاقیات سے الگ کر کے طاقت کے تابع کر دیا گیا۔

[6] برین گین آپریشن پیپر کلپ کی نرم شکل ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے قابل ترین ذہن بہتر سہولیات کے نام پر ترقی یافتہ ممالک کی طرف کھینچ لیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً غریب معاشرے صرف خام مال ہی نہیں، بلکہ اپنے فکری سرمایہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ جدید نو آبادیات ہے، جس میں بندوق نہیں بلکہ ویزا اور ادارے استعمال ہوتے ہیں۔

[7] پیٹنٹ سسٹم اس پورے ڈھانچے کی قانونی بنیاد ہے۔ بظاہر یہ جدت کی حفاظت کے لیے ہے، مگر حقیقت میں یہ علم کو چند کمپنیوں اور ریاستوں کی ملکیت بنا دیتا ہے۔ دوا، بیج، ٹیکنالوجی حتیٰ کہ زندگی سے جڑے بنیادی تصورات تک کو قانونی قید میں دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح علم، جو کبھی انسانیت کی مشترکہ امانت تھا، ایک تجارتی شے بن جاتا۔

مغربی کمپنیوں کی پیٹنٹ گرفت میں رہیں، جس کے باعث افریقہ میں لاکھوں افراد سستی ادویات سے بھی محروم رہے بعد ازاں جب بھارت اور برازیل نے جنیرک ادویات تیار کیں تو مغربی کارپوریشنز نے قانونی دباؤ کے ذریعے انہیں روکنے کی کوشش کی۔

اسی طرح باسمتی چاول اور نیم جیسے پودوں پر مغربی اداروں کی جانب سے پیٹنٹ کی کوششیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مقامی علوم اور وسائل کو عالمی منڈی میں کس طرح ہائی جیک کیا جاتا ہے۔[8]

مزید برآں میڈیا اور تعلیمی بیانیہ نے ان تمام واقعات کو ایک اخلاقی پردے میں لپیٹ دیا۔ مغرب کو جدت، عقل اور ترقی کی علامت بنا کر پیش کیا گیا، جبکہ باقی دنیا کو "ترقی کے مراحل میں پیچھے" دکھایا گیا۔ اس بیانیے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ترقی پذیر معاشروں کے اذہان میں یہ تصور جڑ پکڑ گیا کہ علم، تحقیق اور ٹیکنالوجی کا مرکز فطری طور پر مغرب ہی ہے، اور باقی دنیا کا کردار محض صارف یا پیروکار بننا ہے۔ لہٰذا وہ اسی شبہ کے شکار بنے کہ جب ان کا مادی عروج ایسا مثالی ہے تو ان کا تعلیمی و تربیتی دستور بھی قابل تقلید ہو گا، سارا نظام قابل اخذ ہو گا جو کہ جیسا عرض کیا گیا اصل میں ذہنی غلامی کا تاثر ہے۔

ثالثاً: ایک نادر بلکہ شاید نا قابل تسلیم بات جو ممکناً Controversial یا Conspiracy theory کا لقب پالے لیکن بہر حال راقم الحروف کا اپنے مطالعے و تحقیق پر مبنی ایک یقین کے قریب ظن غالب ہے کہ ان غیر معمولی عروج و تطورات کے ماوراء باضابطہ شیطانی معاونت بھی بذریعہ وحیٔ شیطانی کارکردگی نبھا رہی ہے۔ گو یہ بات اجنبی اور اچھنبی معلوم ہو لیکن شرعاً ممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم صاف ذکر کرتا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (سورۃ الانعام: ۱۱۲)

"اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دشمنی کر رہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لیے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو وحی کرتے (بڑی مکر و گمراہی کی باتیں سکھاتے رہتے) تھے۔"

آگے اسی سورت میں آیت ۱۲۱ پر پھر شیطان کے وحی کرنے پر آیت اس طرح موجود ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ (سورۃ الانعام، ۱۲۱)

"شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے (ورغلاتے) رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔"

سورۃ الشعراء تو مزید گہرے الفاظ میں اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے۔ چنانچہ فرمان باری ہے:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ○ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ○ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ○ (سورۃ الشعراء: ۲۲۱:۲۲۳)

"کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں، وہ ہر ایسے شخص پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گناہگار ہو، وہ سنی سنائی بات لا ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔"

پھر احادیث صحیحہ میں موجود قصۂ ابن صیاد مزید افق کھول دیتا ہے اس حوالے سے کہ شیطانی راہنمائی اور رسائی انسان تک کیسے ہوتی ہے۔

اب جب شرعاً ممکن ہے تو صاحب ایمان کے لیے عقلاً و عادتاً بھی ممکن ہونے میں تردد نہیں۔ پس یہ ہونا ممکن ہے لیکن ہوا ہے اس کے لیے شواہد درکار ضرور ہیں اور وہ شواہد کی طرف نشان دہی کی ہے مفتی ابولبابہ صاحب شاہ منصور (دامت برکاتہم) نے اپنی کتاب "دجال کب کہاں کون" میں۔ اور مولانا عاصم عمر شہید (تقبلہ اللہ) نے اپنی کتاب "برمودا تکون اور دجال" میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح مغربی جدید مفکرین کا شیطانی افراد سے تعلق رہا اور کیسے انہوں نے سحر آلود راستوں سے (باذن الٰہی) گہری باتیں کھوج نکالیں، ان پر حادثاتی تجربوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اس انواع کی باتوں کو لے کر کئی نظریاتی آراء کی جہتیں الگ الگ ہو جاتی ہیں اس لیے ٹھوس انداز ہونے کے باوجود باتیں قاری کے لیے دھندلی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ مضبوط یقینی نظریہ بن پائے اس کا دعویٰ مشکل ہے۔ پھر بھی راقم الحروف کی تجویز ہے کہ اہل ذوق حضرات کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع ضرور کریں۔ اور اگر ان کا مطالعہ ہو چکا ہو تو بھی مکرر رجوع کریں اور بغور تجزیاتی انداز سے تقابلی قسم کا مطالعہ کریں۔ ذکر کردہ حقائق کو دیگر تحقیقی ذرائع کے شواہد سے بھی جوڑ کر دیکھیں، شاید کہ بہت کچھ فہم کو دستک دینے لگے اور اس نکتے کو باوجود ضعیف الواقع ہونے کے ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ کئی بار اس طرح کے نکتوں سے بھی دقائق و حقائق زمانہ کو سمجھنے میں راہ مل جاتی ہے۔ پیچیدہ الجھنوں کی گتھی کافی بساط تک سلجھ جاتی ہے۔ راقم یہاں ان کی حتمیت باور کرانا نہیں چاہتا اور نہ ہی اس کو درست سمجھتا ہے البتہ ان کو گوشۂ ذہن میں جگہ دینے سے کوئی معقول مانع بھی نظر نہیں آتا۔ تو بجائے اس نکتے کو طول دینے کے، حوالے پر اکتفا کرتا ہوں بوجہ ضیق مقام اور بات کے غیر مقصود بالذات ہونے کے اور وہاں کی باتیں بھی یہاں نقل کرنا بلا ضرورت تکلف سمجھتا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مغرب کا مادی ترقی و ظاہری ٹیکنالوجیکل عروج اولاً اس کی سلیمانہ فکر، مستقیمانہ ذوق، باقدر اقدار اور باوقار اخلاق کی دلیل نہیں نہ تعلیمی و ثقافتی علویت و سموحیت کی علامت ہے۔ ثانیاً وہ رفعت و بلندی جس کے نیچے ایسے بد خصلت مفسدانہ اور بد فطرت

---

[8] مغرب کے ترقیاتی ان تمام پر حقائق پر تفصیلی مطالعہ درکار ہو تو یہ مراجع قابل رجوع ہیں:
Globalization and Its Discontents - Joseph Stiglitz،
Biopiracy - Vandana Shiva،
Orientalism - Edward said،
اور انتہائی اہم Kicking away the ladder - Haa joon chang

مجرمانہ حقائق ہوں تو کسی صورت قابل برتری و عظمت نہیں ہو سکتی اور نہ انہیں نگاہِ رشک سے دیکھنا سمجھداری ہے۔ ثالثاً اس وقت تو بالکل نہیں اگر اس کے شیطانی قطرات کے مظہر ہونے کے امکانات ہوں، ہاں اگر کوئی عقل سلیم سے محروم ہو اور طبع مستقیم سے دور ہو تو الگ معاملہ ہے۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ○ (سورۃ غافر: ۴)

”پس ان کا دنیا میں (اتراتے ہوئے) چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے۔“

آج جب دنیا ایک کثیر قطبی نظام کی طرف بڑھ رہی ہے، تو ضروری ہے کہ اس تاریخ کو محض الزام تراشی کے لیے نہیں بلکہ فکری بیداری کے لیے سمجھا جائے، ترقی پذیر معاشروں کے لیے اصل سوال یہ نہیں کہ مغرب نے کیا کیا، بلکہ یہ ہے کہ وہ آئندہ اپنے وسائل، اپنی ذہانت اور اپنے علمی ورثے کو کس طرح خود مختار، منصفانہ اور مقصدی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ حقیقی تحقیق اور مضبوط انفراسٹرکچر اسی وقت جنم لے سکتا ہے جب علم کو محض طاقت کا آلہ نہیں بلکہ اجتماعی بھلائی کا ذریعہ سمجھا جائے۔

تنبیہ:

مذکورہ تبصرے سے مقصود یہ تاثر ہرگز نہ ہو کہ اسلامی فکر مادی عروج، جدید تعلیمی مہارت، ترقی یافتہ ٹیکنالوجیکل صلاحیت سے انحراف کی داعی ہے۔ نہیں یہ بڑی کج فہمی ہو گی کیونکہ اسلامی ادوار نے خود ان امور کے معیاری نمونے پیش کیے ہیں۔ کلام بس اس صورت میں ہے جب مذکورہ امور کو ہی اصل جانا جائے اور Materialism کی وادیوں میں بھٹک کر روحانی دنیا سے بیزاری آ جائے نیز ان کے ذریعے مغربی برتری اور ذہنی غلامی کا اثر عقل و مزاج پر چھانے لگ جائے اور یہ حالت الحادی، لادینی سوچ پر منتج ہو جائے۔

فاللہم احفظ و سلِّم

مغربی علمیات میں معتبر اسباب علم

اسباب علم

یہاں تک تو گفتگو تھی مغرب کے نزدیک علم کی حقیقت کو لے کر۔ اب آگے مغرب کے نزدیک اسبابِ علم اور اس کے نتائج پر کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

بنیادی طور پر اس معاملے میں بھی مغربی ذہن کی عمارت یونانی قدیم فلاسفہ کے اصولوں پر تعمیر ہوتی ہے۔ اساسی اعتبار سے مغربی epistemology میں اسباب علم سے متعلق دو نظریے رہے، لیکن بعد میں جدید فلاسفہ نے انہی دو اصل سے الگ الگ نظریے بنا لیے۔

۱. حواس انسانی (Human Senses)

مغرب کے قدیم نظریے کے مطابق (میڈیکل اور سائنس کے میدان میں آج بھی) حقیقی سببِ علم انسان کے حواس خمسہ ہیں۔ (دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے، چھونے کی صلاحیتیں)

چنانچہ ارسطو اور دیگر کے نزدیک ذرائع علم انسانی حواس ہیں۔ اور جان لاک، ڈیوڈ ہیوم وغیرہما حکماء نے تو اس بات پر زور دیا کہ جو چیز حواسِ خمسہ سے ثابت نہ ہو وہ علم کے دائرے میں آتی ہی نہیں بلکہ محض عقیدہ یا گمان ہوتی ہے۔ اس کے مثبت اثرات یہ کہے جا سکتے ہیں کہ اس فکر کے تحت طبیعیات (Physics)، کیمسٹری اور حیاتیات جیسے علوم کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی جو مادی و کیمیاوی دریافتوں کا بیج بنی۔ اس ذہنیت کو Empiricism کا نام دیا گیا، دوسرے الفاظ میں تجربہ کاری پر مبنی علم، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم حواس ظاہرہ سے حاصل تجربات سے اخذ کیا جاتا ہے۔

اس فکر کے مثبت سے زیادہ اثرات منفی صورت میں برپا ہوئے۔ اولاً اس کے سبب انسان محدودیت کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ ہر چیز کا حواس سے معلوم ہونا یہ عادتاً ناممکن بات ہے۔ واضح امر ہے کہ ۴=۲+۲ کا ادراک حواس ظاہرہ سے (اصولاً) نہیں ہوتا، اسی طرح ہر موجود کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً وقت موجود ہے، یہ عالمی تسلیم شدہ بات ہے جسے تمام سائنسدان اور فلاسفہ ایک حقیقت کے طور پر مانتے ہیں، لیکن حواس خمسہ سے وقت محسوس نہیں ہوتا۔

ثانیاً محدودیت کے ساتھ سطحیت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے علم و فہم کو دھوکا کثرت سے ہوتا ہے۔ صاحب حواس کو کسی معاملے کو واقعی جاننے میں یا تو کامیابی ہی نہیں ملتی یا ملتی ہے تو مکمل نہیں ملتی، کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ محسوس چیز موجود ہو مثلاً آئینے میں نظر آنے والا وجود حاسۂ بصر سے محسوس ہوتا ہے لیکن موجود نہیں ہوتا۔

ثالثاً اصل بڑا خلا یہ کہ Empiricistic سوچ محض مادیت اور ظاہر کا پجاری بنا دیتی ہے۔ کامیابی کا مفہوم مادہ (مال و دولت، اسباب و وسائل) کی کثرت و برتریت سے عبارت ہوتا ہے یعنی مادہ پرستی (Materialism) اور سائنسی ہیضہ (scientism)۔ مطلب ہر چیز کو سمجھنے، جاننے اور ماننے کا معیار ظاہر پر مبنی امر ہوتا ہے جس کا پیمانہ سائنس طے کرے گی۔ یہ ذوق و مزاج اسی Empiricism کا اثر ہے۔

ایک امکانی نتیجہ اس نظریے پر شدت سے جمنے کا یہ ہو سکتا ہے جو اسلامی جہت سے نہایت سنگین و پر خطیر نتیجہ ہے کہ جب دجال دنیا کے سامنے خروج کرے گا تو حسی صورت میں اپنی خدائیت کو ظاہر کرے گا اور اپنے خارق عادت (Supernatural) انداز کے مظاہر دکھائے گا۔ (اللہ ہی کے حکم سے) جس کی وجہ سے وہ طبقہ جو خدا کو محض نظامِ قدرت (nature) میں تلاش رہا ہے، اس کے نزدیک خدا کوئی حکیم و علیم ذات نہیں، اور وہ طبقہ جو خدا سے متعلق حتمی سوچ نہیں رکھتا بلکہ احتمالی مؤقف رکھتا ہے (Agnostics)، جو کہتا ہے ”کائنات کے غیر معمولی نظام سے کبھی لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے خدا ہو اور کبھی لگتا ہے نہ بھی ہو۔“ (العیاذ باللہ) وہ طبقہ ممکن ہے بلا جھجک دجال کو خدا مان لے، جیسا کہ اب ایلون مسک (Elon Musk) جیسے لوگ خدا کے وجود کا اقرار تو کر رہے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ وہ خدا کون ہے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ تو ایسے لوگ جو حواس اور Empiricism کے تابع ہیں بعید

نہیں ہے کہ دجال کی خدا ہونے کو تسلیم کرلیں، نیز ان ذہنوں کے حوالے سے یہ نکتہ غایت درجے سنجیدہ ہے جو مغربی افکار سے تاثر حاصل کرتے کرتے مسلمان کہلانے کے باوجود اسی Empiricism والے انداز کو ترجیح دیتے ہیں۔ اندازہ کریں کہ مغرب کا یہ تربیتی نظام کس حد تک لے جا سکتا ہے۔

دوسرے مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اور جدیدیت سے وابستہ فلاسفہ بالخصوص ایمانوئیل کانٹ (Emanuel Kant) وغیرہ نے اگرچہ اس سوچ میں ترقی دی، (جس کا آگے تذکرہ موجود ہے) لیکن آج بھی مغربی تہذیب اور مغربی paradigm کے مطابق وضع کردہ epistemology کے راستے سے تعلیم حاصل کرنے والے طبقے میں یہ Empiricism کا طرز واضح نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج اس Materialistic تعلیمی نظام اور میڈیائی سرگرمیوں سے وابستہ طبقہ (جو اسلامک بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتا ہے) یا تو اپنی زبانِ قال سے ہی خدا و دین کا انکار کر دیتا ہے یا اپنی زبانِ حال سے انکار کر دیتا ہے۔ ایسی زندگی گزارتا ہے جیسے دنیاوی برکت و آخرت، روحانیت و نورانیت کا انہیں تصور ہی نہ ہو، یہ چیزیں کوئی قابلِ توجہ شے ہی نہ ہوں ان کے یہاں، جیسے دیسی لبرل لوگوں کا حال ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک کامیابی کا مفہوم بھی اصل میں مادہ (مال و اسباب) کی کثرت و برتریت میں عمدگی ہوتا ہے، یہاں تک کہ دولت و شہرت (جو اسلامی نقطۂ نظر سے از قبیلِ مقدرات ہے) پیمانۂ رضاءِ الٰہی ہوتا ہے ان کی سوچ میں۔ پس جو ہے وہ دنیا اور ظاہری عالم ہے ان کے عزائم و مقاصد میں۔

ظاہر ہے جب focus ایک سمت (مادیت) میں ہوگا تو روحانی وجود محسوس تو دور معقول بھی نہیں لگے گا۔ نتیجہ ایک بڑی سعادت سے محرومی، روحانی حواس (Spiritual senses) جو زندگی کا اصل مغز ہیں ان سے بالکل انقطاع ہوگا لہٰذا جب روحانی قوت احساس ہی مفقود ہوتی ہے تو نہ اعمالِ روحانی کا ذائقہ آتا ہے نہ ان کی ٹھنڈک کا اندازہ۔

پس پھر نہ تو فحش و منکرات سے کوئی خاص فاصلہ نہ حیا و صالحات سے کوئی خاص رابطہ، نہ گمراہی کی کوئی پرواہ نہ ہدایت کا کوئی احساس، بس موڈ کے مطابق جو چاہت ہو۔

اسی کو قرآن کہتا ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ○

(سورۃ الاعراف: ۱۷۹)

”اُن کے پاس دِل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

تو محض حواس علم کا حتمی ذریعہ نہیں ہیں، عقلاً بھی نہیں اور شرعاً تو بالکل نہیں۔

۲. انسانی عقل (Human Rationality)

دوسرا مغربی مکتبہ فکر وہ ہے جو عقلِ انسانی کو علم کا بنیادی اور معتبر ذریعہ قرار دیتا ہے اس کے مطابق کچھ حقائق ایسے ہیں جو نہ تجربے کے محتاج ہیں اور نہ حواس کے، بلکہ انسانی عقل انہیں بذاتِ خود دریافت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یوں عقل صرف علم کو ترتیب دینے والا آلہ نہیں بلکہ خود علم کی پیداواری قوت بن جاتی ہے۔ اس نظریے کو کہا جاتا ہے Rationalism۔

اس نظریے کی ابتدائی فکری سند جڑتی ہے افلاطون سے۔ چونکہ حواس دھوکہ دیتے ہیں اور اشیاء مسلسل تغیر میں ہیں اس لیے اس نے ”نظریۂ مُثُل (Theory of Forms)“ پیش کیا، جس کے مطابق ہر مادی شے کی ایک کامل، غیر متغیر اور عقلی صورت (Form) موجود ہے جو حسی دنیا سے ماورا ہے، پھر جدید دور میں اسے منظم صورت رینی ڈیکارٹ نے دی، ڈیکارٹ کا مشہور قول ”I think, therefore I am“ دراصل یہ عقل کو علم کی پہلی یقینی بنیاد بنانے کی کوشش تھی۔

عقلیت (Rationalism) کے اثرات:

عقلیت کی سب سے بڑی تاثیر یہ ہوئی کہ اس نے سائنسی فکر کو منطقی بنیاد فراہم کی، جدید سائنس میں قوانینِ فطرت، ریاضیاتی ماڈلز اور منطقی ساخت اسی عقلی روایت کی مرہونِ منت ہیں۔ عقل نے انسان کو توہمات، اساطیر اور غیر عقلی تصورات سے نکال کر ترتیب، قانون اور دلیل کی طرف متوجہ کیا۔ سیاسی فلسفہ، قانون اور اخلاقیات میں بھی ”عقلی اصول“ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

تاہم، تاریخِ فکر یہ بتاتی ہے کہ جب عقل کو حتمی اور خود مختار اتھارٹی بنا دیا جائے، اور اسے ہر حقیقت کا واحد میزان سمجھ لیا جائے، تو یہی عقل انسان کو یقین کے بجائے اضطراب، ہدایت کے بجائے انتشار، اور سکون کے بجائے فکری خلفشار تک لے جاتی ہے۔ درج ذیل سطروں میں عقل پرستی کے تین مبنی بر حقیقت سنگین نتائج عرض ہیں:

۱. عقل پرستی کا پہلا اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انسانی عقل بذاتِ خود محدود ہے اور افراد کے درمیان مزاج، پس منظر اور استعداد کے اعتبار سے مختلف بھی۔ چنانچہ محض عقل پر اعتماد کرتے ہوئے کسی حقیقت تک قطعی اور آفاقی انداز میں پہنچنا ممکن نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی کائنات، ایک ہی سائنسی طریقِ تحقیق اور ایک ہی مشاہداتی مواد سے مختلف اذہان مختلف نتائج اخذ کرتے ہیں۔
مثال کے طور پر آئزک نیوٹن اور اسٹیفن ہاکنگ دونوں عظیم سائنس دان کہلائے۔ دونوں نے اسی کائنات کو دیکھا، اسی طبیعیات پر غور کیا، مگر خدا کے وجود کے باب میں ان کے نتائج مختلف بلکہ متضاد نکلے۔ آئزک نیوٹن انہیں طبیعیاتی اصول کی بنا پر اپنی عقلی گواہی سے کہتا ہے:

"This most beautiful system of the sun, planets, and comets, could only proceed from the counsel and dominion of an intelligent and powerful Being."

”سورج، سیاروں اور دمدار ستاروں پر مشتمل یہ نہایت حسین اور منظم نظام صرف کسی عقل مند اور قادر ہستی کی تدبیر اور اقتدار ہی سے وجود میں آسکتا ہے۔“[9]

جبکہ دوسری جانب اسٹیفن ہاکنگ کی عقل کہتی ہے:

"Because there is a law such as gravity, the universe can and will create itself from nothing."

”چونکہ کششِ ثقل (Gravity) جیسے قوانین موجود ہیں، اس لیے کائنات کچھ بھی نہ ہونے سے خود بخود وجود میں آسکتی ہے۔“[10]

یہ اختلاف اگر کسی پیچیدہ چیز میں دھندلے دلائل کی بنیاد پر ہوتا تو سمجھ آسکتا تھا، لیکن ایک سادہ بات کو لے کر دونوں ماہر فن کا اتنا بڑا اختلاف جبکہ اصول ایک۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عقل جب وحی یا ماورائی رہنمائی سے آزاد ہو جائے تو وہ حتمی علم کے بجائے محض آراء پیدا کرتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عقل پرستی علمی نسبیت (Relativism) کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

۲. عقل پرستی کا دوسرا منفی اثر انسانی مزاج میں فکری تکبر کا پیدا ہونا ہے۔ جب انسان یہ سمجھنے لگے کہ ”جو بات میری عقل نے مان لی وہی حق ہے، اور جو میری عقل سے بالاتر ہے وہ یا تو غیر عقلی ہے یا باطل“، چونکہ مغربی epistemology میں علم ہے ہی وہ چیز جو Justified ہو مقبول ہو، لہٰذا ہر شخص میں Individual reasoning فردی عقل پر چلنے کا جذبہ ہوتا ہے، تو اس کے اندر کسی کی تابعداری و اطاعت کا ملکہ بھی نہیں رہتا اور خود کی عقل بھی محدود، لہٰذا نہ کسی کے توسط سے راستہ پاتا ہے نہ ہی اپنی محدود عقل سے صحیح منزل۔ محض اپنی ہوائے نفس کی راہ پر چل کر سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں کرتا۔ جیسا کہ ہر عاجزی و انکساری سے خالی طبیعت کا انجام یہی ہوتا ہے جس کی واضح مثال ابلیس ملعون ہے۔

اسی موقع پر قرآن کہتا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ القصص: ۵۰)

”اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔“

اس نکتے پر رک کر یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ ہر وہ بات جو بروقت عقل کو سمجھ نہ آئے ضروری نہیں کہ وہ غلط ہی ہو یا فرضی ہی ہو یا غیر معقول ہی ہو جس سے اس کی مردودیت طے کر دی جائے۔ بہت سے معاملے عقل سے بالا ہوتے ہیں لیکن خلاف نہیں، جو کبھی کسی اور سے سمجھ آتے ہیں تو کبھی بعد از وقت سمجھ آتے ہیں اور کبھی زندگی بھر سمجھ نہیں آتے لیکن نفس الامر میں معقول و مقبول اور برحق ہوتے ہیں، قابل ایمان و یقین ہوتے ہیں۔ جیسے اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے اقوال و افعال کے محفوظ ہونے بلکہ ان کے ناپے اور تولے جانے کا تصور پیش کیا کہ آخرت میں ان کا میزان (ترازو) قائم ہوگا جب کہ معنوی چیزیں ہیں ان پر مذکورہ اطلاقات محاورتاً تو ہو سکتے تھے لیکن لفظاً و حقیقتاً یہ بات عقل سے بالا تھی کہ افعال اقوال محفوظ کیسے ہوں گے، پھر ناپے اور تولے کیسے جائیں گے۔ چنانچہ عمریں نکل گئیں سمجھنے والوں کی بلکہ زمانے گزر گئے لیکن کماحقہ یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ مگر کیا آج Memory chip کے اس دور میں یہ بات عقل سے بالا کہی جا سکتی ہے؟ ان کی محاوری تشریح کے تکلف کی ضرورت ہے؟

الغرض، واضح رہے کہ ہر مسئلے، معاملے، بات کے بروقت سمجھ نہ آنے سے ان کا غیر معقول و غیر مقبول ہونا لازم نہیں آتا۔

۳. عقل پرستی کا تیسرا منفی اثر انسانی عقل کا مایوسی حتیٰ کے بے کاری کا شکار ہو جانا۔ چونکہ عقل پرست جب اپنی محدود عقلی تاروں سے کسی بات کو حتمی نتیجے تک فرض کر جاتا ہے تو اس کے لیے وہ بات عقیدہ بن جاتی ہے۔ پس جب وہ بات خلاف تصور اور توقع واقع ہوتی ہے تو عقل پرست بسا اوقات تحمل نہیں کر پاتا جسے Existential Shock اور ذہنی انہدام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی مشہور مثال خدا کا انکاری Friedrich Nietzsche ہے جس نے Superman کا تصور دیا، لیکن خود گیارہ سال تک اپنی زندگی میں ذہنی انہدام کا شکار رہا۔ ایسے ہی مشہور فلسفی ڈیوڈ ہیوم عقلی بے بسی کو پہنچ گیا۔

خاص طور پر یہ مرض اس وقت عام ہو کر پھیلتا ہے جب ظالم مغربی قومیں اپنے عقل کے فیصلے پر مستعد ہو کر مجاہدین کے خلاف میدانوں میں اترتی ہیں۔ ان کا یہ ایمان ہوتا ہے گویا کہ ہمارے مقابلے کوئی ٹک نہیں پائے گا، ہم ان سرفروشوں کو چند دنوں میں ختم کر دیں گے اور پھر ہوتا اس کا بالکل برعکس ہے۔ تو کرایے پر اکڑ کر اترنے والی یہ جدید اسلحوں اور ٹیکنالوجی سے لیس فوجیں دیوانہ وار خودکشی کرنے پر گویا مجبور ہو جاتی ہیں۔ امریکہ و افغان جنگ میں اس کی مثالیں ان گنت ہیں اور یہی اسرائیلی فوجیوں کے ساتھ فلسطین میں بھی ہوتا دکھ رہا ہے۔

بہر حال، یہ ہے حقیقت ہے انسانی عقل کی جب وہ حتمی فیصل بن جائے اور حدود کے بغیر کسی بھی سمت میں چلے جائے۔

ایمانویل کانٹ (Immanuel Kant) کا فلسفہ

مذکورہ بالا دو نظریوں (تجربیت/Empiricism اور عقلیت/Rationalism) کے علاوہ مزید ایک فلسفہ تیار ہوا جس کی طرف باضابطہ ۳۰۰ سال قبل جرمن فلسفی ایمانویل

[9] Principia Mathematica

[10] The Grand Design

کانٹ نے رخ موڑا، اگرچہ اس کی طرف قدیم فلاسفہ کے اشارے ملتے ہیں لیکن انہوں نے حیثیتی طور پر اس فلسفے کو نہیں اپنایا تھا۔

کانٹ کا پیش کردہ نظریہ دراصل مغربی epistemology میں ایک انقلابی موڑ تھا۔ اس نے دراصل عقل و تجربہ کی صدیوں پرانی کشمکش کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ کانٹ نے یہ محسوس کیا کہ یہ دونوں مکاتب فکر اپنی اپنی جگہ ناقص ہیں، کیونکہ عقل کی حصولِ علم میں اپنی حدود ہیں اور تجربات کی اپنی۔ چنانچہ اس نے ایک نیا نظریہ پیش کیا جسے اس نے تنقیدی فلسفہ (Critical Philosophy) کہا، اور یہی اس کی فکری عظمت کی بنیاد ہے۔ اس کا مشہور انقلابی جملہ ہے:

> "Knowledge begins with experience, but does not arise from experience alone."
>
> ”علم کا آغاز تجربے سے ضرور ہوتا ہے، مگر وہ محض تجربے سے پیدا نہیں ہوتا۔“

گویا اس نے عقل و تجربے دونوں کو جمع کر دیا۔ اور تجربیت و عقلیت دونوں کی محضیت سے مغرب کو باہر نکالا۔ اس کا نظریہ محض ایک فلسفیانہ مؤقف نہیں بلکہ جدید مغربی ذہن کی فکری بنیاد ہے، جس کے اثرات آج تک علم، اخلاق اور حقیقت کے تصورات میں نمایاں ہیں۔ اس نے سائنس کو metaphysics سے آزاد کر کے محفوظ کر دیا، جس سے جدید سائنسی تمدن مضبوط ہوا، ترقیاتی و تکنیکی دنیا میں مزید استحکام آیا۔

لیکن بات پھر وہیں آ کر رک جاتی ہے کہ مغرب کے اس سارے غور و فکر کا موضوع کیا ہے؟ مادہ اور مشین فقط، فکری حدود بظاہر آزاد لیکن دائرہ محض طبیعی physical دنیا میں قید، زندگی کا مقصد کچھ نہیں محض دولت شہرت کمانا، اخلاقیات صرف نسبتی (Subjective) نظریہ اور انسانی زندگی بس ایک مشین کی طرح، مرد کا عورت سے تعلق محض جنسی ضرورت کی چاہ میں، عورت کا مرد سے تعلق مالی منفعت کی چاہ میں اور جب ایک سے مطلب حاصل تو اگلے کا نمبر۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرہ نکاح سے بیزار، خاندانی نظام سے بے کنار نظر آتا ہے۔ پھر تجارتی طبقے کو بس مال کمانا ہے، اپنا مستقبل بنانا ہے چاہے عوام برباد ہو جائے۔ یہی حال پیشہ ور اور ہنر مند طبقے کا نظر آتا ہے، یعنی گھر تو سنور گیا، طرح طرح کی سہولتوں سے آراستہ ہو گیا، نت نئے غیر معمولی اور طاقتور آلات Gadgets سے لیس ہو گیا لیکن صاحب مکان؟ صاحب مکان اس سجے سنورے گھر میں اب بھی ایک جنگلی وحشی حیوان نما حالت میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ مغربی Epistemology پر مبنی علم نے طاقت دے دی لیکن ہدایت سے ناآشنا کر دیا جس کا نتیجہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی صورت میں سامنے آیا اور American Imperialism تو آج اس کا سب واضح نمونہ ہے۔

طبی مہارت دے دی لیکن دردِ انسانیت نہیں، لہٰذا ادویات ساز کمپنیاں (Pharma Industries) یہاں ایک سادہ طبی ادارہ نہیں بلکہ ایک کارپوریٹ منافع بخش نظام ہے۔ اس نظام میں بیماری کو مکمل ختم کرنا تجارتی مفاد کے خلاف ہے، مستقل مریض زیادہ فائدہ مند ہیں، دائمی امراض (chronic diseases) سب سے زیادہ منافع دیتے ہیں۔ اس تناظر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لیبارٹری میں صرف دوائیں ہی نہیں بنتیں بلکہ ایک مخصوص طرزِ زندگی، خوراک اور ذہنی دباؤ کے ذریعے بیماریوں کا ماحول بھی تیار کیا جاتا ہے جس کے پیچھے پتہ نہیں کن کن لوگوں کے کیا کیا منافع شامل ہوتے ہیں۔[1]

اسی طرح اس علم و نظام نے راحت و اسباب سہولت تو دے دیے لیکن قلبی طمانیت نہ دے سکا۔ آپ دیکھیں آج دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کے پوائنٹس کہاں ہیں؟ تمام طرح کے مادی اسباب، عیاشی کے ہر انداز کے وسائل و مواقع کے باوجود بے پناہ اضطراب کا شکار اور پھر اس اضطراب کی بنا پر بے تحاشا نشے کی چیزوں میں ڈوب کر نیم مردہ زندگی والا طبقہ آپ کو کہاں ملتا ہے؟ ان ہی ترقی یافتہ ممالک میں ان ہی بلند و بالا عمارتوں والے خطوں میں، وہ بیچارے نہیں جانتے کہ وہ کس اضطراب کا شکار ہیں، جہاں کی امیدوں اور خوابوں میں ہمارا معاشرہ رشک کرتے کرتے مرا جاتا ہے، وہ درحقیقت روحانی اضطراب کا شکار ہیں لیکن انہیں روح اور روحانی اضطراب کی باتیں بھی اجنبی اور افسانہ لگتی ہیں۔ (ھداھم اللہ)

واضح رہے کہ اسلام مذکورہ دونوں ذرائع (حس اور عقل) سے حصول علم کو غیر معتبر نہیں جانتا اور نہ ہی ان پر تنقید کرتا ہے۔ اسلام دراصل ان کی بے لگامی اور ان کو حاکم بنا دینے کی غلطی کی اصلاح کرتا ہے۔ اسلام خود عقل کے استعمال اور حواس کو بروئے کار لانے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم تو خود بکثرت کہتا ہے:

> أفلا تبصرون، أفلا تعقلون
>
> ”کیا تم دیکھتے نہیں؟ کیا تم سوچتے نہیں؟“

نگاہیں استعمال نہیں کرتے؟ عقل استعمال نہیں کرتے؟ تو اسلام دراصل عقل و حواس کو خود راہ و نظم دیتا ہے، محسوس اور طبعی دنیا کی محدود سرحد سے باہر نکال کر Metaphysical حقائق (خدا، وحی، رسالت و نبوت، آخرت وغیرہ) سے روشناس کراتا ہے، جس سے کئی سارے شگاف کھل جاتے ہیں، صبر و شکر کا تصور، تقدیر اور توکل کا راستہ، تقوی اور اعمال صالحہ کی تربیت، یہ سب خود عقل و حواس کو سکون، تازگی اور تہذیب دینے

---

[1] Deadly Medicines and Organised Crime - Peter C. Gøtzsche،
Bad Pharma - Ben Goldacre،
Side effects - Alison Bass
ان کتابوں کا مطالعہ اس حوالے سے مفید ثابت ہو گا ان شاء اللہ۔

کے ضامن ہیں اور اس سے ایک بہت بڑا وہ خلا پر ہو جاتا ہے جس کے خالی رہنے کی وجہ باوجود لاکھوں ترقی و وسائل کے انسانی زندگی Collapse کر جاتی ہے۔

تو بہر حال، یہ مغربی علمیات epistemology پر کچھ نظر تھی۔

یاد رکھیں! اگر آپ مغربی دجالی نظام کے خلاف فکری جنگ میں کامیابی چاہتے ہیں تو تعلیمی نظام کی تبدیلی اس کا پہلا قدم ہے اور تعلیمی نظام کی تبدیلی کا یہ محض مطلب نہیں کہ آپ کوئی اسلامک انسٹی ٹیوٹس قائم کر لیں یا نصاب میں کچھ جزوی تبدیلیاں کر دیں۔ بلکہ اصل مقتضی ہے پیراڈائم کو بدلنا اور پیراڈائم کو بدلنے میں پہلا قدم ہے اس مغربی Epistemology کی تردید و تجدید کر کے اسے خالص اسلامی Epistemology میں تحویل کرنا۔

ایک اسلامک اسکول، کالج، یونیورسٹی قائم کر کے آپ عیسائی مشنری تعلیمی اداروں سے تو نجات پا سکتے ہیں، مرد و زن کے مخلوط ماحول پر تو روک لگا سکتے ہیں، جو بیشک لائق تعریف کام ہے، لیکن بغیر epistemologic تبدیلی کے مغرب کے عالمگیر تعلیمی و فکری نظام سے نجات حاصل نہیں کر سکتے جو آگے چل کر دجالی ذہن سازی کی راہ ہموار کر دیتا ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں ہندوستان میں قائم ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' جیسی کئی یونیورسٹیاں کہنے کو مسلم یونیورسٹیاں ہوں گی لیکن سر سید جیسے افراد، جو مکمل western epistemology کے دلدادہ تھے، ان کے تاثرات کی وجہ سے اس یونیورسٹی سے نکلنے والا بڑا طبقہ الحاد و زندقیت کی طرف مائل ہوا۔ جاوید اختر اور نصیر الدین شاہ جس کی کھلی مثال ہیں۔ وہ تو تبلیغی جماعت کی محنت تھی جس کی بنا پر یہ گمراہ کن سلسلہ قابو میں آیا ورنہ اس وقت نتائج باعتبار مستقبل تاریک نظر آ رہے تھے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی ﷫ کا قیامِ دار العلوم کا مقصد و منصوبہ وہ محض کوئی دینی ادارہ قائم کرنے کا منصوبہ نہیں تھا بلکہ وہ انگریز کے خلاف فکری و عسکری یلغار کا ایک پلیٹ فارم تھا، جہاں ۱۸۵۷ء کی جنگِ شاملی کی ظاہری ناکامی کی تلافی کے ساتھ انگریز کے مقابلے ایک Islamic epistemology کا حامل اور حافظ طبقہ تیار کیا جا رہا تھا جسے اس epistemology کو پھر سے چہار دانگ عالم میں عام کرنا تھا۔ لہٰذا دار العلوم دیوبند میں علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ زمانے کے لیے درکار عقلی علوم کا بھی شعبہ و نظام تھا۔

مارچ ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کی صدارت میں مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم کے مسئلہ کو طے کرنے کے لیے بنی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اراکین میں اختلاف رائے تھا، ایک فریق انگریزی زبان میں تعلیم دیے جانے کا مخالف تھا دوسرا حامی۔ دونوں فریق کے ووٹ برابر ہوئے تب لارڈ میکالے نے اپنا فیصلہ کن ووٹ انگریزی زبان کی تعلیم کی تائید میں دیا اور اس طرح انگریزی کے اجرا کا فیصلہ ہو گیا، اور لارڈ میکالے کا نظریہ تعلیم ملک پر تھوپ دیا گیا۔ اس تعلیمی پالیسی کے پس پردہ کیا مقاصد تھے؟ وہ لارڈ میکالے کی زبانی سنیے:

> ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔''

حضرات اکابرِ دیوبند نے لارڈ میکالے کے نظریۂ تعلیم کو ناکام بنانے اور اعلیٰ تعلیمی و تربیتی مقاصد کے لیے دار العلوم دیوبند قائم فرمایا، کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی، ایرانی، ترکستانی، افغانی وغیرہ ہوں لیکن ذہن و فکر اور دل و دماغ کے اعتبار سے حجازی اور محمدی ہوں۔

اور اس تعلیمی نظام کا اثر یہ تھا کہ جنرل سلیمان [۱۲] نے لکھا:

> ''سات سال کے درس یعنی درجۂ فضیلت کے ایک ہندوستانی طالب علم اپنے سر پر، جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوا ہوتا ہے، دستارِ فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بو علی سینا وغیرہ پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔''

الغرض، دجالی تعلیمی نظام کے مقابلے کے لیے وہ رنگ لے کر کھڑا ہونا ناگزیر ہے جس پر حضرت نانوتوی کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ہم زمانہ دیگر انقلابی علماء و ائمہ، جو در حقیقت Western paradigm کو ناکام کرنے کی فکری جدوجہد تھی، مغربی epistemology کے خلاف ایک چیلنج تھا۔

ان شاء اللہ آئندہ قسط میں اس Islamic epistemology کے حوالے سے ایک تبصرہ عرض کیا جائے گا۔

فاللهم وفق و یسر۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

---

[۱۲] برطانوی فوج کا ایک جنرل تھا جو لارڈ میکالے کی معاونت (assistance) کیا کرتا تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق یہ "General Solomon" کے نام سے جانا جاتا تھا، یعنی انگریز جرنیل تھا۔ لیکن چونکہ بہت مشہور نہیں ہو پایا اس لیے اس کا معتدبہ تعارف اتنا نہیں ملتا۔ (بحوالہ: ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

اسرائیل صومالی لینڈ تعلقات

شاہین صدیقی

۲۰۲۵ء کے اختتام پر دنیا میں خصوصاً مشرق وسطی میں حیران کن اور پریشان کن تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان میں ایک اہم اسرائیل کی طرف سے صومالی لینڈ کو باضابطہ تسلیم کرنا ہے۔ اسرائیل کی یہ حرکت پورے خطے کو بہت آسانی سے غیر مستحکم کر سکتی ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے صومالی لینڈ کی مختصر تاریخ اور جغرافیائی محل وقوع کو سمجھنا ضروری ہے۔

تعارف

صومالیہ افریقہ کے مشرقی حصے میں واقع ایک بڑا ملک ہے، چونکہ اس کی شکل ایک سینگ کی طرح ابھرتی ہے اسی لیے اسے قرن افریقہ (Horn of Africa) کہتے ہیں۔ صومالیہ کے دو طرف طویل ساحلی پٹی ہے، اس کے مشرق میں بحر ہند جبکہ شمال میں خلیج عدن ہے۔ صومالی لینڈ، صومالیہ کے مشرقی حصے پر واقع صومالیہ کے اندر ہی ایک خود مختار ریاست ہے، جس کے پاس صومالیہ کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ہے۔ ۱۹۹۱ء میں شمالی صومالیہ کے قبائلی عمائدین نے ایک بڑے اجتماع میں صومالی لینڈ کو ایک آزاد ریاست قرار دیا۔ اس کی اپنی خود مختار حکومت، فوج اور کرنسی ہے اور اس کا دار الحکومت ہرگیسا ہے اور یہاں کے سیاسی اور معاشی حالات باقی صومالیہ کی نسبت مستحکم ہیں۔ یہاں کی آبادی کی اکثریت سنی مسلم ہے۔ اب تک بین الاقوامی طور پر اور اقوام متحدہ کے نزدیک صومالی لینڈ کو صومالیہ کا ہی ایک حصہ تسلیم کیا گیا تھا، لیکن ۲۶ دسمبر ۲۰۲۵ء کو اسرائیل وہ پہلا ملک بنا جس نے صومالی لینڈ کے صدر عبد الرحمن محمد عبداللہ کے ساتھ ویڈیو کال پر مشترکہ اعلامیہ پر دستخط کیے اور صومالی لینڈ کو باضابطہ طور پر ایک آزاد اور خود مختار ریاست تسلیم کیا۔ جس کی خطے کے تمام ممالک نے پرزور مخالفت کی۔

اگرچہ یہ خبر مسلم ممالک خصوصاً مشرق وسطی کے لیے کافی حیران کن تھی، لیکن یہ سب کچھ اچانک نہیں ہو گیا بلکہ اس کے پیچھے پوری تاریخ ہے اور یہ بہت پرانے صہیونی ایجنڈے کا حصہ تھا۔

۱۹۹۵ء میں پہلی مرتبہ صومالی لینڈ کے صدر ابراہیم ایگال نے اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کو خط لکھا جس میں اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا، خاص طور پر ”علاقائی اسلام پسندی“ کے خلاف مشترکہ جدوجہد پر بات کی۔ اس کے علاوہ سن ۲۰۰۰ء سے ہی موساد صومالی لینڈ میں سرگرم رہا اور وہاں کے اعلیٰ سطح کے افسران سے خفیہ ملاقاتیں، طویل مدتی اور خفیہ تعلقات اور ذاتی روابط قائم کر کے تسلیم کرنے کی بنیاد رکھی۔

صومالی لینڈ کا محل وقوع اور جغرافیائی اہمیت:

صومالی لینڈ اور اسرائیل کے درمیان تعلقات کا قیام محض ممالک کا دو طرفہ معاملہ نہیں بلکہ اسے اسرائیل کی وسیع تر حکمتِ عملی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اس کی سب سے اہم وجہ صومالی لینڈ کا جغرافیائی محل وقوع ہے۔

صومالی لینڈ بحیرۂ احمر اور بحیرۂ عرب کے سنگم پر واقع ہے، صومالی لینڈ کی بربیرہ بندرگاہ باب المندب کے قریب ترین تجارتی و عسکری پوائنٹس میں شمار ہوتی ہے۔ باب المندب دنیا کے سب سے اہم بحری راستوں میں سے ایک ہے، جس میں افریقہ اور ایشیا کی دو براعظم مشترک ہیں۔ یہ بحیرۂ احمر کو بحیرۂ عرب، خلیج فارس اور قرن افریقہ سے جوڑتا ہے۔ یہ محض ایک آبنائے نہیں بلکہ ایشیا اور یورپ کے درمیان عالمی سپلائی چین اور نہر سوئز کی براہ راست اقتصادی شہ رگ ہے جس پر قبضہ جمانا کسی بھی طاقت کو غیر معمولی سیاسی، عسکری اور معاشی برتری دلا سکتا ہے۔

صومالی لینڈ کو تسلیم کرنے کے پس پردہ اسرائیلی عزائم

اسرائیل کے صومالی لینڈ کو تسلیم کرنے کے اقدام کو صومالیہ نے اپنی سالمیت پر حملہ قرار دیا۔ لیکن اسرائیل نے اسے ”ابراہیمی معاہدوں کی روح“ کے عین مطابق قرار دیا۔ جس طرح صہیونیوں نے سازشوں کے ذریعے پوری دنیا کے معاشی نظام کو جکڑا ہوا ہے، اب وہ پانیوں میں اہم اور سٹریٹجک مقامات پر قبضہ جمانا چاہ رہا ہے اور اسرائیل کی اس ایک حرکت نے اس کے سامنے مشرق وسطیٰ اور افریقہ پر اثر انداز ہونے کے نئے مواقع کھول دیے۔

صومالی لینڈ سے یمن کے درمیان فاصلہ صرف ۳۰۰ سے ۵۰۰ کلومیٹر کی دوری کا ہے۔ بربیرہ کی بندرگاہ پر اپنی بحری و فضائی بیس بنا کر حوثیوں کو نشانہ بنانا اسرائیل کے لیے آسان ہو جائے گا۔ پچھلے دو سال میں جو حوثیوں نے براہ راست نشانہ بنا کر اور اسرائیل کے تجارتی بحری جہازوں پر حملہ کر کے جس طرح اس کی ناک میں دم کیا اس طرح ان سے نبٹنا آسان ہو جائے گا۔

ایک اہم اور قابل توجہ امکان یہ بھی ہے، جس کا اسرائیل پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے نہ صرف ذکر کر رہا ہے بلکہ افریقہ کے مختلف علاقوں میں رابطے بھی کر رہا ہے، اور وہ ہے غزہ کے فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے جبری بے دخل کر کے کہیں اور آباد کرنا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی صومالی لینڈ کا نام سامنے آیا تھا اور ابھی بھی اس معاملے پر بات چیت جاری ہے۔ اور اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے صومالیہ کے صدر نے الجزیرہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

”صومالی انٹیلی جنس کے مطابق صومالی لینڈ نے اسرائیل کی تسلیم کے بدلے تین شرائط قبول کی ہیں: ا۔ فلسطینیوں کی دوبارہ آبادکاری، ۲۔ خلیج عدن کے ساحل پر اسرائیلی فوجی اڈے قائم کرنا اور ۳۔ ابراہیمی معاہدوں میں شمولیت۔ اسرائیل فلسطینیوں کو زبردستی صومالیہ منتقل کرنے کی کوشش کرے گا، اسرائیل اپنا مسئلہ (غزہ اور فلسطین) صومالیہ میں ایکسپورٹ کر رہا ہے۔ صومالیہ کے پاس ایسی معلومات ہیں کہ صومالی لینڈ میں اسرائیل کی پہلے سے ایک حد تک موجودگی ہے، اور یہ تسلیم کرنا صرف ان امور کو نارملائز کرنے کا ایک طریقہ ہے جو خفیہ طور پر پہلے سے ہو رہے تھے۔...... اسرائیل تجارتی اور معاشی اہمیت کے اہم سمندروں کو جوڑنے والے اسٹریٹجک پانیوں پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی بحیرۂ احمر، خلیج اور خلیج عدن۔“

باب المندب تک رسائی کے ذریعے اسرائیل نہ صرف اپنے تجارتی روٹ کو محفوظ بنائے گا بلکہ یہاں سے گزرنے والی تمام تجارت پر نہ صرف نظر رکھ سکتا ہے بلکہ جب چاہے اثر انداز بھی ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کی عسکری و ٹیکنالوجیکل موجودگی و برتری کی وجہ سے نہ صرف خطے میں طاقت کا توازن متاثر ہو گا بلکہ افریقہ و مشرق وسطیٰ کے ممالک خصوصاً یمن و سعودی عرب براہ راست نشانہ پر ہوں گے اور اپنے جدید ترین ڈرونز کے ذریعے ان ممالک کی جاسوسی اور بوقت ضرورت عسکری حملے آسان ہو جائیں گے۔

متحدہ عرب امارات کا کردار

متحدہ عرب امارات کے چہرے سے جوں جوں نقاب کھسک رہا ہے، اندر سے ایک بھیانک اور کریہہ صہیونی پالتو غلام کی شکل سامنے آ رہی ہے۔ اسرائیل اور متحدہ عرب امارات مل کر صہیونی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ اس بات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جس صومالی لینڈ سے اسرائیل نے حال ہی میں سفارتی تعلقات استوار کیے ہیں، وہاں متحدہ عرب امارات نے ۲۰۱۷ء میں بربیرہ ائر بیس کی تعمیر شروع کر دی تھی اور ۲۵ سال کے لیے اس بندرگاہ و ائیر بیس تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ متحدہ عرب امارات بربیرا بندرگاہ، سڑک کے بنیادی ڈھانچے، ہرگیسا ہوائی اڈے کو اپ گریڈ کرنے کے پراجیکٹس پر کام کر رہا ہے اور صومالی لینڈ کی بربیرہ بندرگاہ سے ایتھوپیا تک ریل روڈ بنانے پر بھی کام کر رہا ہے۔ اس وقت صومالی لینڈ کی مستحکم معیشت کے پیچھے بھی متحدہ عرب امارات کا ہاتھ ہے۔ یہ شراکت داری وسیع تر جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔

سوڈان میں جو طاقت (RSF) مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے اور وہاں کے وسائل کو لوٹ رہی ہے وہ بھی متحدہ امارات کی ہی پراکسی ہے۔

یمن میں متحدہ عرب امارات کی پراکسی، سدرن ٹرانزیشنل کونسل (STC)، مجاہدینِ انصار الشریعہ اور حوثی ملیشیا کے خلاف ساحلی علاقوں اور سعودی عرب سے ملحقہ علاقوں میں اپنا کنٹرول قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جس کے نتیجے میں بن سلمان کے بن زید سے اختلافات شدید بڑھ گئے۔ ایسی رپورٹس بھی سامنے آ رہی ہیں کہ STC کے جنگجوؤں کو اسرائیل نے تربیت دی تھی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسرائیل اور متحدہ عرب امارات مل کر صہیونی ایجنڈے کے مطابق پورے خطے کے حالات اور جغرافیہ تبدیل کرنے کے مشن پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صومالیہ نے متحدہ عرب امارات سے اپنے تمام تعلقات و معاہدے ملتوی کر دیے ہیں۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور سلامتی کونسل میں بھی متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کی مذمت کرنے سے انکار کر دیا۔

مذمتی قراردادیں اور امریکہ کا ’ٹرمپانہ‘ ردعمل

اسرائیل کے اس اقدام سے مسلم ممالک اور افریقن یونین میں تشویش پیدا ہوئی اور تمام ممالک نے اسرائیل کے اس اقدام کی مذمت کی۔ او آئی سی کی ہنگامی میٹنگ بلائی گئی، عرب لیگ کا اجلاس ہوا، اور سب نے مل بیٹھ کر اس کے خلاف عملی اقدامات کرنے کے بجائے کھوکھلی قراردادیں پاس کیں جس کی متحدہ عرب امارات نے مذمت کی اور اسرائیل کا ساتھ دیا۔ پھر صومالیہ کی درخواست پر سلامتی کونسل کا اجلاس بلایا گیا، جس میں صومالیہ نے یہ مؤقف اپنایا کہ صومالی لینڈ کو آزاد ریاست تسلیم کرنا صومالیہ کی علاقائی وحدت پر حملہ ہے اور بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ صومالی لینڈ قانونی طور پر کسی دوسرے ملک کے ساتھ معاہدہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

سلامتی کونسل کے اس اجلاس میں امریکہ نے اسرائیل کا ساتھ دینے کے لیے اس قدر مضحکہ خیز مؤقف اپنایا جس کی امید ٹرمپ سے ہی کی جا سکتی ہے۔ اجلاس میں موجود امریکی نمائندے نے کہا کہ اسرائیل کو کسی بھی ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا پورا حق ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہرزہ سرائی کی کہ سال کے شروع میں کچھ ممالک نے تو ایک ایسی فلسطینی ریاست کے وجود کو تسلیم کیا تھا جس کا کوئی وجود ہی نہیں، تب تو کوئی ایمرجنسی میٹنگ نہیں بلائی گئی۔ اس نے اسے کونسل کا ”دوہرا معیار“ قرار دیا۔

اس طرح کے لایعنی جھوٹ بول کر امریکہ فلسطین کی تاریخ بدل دینا چاہتا ہے۔ یہ مؤقف وہاں موجود عرب و مسلمان ممالک کے منہ پر ایک طمانچہ سے کم نہیں جو اس پر واضح اور دو ٹوک جواب نہ دے سکے۔ ان دو معاملات کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں، فلسطین صدیوں سے فلسطینیوں کا تھا جس پر یہودیوں نے قبضہ جمالیا جبکہ صومالی لینڈ خود مختار صومالیہ کا ہی حصہ تھا جس نے الگ ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کیا، حالانکہ کسی ملک نے اب تک اسے علیحدہ ریاست تسلیم ہی نہ کیا تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۸ پر)

عالمی منظر نامہ

یورپی شہریوں کا بوسنیا کی جنگ میں 'سنائپر سفاری' کا خونی کھیل

خباب ابن سہیل

الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اٹلی کے پبلک پراسیکیوٹر کے دفتر نے ان دعوؤں کی تحقیقات کا آغاز کیا ہے کہ اطالویوں نے بوسنیا پر سرب جنگ کے دوران "سنائپر سفاریز" کے خونی کھیل کے لیے سرائیوو کا سفر کیا تاکہ شہر پر سرب فوج کے محاصرے کے دوران شہریوں پر سنائپر سے گولیاں چلانے کا شوق پورا کر سکیں۔ مبینہ "سنائپر سفاری" اس وقت کا واقعہ ہے جب سرب فورس نے شہر کا محاصرہ کیا جو جدید یورپی تاریخ میں کسی شہر کا طویل ترین محاصرہ بن گیا۔ اطالوی میڈیا کے مطابق، تفتیش کاروں کو امید ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا سراغ لگائیں گے جنہوں نے مبینہ "سفاری" میں حصہ لیا تھا۔ پانچ مردوں کی پہلے ہی شناخت ہو چکی ہے۔ صحافی اور ناول نگار ایزیو گاوازینی (Ezio Gavazzeni)، جنہوں نے اپنے تمام ثبوت استغاثہ کے حوالے کر دیے ہیں، نے منگل کے روز اطالوی نیوز آؤٹ لیٹ لاری پبلیکا (La Republica) کو بتایا کہ ان کا کیس "معاشرے کے اس حصے کو بے نقاب کرتا ہے جو قالین کے نیچے اپنی سچائی کو چھپاتا ہے"۔

انہوں نے مزید کہا کہ "چونکہ ہم ایسے امیر افراد کی بات کر رہے ہیں جو اپنی ایک ساکھ رکھتے ہیں، کاروباری افراد، جنہوں نے سرائیوو کے محاصرے کے دوران نہتے شہریوں کو نشانہ بنانے کے لیے رقوم ادا کیں"۔

۱۹۹۲ اور ۱۹۹۶ کے درمیان، اطالوی شہری اور دیگر جو بنیادی طور پر اسلحے کے شوقین تھے، جمعہ کے روز ہفتہ وار چھٹی کے دنوں میں "شکار" کھیلنے کے لیے سابق یوگوسلاویہ کی سرحد پر شمال مغربی اٹلی کے علاقے ٹریسٹی (Trieste) میں جمع ہوتے تھے۔ یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ مبینہ گروپوں کو لے جانے کے لیے دوروں کا اہتمام کس نے کیا تھا۔ اس کے بعد شرکاء کو مبینہ طور پر یوگوسلاو/سربیائی ایویوجینیکس ایئر لائن (Aviogenex Airline) کے ذریعے سرائیوو کے گرد موجود پہاڑیوں پر لے جایا جاتا، جہاں وہ صدر راڈووان کاراڈزک (Radovan Karadzic) کی وفادار بوسنیائی سرب ملیشیا کو ادائیگی کرتے، صدر راڈووان کاراڈزک کو بین الاقوامی فوجداری ٹربیونل برائے سابق یوگوسلاویہ کی طرف سے نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کا مرتکب ٹھہرایا گیا تھا اور ۲۰۱۶ء میں عمر قید کی سزا سنائی تھی۔ لاری پبلیکا (La Republica) کے مطابق، ان "سیاحوں" نے ایک لاکھ یورو (ایک لاکھ سولہ ہزار امریکی ڈالر) کے برابر تک کی ادائیگی کی، تاکہ قتل کے ارتکاب کے لیے سرائیوو کے دوروں میں شامل ہوں۔ گاوازینی (Gavazzeni) کا دعویٰ ہے کہ شرکاء کو قتل کی قسم کے لیے قیمت کی فہرست دی جاتی کہ وہ کس کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں، سب سے زیادہ قیمت بچوں کے قتل کی تھی، اس کے بعد پھر مرد، خواتین اور بوڑھے، جنہیں مفت میں بھی مارا جا سکتا تھا۔

تفتیش کاروں کا خیال ہے کہ سربیا کی انٹیلی جنس سروسز کو سیاحوں کے ان سنائپر سفاری دوروں کا علم تھا۔

میلان میں بوسنیا کے قونصل ڈاگ ڈمروکچ (Dag Dumrukcic) نے منگل کو لاری پبلیکا کو بتایا کہ ان کی حکومت تحقیقات میں مکمل تعاون کر رہی ہے۔ ہم اس طرح کے ظالمانہ معاملے کی حقیقت سے پردہ اٹھانے اور احتساب کے لیے بے تاب ہیں۔ میرے پاس کچھ معلومات ہیں جو میں تفتیش کاروں کو دے دوں گا۔

۴۲ سالہ ڈزیمل ہوڈزک (Dzemil Hodzic) جو ۱۹۹۰ء کی دہائی میں سرائیوو میں پلے بڑھے اور محاصرہ شروع ہونے کے وقت نو سال کے تھے، Sniper Alley Photo Project کے بانی ہیں، اس پروجیکٹ کے تحت محاصرے کے دوران لی گئی تصاویر محفوظ کی گئی ہیں۔ اس نے الجزیرہ کو بتایا کہ یہ نتائج ان کے لیے حیران کن نہیں تھے، کیونکہ اس وقت سرائیوو میں ویک اینڈ ہمیشہ "خاص طور پر خطرناک" ہوتے تھے۔ ہوڈزک نے کہا کہ ہمیشہ اس بارے میں معلومات گردش کرتی رہتی تھیں کہ باہر سے لوگ ہم پر گولی چلانے کے لیے آرہے ہیں۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے، لیکن بدقسمتی سے، اس کا کوئی مطلب نہیں جب قاتل اور سنائپرز جو چار سال سے ہم پر گولی چلاتے رہے، فرار ہو گئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بوسنیائی پراسیکیوٹر کا دفتر اس کے بارے میں کچھ نہیں کر رہا ہے۔ میں صرف امید کرتا ہوں کہ اٹلی کا یہ کیس ہمارے میڈیا سے غائب نہیں ہو گا اور ہمیں حقیقت میں کچھ مثبت نتائج حاصل ہوں گے۔ میرے بھائی کو ایک سرب سنائپر نے اس وقت مار دیا جب وہ ہمارے پڑوس میں ٹینس کھیل رہا تھا۔ ہمیں کبھی پتہ نہیں لگ سکے گا کہ کیا یہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے ایسا کرنے کے لیے ادائیگی کی تھی یا نہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ متعدد ممالک کے شہریوں نے سنائپر سفاری کے اس خونیں کھیل میں شرکت کی۔ ۲۰۲۲ء میں، بوسنیائی فلم ڈائریکٹر میران زوپانک (Miran Zupanic) کی دستاویزی فلم، سرائیوو سفاری، نے ان دولت مند غیر ملکیوں کی چھان بین کی جنہوں نے حصہ لیا تھا، جن میں سے کچھ امریکہ اور روس سے تھے۔ ایک قابل ذکر مثال روسی قوم پرست مصنف اور سیاست دان ایڈورڈ لیمونوف (Eduard Limonov) کی تھی، جسے ۱۹۹۲ میں پاول پاولیکووسکی (Pawel Pawlikowski) کی بوسنیائی جنگ پر ایک دستاویزی فلم کے دوران فلمایا گیا تھا، جب وہ ذاتی طور پر کاراڈزیک (Karadzic) کے ساتھ سرائیوو شہر کی طرف مشین گن سے شوٹنگ کر رہا تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۳ پر)

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

انڈیا: حجاب کھینچنے کا واقعہ

انڈیا میں مسلمان آبادی کے خلاف نفرت انگیز، تشدد اور ناروا سلوک یوں تو مسلسل جاری ہے جو اکثر اوقات میڈیا میں سامنے نہیں آتا۔ لیکن حال ہی میں ایک مسلمان خاتون کے ساتھ ہونے والی توہین اور ان کے حجاب کی بے حرمتی پر غیرت مند مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس قدر گری ہوئی حرکت کسی عام شہری نے نہیں بلکہ بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے ایک سرکاری تقریب میں ڈاکٹروں کی تقرری کے موقع پر کی۔ جب ایک خاتون ڈاکٹر جو اپنی تقرری کی سند لینے اسٹیج پر آئیں تو نتیش کمار نے ان کے چہرے سے نقاب کھینچا اور ساتھ موجود دیگر لوگ ہنستے رہے۔ اس واقعے نے حکومت میں موجود ہندُتوا ذہنیت کو اچھی طرح واضح کر دیا۔ ایک اعلیٰ عہدے دار نے بھری محفل میں مسلمان خاتون کی عزت و عصمت کا پاس نہیں رکھا اور محفل میں موجود لوگوں میں سے کسی میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ اٹھ کر اس حرکت کے خلاف کچھ بولتا تو آپ اندازہ لگالیں کہ بھگوا غنڈے جو مسلمانوں کی بستیوں میں دندناتے پھرتے ہیں وہ کیا کرتے ہوں گے۔ ایسے ہی ان گنت واقعات آئے روز مسلمانوں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں، اور بھگوا غنڈے بڑے فخر سے مسلمانوں کے خلاف ہر حرکت کی وڈیو بنا کر عام کرتے ہیں۔

مسلمان عورت کی عزت و عصمت کس قدر مسلمانوں کے لیے مقدم ہے اس بات کا اندازہ مسلمانوں کی تاریخ سے لگالیں۔ مدینہ میں یہود کی جانب سے ایک مسلمان صحابیہ کے ساتھ ناروا سلوک سے لے کر معتصم باللہ اور محمد بن قاسم تک جس نے ایسی ناپاک جرأت کی ہے اس کا انجام تاریخ میں ثبت ہو گیا۔ لیکن اس تقریب میں موجود لوگوں کے ایک ہجوم میں سے کسی کو اس واقعے پر غیرت نہ آئی کہ اسی وقت اٹھ کر ایسی نازیبا حرکت کے خلاف آواز اٹھاتا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہفتہ دس دن میڈیا، سوشل میڈیا پر اور احتجاجوں کی صورت میں اس واقعے پر آواز اٹھائی گئی، نتیش کمار سے معافی اور استعفے کا مطالبہ بھی کیا گیا، لیکن اس کے بعد یہ واقعہ نظروں سے ہی اوجھل ہو گیا۔

اس واقعہ پر پاکستانی میڈیا پر بھی کافی کچھ لکھا گیا اور بہت سے آن لائن پوڈکاسٹ میں اس کی مذمت کی، خود انڈیا میں بھی اس واقعے کے خلاف مسلمانوں نے احتجاج کیا اور نتیش کمار سے استعفے کا مطالبہ کیا لیکن ہم یہاں صرف ہندوستانی اخبارات کی تحریر کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں:

حجاب کا مسئلہ نہیں اقتدار کی بے لگامی کا سوال | جاوید جمال الدین

”یہ واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جب گزشتہ ایک دہائی کے دوران ملک میں مسلم خواتین کے حجاب کو سیاسی ہتھیار بنایا گیا ہے۔ کہیں تعلیمی اداروں میں پابندیاں، کہیں عوامی مقامات پر تضحیک اور کہیں انتخابی سیاست میں مذہبی شناخت کو نشانہ بنایا جاتا ہے، یہ سب سی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ بہار کا واقعہ اس رجحان کو مزید مضبوط کرتا ہے کہ اب مذہبی اقلیتوں، خصوصاً مسلم خواتین کے وقار کو آزمائش میں ڈالنا معمول بنتا جارہا ہے۔

...... آخر میں سوال یہی ہے کہ کیا یہ واقعہ بھی دیگر تنازعات کی طرح وقت کی گرد میں دب جائے گا، یا پھر واقعی کوئی اخلاقی اور سیاسی احتساب ہو گا؟ جمہوریت صرف انتخابات کا نام نہیں بلکہ یہ طاقت کے استعمال پر اخلاقی قدغن کا نظام بھی ہے۔ اگر اخلاق کے اعلیٰ ترین منصب پر بیٹھا شخص ہی اس حد کو پامال کرے تو پھر عام شہری سے قانون اور شائستگی کی توقع کھوکھلی لگنے لگتی ہے۔

یہ معاملہ حجاب کا نہیں بلکہ احترام، مساوات اور آئینی اقتدار کا ہے۔ اور جب تک ہم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے، ایسے واقعات بار بار ہمارے سماج کا چہرہ مسخ کرتے رہیں گے۔“

[اردو ٹائمز]

دشمن کے ارادوں کو ظاہر ہے اگر کرنا | رشید الدین

”آزادی کے بعد سے آج تک تاریخ گواہ ہے، جارحانہ فرقہ پرستوں نے بھی حجاب کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کی، لیکن سیکولرازم اور مسلم دوستی کی آڑ میں نتیش کمار نے اپنی مخفی ذہنی خباثت کو برسرِ عام کر دیا۔ حجاب کی توہین پر مسلم سماج کی جانب سے جس قدر احتجاج ہونا تھا، نہیں ہوا۔ صرف رسمی انداز میں مذمتی بیانات پر مذہبی، سیاسی اور سماجی قائدین نے اکتفا کیا۔ لیڈی ڈاکٹر نصرت جہان نے اسلامی حمیت اور غیرت اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملازمت کو ٹھکرا دیا ہے۔

"...... تنتیش کمار کی بیہودہ حرکت ہو یا پھر مسلمانوں کے خلاف ماب لنچنگ کے واقعات، یہ تمام مسلمانوں کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ جب تک مسلمان کمزور رہیں گے اور مرعوب اور ذہنی غلامی کے ساتھ جینا چاہیں گے، اس وقت تک ہر طاقتور ان پر حملہ آور ہو گا۔ دنیا میں اصل جنگ دولت کی نہیں بلکہ فکری برتری کی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو خود کو مضبوط بناتے ہوئے ظالم سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرنی ہو گی۔"

[روزنامہ سیاست]

سوڈان کا بحران

سوڈان مسلم اکثریتی ملک جو کہ جغرافیائی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے، قدرتی وسائل (تیل اور سونے کے ذخائر) سے مالہ مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کی تاریخ بیرونی طاقتوں کی طرف سے کیے گئے استحصال سے بھری پڑی ہے، جنہوں نے وہاں کے وسائل پر قبضہ کے لیے وہاں کے لوگوں کو خود مختاری اور ترقی سے دور رکھا۔

پچھلے دو سال سے جاری خانہ جنگی نے عوام الناس کو جس ظلم و بربریت، بھوک و افلاس، قتل عام اور دربدری سے دوچار کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ دو کروڑ دس لاکھ افراد شدید بھوک اور غذائی قلت کا شکار ہیں جبکہ ایک کروڑ چالیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ سوڈان کی صورتحال اگرچہ تفصیل طلب اور پیچیدہ ہے۔ لیکن ہم یہاں مختصراً موجودہ صورتحال کا احاطہ کر رہے ہیں۔

- ۲۰۱۹ء میں سوڈان کے صدر عمر البشیر کا تیس سالہ طویل دورِ اقتدار احتجاج اور فوجی بغاوت کے بعد اختتام کو پہنچا۔ عمر البشیر نے سوڈان میں سوڈانی فوج (SAF) کے متوازی ایک اور مسلح ملیشیا جنجاوید بنائی، جس کا مقصد دارفور میں غیر عرب افریقی بغاوت کو کچلنا تھا۔ اس ملیشیا نے تین لاکھ لوگوں کا قتلِ عام کیا، جو بعد میں ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کہلائی۔ سوڈانی فوج (SAF) اور ریپڈ سپورٹ فورس (RSF) حکومت کے ساتھ متوازی چلتی رہیں۔
- عمر البشیر کے جانے کے بعد جو حکومت بنی، فوج (SAF) اور آر ایس ایف (RSF) نے اکتوبر ۲۰۲۱ء میں اس کا تختہ بھی الٹ دیا۔ ۲۰۲۳ء تک ان دونوں گروہوں کے سربراہان (سوڈانی فوج کے جنرل عبد الفتاح البرہان اور آر ایس ایف کے سربراہ جنرل محمد حمدان ہمیدتی) میں طاقت کے حصول کے لیے اختلافات بڑھ گئے اور ان دونوں مسلح گروہوں میں اقتدار پر قبضہ کے لیے آپس میں جنگ شروع ہو گئی۔
- اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سوڈان کے شمال اور مشرقی علاقوں بشمول خرطوم سمیت تقریباً ۶۰ فیصد علاقے پر سوڈانی فوج کے سربراہ جنرل برہان کا قبضہ ہے۔ جبکہ مغربی سوڈان جس میں پورا دارفور اور کوردوفان کا کچھ علاقہ شامل ہے وہ آر ایس ایف کے قبضے میں ہے۔ جبکہ آر ایس ایف مزید سوڈان پر قبضے کے لیے پیشرفت کر رہی ہے۔
- یہ دونوں گروہ دوسرے گروہ کے زیرِ قبضہ علاقوں میں مسلسل پیشرفت کر رہے ہیں اور جہاں داخل ہوتے ہیں ظلم و بربریت کی داستان رقم کر دیتے ہیں۔ خصوصاً آر ایس ایف جس علاقے میں داخل ہوتی ہے تو وہاں سب سے پہلے قتل عام اور خواتین کی کھلے عام آبروریزی کرتی ہے۔ وہاں پانی، بجلی اور ضروریاتِ زندگی پر پابندی لگاتی ہے۔ جس کی بدولت وہاں موجود لوگ خوراک تک رسائی نہ ہونے کے سبب بھوک سے مر رہے ہیں، یا اپنی جانیں بچا کر دوسرے علاقوں میں پناہ لے رہے ہیں۔
- اقتدار اور طاقت کی اس جنگ کے پیچھے بیرونی طاقتیں ہیں جن کا ایک اہم رول ہے۔ آر ایس ایف کے زیرِ قبضہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر سونے کے اور تیل کے ذخائر ہیں۔ سونے کی بین الاقوامی سمگلنگ کے بدلے انہیں جدید ترین ہتھیار فراہم کیے جاتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے متحدہ عرب امارات ہے جو یہ کام کر رہی ہے۔
- سوڈانی فوج (SAF) کو اسلحہ اور لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے والے ممالک میں بڑے ممالک میں مصر، ایران، روس، ترکی اور سعودی عرب ہیں۔

ان دونوں بڑے گروہوں میں سے کوئی نہیں جو لوگوں کی بھلائی کا سوچ رہا ہے، اس کا حل جو اقوام متحدہ میں پیش کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ آر ایس ایف کو غیر مسلح کیا جائے اور ایک عوامی حکومت تشکیل دی جائے۔ لیکن خطے کے وہ ممالک جو اس ساری جنگ میں اپنے مفادات حاصل کر رہے ہیں کیا وہ ایسا ہونے دیں گے؟ اس سرمایہ دارانہ نظام مین کون اپنے مفادات لوگوں کی بھلائی کے لیے داو پر لگائے گا؟

Sudan's war is a business model of violence| Muhammad Shahzaib Hassan

"آر ایس ایف محض ایک نیم فوجی تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ وسیع تجارتی اثر و رسوخ رکھنے والا ایک معاشی کردار بھی ہے۔ جنجاوید ملیشیاز سے تبدیلی کے بعد، آر ایس ایف اور اس کی قیادت نے سونے کے شعبے اور دیگر منافع بخش کاروباروں کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا ہے۔ آزادانہ تحقیقات کے مطابق ۲۰۲۴ء میں آر ایس ایف کے زیرِ کنٹرول سونے کی پیداوار تقریباً دس ٹن تک پہنچ چکی تھی، جو ایک ایسی غیر معمولی آمدنی ہے جس نے جنگجوؤں کی مالی معاونت کی، اسلحے کی خریداری ممکن بنائی، اور تنازع کو مذاکراتی تصفیے کی طرف لے جانے کے بجائے اسے جاری رکھنے کا ایک سٹرکچرل انگیزہ پیدا کیا۔

بیرونی سرپرستی نے مقامی محرکات کو مزید تقویت دی اور انہیں بین الاقوامی شکل دی ہے۔ قابلِ اعتماد رپورٹس اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے آر ایس ایف کے اسلحہ خانے میں چین میں تیار شدہ جدید ہتھیاروں

اور جدید ڈرونز کا سراغ لگایا ہے، جبکہ متعدد تحقیقات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ ہتھیار خلیجی ثالثوں کے ذریعے دوبارہ برآمد کیے گئے۔ یہ اسلحہ جاتی رسد محض اتفاقی عیاشی نہیں ہے، یہ میدانِ جنگ کے حساب کتاب کو بدل دیتی ہے، شہری انفراسٹرکچر پر حملوں کی اجازت دیتی ہے، اور ان عناصر کو مضبوط کرتی ہے جو مسلسل عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

انسانی قیمت بہت بھاری رہی ہے اور مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ اس تنازع نے دسیوں ہزار جانیں لے لی ہیں اور لاکھوں افراد کو بے گھر کر دیا ہے۔ حالیہ رپورٹس کے مطابق بے گھر افراد کی تعداد ایک کروڑ سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے، جس سے یہ بحران دنیا کے سب سے بڑے اندرونی نقل مکانی کے بحرانوں میں شامل ہو گیا ہے۔ اسی دوران عالمی ادارۂ صحت نے صحت کی سہولیات اور طبی عملے پر بار بار حملوں کی تصدیق کی ہے، جس سے زخمیوں کے علاج اور شہریوں کے تحفظ کی صلاحیت مزید کمزور ہو گئی ہے۔

......سوڈان کا موجودہ المیہ تاریخ کا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے، یہ ایسے نظام کا قابلِ پیش گوئی نتیجہ ہے جو تشدد کو منافع بخش بنا دیتا ہے۔ اگر بین الاقوامی برادری واقعی مزید قتلِ عام کو روکنے میں سنجیدہ ہے تو اسے سفارتی بیانات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ پیسے اور اسلحے کے بہاؤ کا بھی اتنی ہی باریکی سے تعاقب کرنا ہو گا۔ صرف اسی صورت میں، جب جنگ کو غیر منافع بخش بنایا جائے گا، امن کے لیے محرکات ابھرنا شروع ہوں گے۔ اب ہی عمل کا وقت ہے۔"

[Middle East Monitor]

غزہ: جنگ بندی کا سراب

دو سال جاری فلسطینیوں کی مسلسل نسل کشی کے بعد جبکہ غزہ کے لوگوں کو امید کی ایک کرن نظر آئی کہ ان کی زندگیاں اب پر امن او آسان ہونے لگی ہیں، تو معلوم ہوا کہ جنگ بندی کا اعلان محض ایک دکھاوا اور سراب نکلا۔ اس جنگ بندی نے امریکہ اور اس کی ناجائز اولاد اسرائیل کو ہر زاویہ سے فائدہ پہنچایا جبکہ فلسطینیوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا۔ جنگ اب بھی جاری ہے بس انداز بدل گیا ہے۔ صہیونی ناپاک فوجیں اب بھی ہر روز غزہ کے لوگوں کو شہید کر رہی ہے، جس کے نتیجے میں جنگ بندی شروع ہونے سے اب تک ۴۱۴ لوگ شہید اور ایک ہزار ایک سو بیالیس لوگ زخمی ہو گئے۔ یہ تو سرکاری اعداد و شمار ہیں ورنہ اگر ان میں سردی سے شہید ہونے والے اور طوفانی ہواؤں سے ملبہ تلے دب کر شہید ہو جانے والے لوگوں کی تعداد بھی شامل کی جائے تو یہ تعداد دوگنی ہو جائے۔ جبکہ پچھلے دو سال میں لاکھوں شہداء اور زخمیوں کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں؟ ٹرمپ کے ۲۱ نکاتی معاہدے کے تحت یہ بھی طے تھا کہ غزہ کے لوگوں کو امداد کی مکمل فراہمی کے لیے ۶۰۰ ٹرک یومیہ غزہ میں داخل ہوں گے، جبکہ اسرائیل صرف ۱۷۰ ٹرک داخل ہونے دیتا ہے۔ جن میں بنیادی طاقت اور توانائی والی غذائیں مثلاً گوشت، انڈے، دودھ اور اس سے بنی اشیاء اور سبزیوں وغیرہ کے داخلے پر پابندی ہے اور چپس، چاکلیٹیں اور سافٹ ڈرنکس اور ہائی کاربوہائیڈریٹس اور چکنائی والی غذائیں داخل ہو رہی ہیں جبکہ پورٹ ایبل گھر، زندگی بچانے والی دوائیں اور بنیادی انسانی ضروریات کی اشیاء بھی روک رہا ہے۔ لیکن "انسانی حقوق کے چیمپین" تو ایسے موقعوں پر اندھے ہو جاتے ہیں۔

بے سروسامانی اور کپڑے کے بنے خیموں میں سخت سردی طوفان اور بارشوں نے غزہ کے لوگوں کو جس تکلیف، کوب اور آزمائش میں مبتلا کیا ہے، ہم اپنے گرم گھروں میں بیٹھ کر وہاں سے آنے والی ویڈیوز دیکھ کر بھی تصور نہیں کر سکتے۔ الغرض غزہ کے لوگ جس کسمپرسی میں جی رہے ہیں ایک تحریر ان پر گزرنے والی تکلیف کا معمولی سا احاطہ بھی نہیں کر سکتی، نہ ہی لکھے جانے والے الفاظ ان کے احساسات کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ جنگ بندی کی پابندی صرف فلسطینیوں کے لیے ہے جبکہ اسرائیل ہر روز جنگ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فلسطینیوں کو نشانہ بناتا ہے۔ مڈل ایسٹ مانیٹر میں ایک لکھاری لکھتے ہیں:

Ceasefire is "holding": So long as only non-Israeli-Jews are murdered | Jamal Kanj

"اسرائیل کے لیے جنگ بندی کوئی پابند ذمہ داری نہیں بلکہ حکمت عملی کے تحت ایک عارضی وقفہ ہے۔ یہ فلسطینی مزاحمت کو محدود کرتا ہے، جبکہ اسرائیل کو بلا خوفِ مواخذہ اس کی خلاف ورزی کی اجازت دیتا ہے۔ یہ عالمی غم وغصے کو وقتی طور پر کم کرنے، تنقید سے توجہ ہٹانے، اور عرب ثالثوں کو عزتِ نفس بچانے کا موقع دینے کا ذریعہ بنتا ہے، جبکہ اسرائیل کی جنگ بلا تعطل جاری رہتی ہے۔ عرب ثالث، واشنگٹن کو خوش کرنے کے خواہاں اور اسرائیل کا سامنا کرنے سے گریزاں، ایک مؤثر جنگ بندی کے فریب کو برقرار رکھتے ہیں، جبکہ روزمرہ کے فلسطینی جنازوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

سفارت کاری ایک تماشہ بن چکی ہے، اور فلسطینی روزانہ ہونے والی لائیو پرفارمنس میں شکار ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ جنگ بندی کی ناکامی ہے بلکہ یہ تو اس کے اصل مقصد کی تکمیل ہے۔ اسے اسی لیے وضع کیا گیا تھا کہ فلسطینیوں کی تکالیف کو ریڈار سے اوجھل رکھا جائے اور اسرائیلی خلاف ورزیوں کو "چھوٹی جھڑپیں" قرار دے کر ان کی سفید پوشی کی جائے۔

'سب سے پہلے اسرائیل' کے خول میں قید ڈانلڈ ٹرمپ نے جنگ بندی کے لیے دباؤ غزہ میں بھوک ختم کرنے کے لیے نہیں ڈالا۔ اس کے برعکس، یہ ایک سیاسی سہارا تھا جس کا مقصد اسرائیل کو بڑھتی ہوئی تنہائی سے نکالنا تھا۔ اس کا مقصد نسل کشی کو روکنا نہیں تھا، بلکہ اسرائیل کو یورپ کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے بچانا اور یورپی یونین کو اسرائیل کے خلاف پابندیوں کی طرف بڑھنے سے روکنا تھا۔

ایسی جنگ بندی جو اسرائیل کو خاموشی سے قتل کی اجازت دے، جنگ بندی نہیں، یہ فریب دینے کا ایک آلہ ہے۔ یہ عالمی طاقتوں کے ذریعے نارملائز کر دیا گیا ایک منظم نسلی امتیاز پر مبنی قتل کا میدان ہے۔ ٹرمپ کے 'سب سے پہلے اسرائیل' کے خول کے لیے، جنگ بندی اس وقت تک 'برقرار' سمجھی جاتی ہے جب تک صرف غیر اسرائیلی یہودی قتل کیے جاتے رہیں۔''

[Middle East Monitor]

جنگ بندی نے ایک طرف اسرائیل کو موقع دیا ہے کہ فیز-۱ (Phase 1) کے تحت اس کی فوجیں پیلی لکیر سے باہر کا علاقہ کنٹرول کریں گی، جو کہ غزہ کا ۵۸ فیصد بنتا ہے، جبکہ غزہ کی تمام آبادی کو ۴۲ فیصد رقبے میں محصور کر دیا گیا ہے جو تباہی اور ملبے سے بھرا ہوا ہے۔ اس طرح غزہ کے تمام بارڈر کا کنٹرول بھی اسرائیل کے پاس رہے گا۔ اسرائیلی وزیر دفاع کاٹز نے بھی واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اسرائیل یہ علاقہ نہیں چھوڑے گا۔ اور دوسری طرف جنگ بندی کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ غزہ کی خبروں سے عالمی میڈیا کا فوکس ہٹ گیا۔ اس طرح غزہ میں جو ظلم جاری ہے وہ پس منظر میں چلا گیا۔ غزہ کی ایک لکھاری الجزیرہ پر لکھتی ہیں:

The ceasefire did what it was meant to do – make Gaza invisible | Eman Abu Zayed

''......جنگ بندی کا اصل مقصد نہ تو تشدد یا اموات کو روکنا تھا، نہ لوگوں کا تحفظ کرنا، اور نہ ہی خونریزی اور نسل کشی کو محدود کرنا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ دنیا غزہ کے بارے میں بات کرنا بند کر دے، وہاں کیے جانے والے جرائم کے بارے میں، اور لوگوں کے روزمرہ کے درد و الم کے بارے میں۔

اب غزہ بڑی حد تک نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے، کیونکہ دوسری خبریں اور دیگر ''ہاٹ سپاٹس'' عالمی میڈیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ چکے ہیں۔

اسی دوران، بڑے پیمانے پر اموات جاری ہیں۔

......اسرائیلی حملے بدستور جاری ہیں، اور دیگر طریقوں سے بھی بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہو رہی ہیں: منہدم عمارتیں، غیر پھٹے بم، سیلاب، شدید سردی سے اموات (Hypothermia)، بھوک اور بیماریاں، یہ سب اسرائیلی نسل کش حکمتِ عملی کی ہی پیداوار ہیں۔ ہم اب بھی مناسب پناہ، خوراک، حرارت، بجلی یا پینے کے صاف پانی کے بغیر جدوجہد کر رہے ہیں۔

صورتحال اس قدر سنگین ہے کہ اب خود موسم سرما لوگوں کو ہلاک کر رہا ہے۔

......اسرائیل رفح سرحد کو بھی بند رکھے ہوئے ہے۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ آپ اسرائیل سے منسلک جنگی منافع خوروں کو بے تحاشا رقم ادا کریں اور کبھی واپس نہ آنے پر رضامند ہوں۔ سولہ ہزار سے زائد افراد جنہیں فوری طبی انخلا کی ضرورت ہے، اسرائیل کی جانب سے غزہ سے نکلنے سے روکے جا رہے ہیں، اور ایک ہزار سے زیادہ لوگ اجازت کے انتظار میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

غزہ نسل کشی کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے، کم شدت کا اجتماعی قتل و غارت، جو اس لیے ہیڈلائنز نہیں بنتا کہ یہ کارپٹ بمباری جیسا دھماکہ خیز نہیں ہوتا۔ مگر حتمی نتیجہ وہی ہے: غزہ میں فلسطینی زندگی کا خاتمہ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسرائیلی سیاست دان ہماری زمین کو اپنی کالونی بنانے کی باتیں بند نہیں کر رہے۔ وہ اب بھی فلسطینیوں سے خالی غزہ کو ایک حقیقی اور قابلِ حصول امکان سمجھتے ہیں۔''

[Aljazeera English]

غزہ: مغربی میڈیا کا منافقانہ کردار

یوں تو اس پورے عرصے میں مغربی طاقتوں کا منافقانہ کردار اور دوغلی پالیسی کسی سے پنہاں نہیں رہی۔ لیکن مغربی میڈیا کا منافقانہ کردار ہم سے اس لیے اوجھل رہا کیونکہ عموماً ہماری نظر اپنے میڈیا تک ہی رہتی ہے۔ لیکن جس انداز سے فلسطین، غزہ، جنگ، فلسطینی قیدیوں، حماس اور مزاحمتی تحریک اور اسرائیل کا ''حق دفاع''، اسرائیلی یرغمالی اور حماس کی ''بربریت''، ان کے لیے فلسطینی بچے، بچے نہیں، نہ ہی غزہ کے ڈاکٹر، ڈاکٹر ہیں، نہ ہی صحافیوں کی ٹارگٹ کلنگ کوئی معنی رکھتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اسی موضوع پر بہت اچھا مضمون مڈل ایسٹ آئی میں نشر ہوا۔ جس میں سے ایک اقتباس شامل کر رہے ہیں:

Ceasefire is "holding": So long as only non-Israeli-Jews are murdered | Jamal Kanj

”اکتوبر ۲۰۲۳ء سے اب تک اسرائیل تقریباً ۲۲۰ صحافیوں کو قتل کر چکا ہے، جس کے بعد آزادیٔ صحافت پر نظر رکھنے والے ادارے نے اسے ”صحافیوں کا بدترین دشمن“ قرار دیا ہے۔

پھر بھی، ان نتائج کی سنگینی کے باوجود، بڑے مغربی نیوز ٹ لیٹس نے، جو اخلاقی برتری کے ساتھ آزادیٔ صحافت اور انسانی حقوق کے علمبردار بنے رہتے ہیں—نے آر ایس ایف[1] کے ریکارڈ میں سب سے ہلاکت خیز سال کے لیے بمشکل ہی جگہ نکالی، اور اس حقیقت کا تو ذکر ہی نہیں کیا کہ ان صحافیوں کی بھاری اکثریت فلسطینی تھی......

یہ خاموشی کسی بھی تناظر میں تشویش ناک ہوتی، مگر نسل کشی کو دو برس سے زائد گزر جانے کے بعد یہ اس کو برقرار رکھنے والی اہم ترین حکمتِ عملیوں میں سے ایک ثابت ہو چکی ہے۔

اور شاید ہی کوئی ادارہ اس انتخابی غم و غصے کی اس سے زیادہ واضح مثال پیش کرتا ہو جتنی دی نیو یارک ٹائمز، جس کے ایڈیٹوریل بورڈ نے گزشتہ ماہ یہ جسارت کی کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو سعودی عرب کے محمد بن سلمان سے ملاقات پر تنقید کا نشانہ بنایا، اور ولی عہد کے ۲۰۱۸ء میں سعودی صحافی جمال خاشقجی کے قتل کا حکم دینے میں اس کے ’تقریباً یقینی‘ کردار کا حوالہ دیا۔

انتخابی غم وغصہ

’نہیں جنابِ صدر، ہم اسے یوں ہی نہیں چھوڑ سکتے!‘

یہ ۱۹ نومبر کو نیو یارک ٹائمز کے ایک اداریے کی سرخی تھی، جس میں ٹرمپ کو اس بات پر ملامت کی گئی کہ انہوں نے اس رپورٹر کو جھڑک دیا تھا جس نے سعودی عرب کے طاقتور حکمران، بن سلمان، کو خاشقجی کے قتل کی ذمہ داری یاد دلائی تھی۔

افسوس کہ NYT نے اعلان کیا کہ ’جغرافیائی سیاست (geopolitics) کی حقیقتیں طویل عرصے سے امریکہ کو ایسے غیر ملکی رہنماؤں سے اتحاد پر مجبور کرتی رہی ہیں جو ہولناک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔‘ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی بات کر رہے ہیں، مگر آپ غلط ہوں گے۔ وہ ایک عرب حکمران کی بات کر رہے تھے جس نے ایک عرب صحافی کو قتل کیا۔

اداریہ آگے کہتا ہے: ’غیر ملکی خطرات کو شکست دینے کے لیے اکثر ایسے ممالک کی مدد درکار ہوتی ہے جو انسانی حقوق کا احترام کرنے والی لبرل جمہوریتیں ہونے سے بہت کم تر ہوتے ہیں۔‘

ایک لمحے کے لیے آپ پھر یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ٹائمز کے مدیر اس اسرائیلی نسل کش فوجی ریاست کی بات کر رہے ہیں، جس نے اپنے فلسطینی شہریوں اور اپنے قابض افواج کے زیرِ تسلط فلسطینیوں کو مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ مگر آپ ایک بار پھر غلط ثابت ہوں گے۔

نیو یارک ٹائمز اس بات پر برہم تھا کہ ٹرمپ نے ایک ہی صحافی کے قتل پر بن سلمان کو جواب دہی سے بچ نکلنے دیا۔ یہ ریکارڈ کا اخبار، جیسا کہ وہ خود کو کہلوانا پسند کرتا ہے، اس بات پر خفا تھا کہ انہوں نے ایک واحد سعودی رپورٹر کے قتل کو اس قدر جلدی نظر انداز کر دیا۔“

[Middle East Eye]

مڈل ایسٹ مانیٹر پر بھی ایسی ہی ایک اہم تحریر شائع ہوئی جس میں کالم نویس نے حماس کے ہاتھوں پکڑے جانے والے فوجیوں اور اسرائیلیوں کے لیے ”یرغمالی“ اور بے گناہ فلسطینیوں کے اسرائیل کے ہاتھوں پکڑے جانے والوں کو ”قیدی“ کہنے کو موضوع بحث بنایا۔ لکھتے ہیں:

Who gets to be a hostage? The language that legitimises Palestinian captivity | Jwan Zreiq

”اس کا جواب عالمی تعصبات میں گہرائی سے الجھا ہوا ہے جس کے تحت تشدد اور قید کو بیان کیا جاتا ہے۔ دو بظاہر ملتے جلتے الفاظ پر غور کیجیے: ’یرغمال‘ (hostage) اور ’قیدی‘ (prisoner)۔ یرغمال کا لفظ معصومیت کی پامالی اور ناحق چھینی گئی زندگی کا تصور ابھارتا ہے۔ اس کے برعکس، قیدی کا لفظ کسی عمل، قانونی حیثیت، بلکہ شاید جرم کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ آخر کار، ’قیدی‘ ہمیں قید میں رکھے گئے فرد کے بارے میں کم اور اس نظام کے بارے میں زیادہ بتاتا ہے جو اسے قید کرتا

---

[1] RSF (Reporters Sans Frontières): ایک بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیم جو پریس فریڈم اور صحافیوں کے حقوق کے لیے کام کرتی ہے۔

ہے۔ مگر جب خود وہ نظام جبر اور نسلی امتیاز پر مبنی ہو تو کیا ہمیں طاقت کے ان انفراسٹرکچرز پر سوال اٹھائے بغیر ان اصطلاحات کو قبول کر لینا چاہیے جو انہیں استعمال کرتے ہیں؟

یہاں عالمی تعصب میں ہی پوشیدہ ہے جس کے ذریعے تشدد اور قید کو فریم کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اسرائیلی فوجیوں کو لیجیے، جیسے متان اینگریسٹ، جو اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد اپنے ٹینک سے پکڑا گیا۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ، مثلاً دی نیو یارک ٹائمز، ان واقعات کو مستقل طور پر یوں بیان کرتے ہیں کہ متان کو 'اس کے ٹینک سے اغوا کیا گیا'، ایک ایسا فقرہ جو ذاتی کمزوری کو نمایاں کرتا ہے اور دانستہ طور پر اس حقیقت سے پہلو تہی کرتا ہے کہ وہ ایک جنگجو تھا۔ اس طرزِ بیان سے توجہ کا رخ بدل جاتا ہے، اور وسیع تر سیاسی و عسکری تناظر کے بجائے ذاتی دکھ اور اذیت کے بیانیے کو آگے لایا جاتا ہے۔ جب ان فوجیوں کو رہا کیا جاتا ہے تو اکثر انہیں عوامی طور پر شہری اور خاندانی کرداروں میں دوبارہ ضم کر دیا جاتا ہے، اور بعض، جیسے ایڈن الیگزینڈر، نے آئی ڈی ایف میں اپنی سروس دوبارہ شروع کرنے کے ارادے کا اعلان بھی کیا۔ یہ بیانات اور میڈیا کی جانب سے ان کی واپسی کا جشن ان کی انسانیت کے تصور کو تشکیل دیتے ہیں، اور آئی ڈی ایف کے جنگی قیدیوں کو فلسطینیوں کے خلاف جبر اور نسلی امتیاز کے نظام میں سرگرم شریک کے بجائے تشدد کے شکار مظلوم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اس کے برعکس، میڈیا فلسطینیوں کو محض 'قیدیوں' کے زمرے میں سمو دیتا ہے، ایک ایسی اصطلاح جو قانونی جواز کا تاثر دیتی ہے مگر ان کی قید کی اصل حقیقت کو مٹا دیتی ہے۔ مغربی کنارے بھر میں اسرائیلی فورسز معمول کے مطابق چھاپے مارتی ہیں، جن میں مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بغیر کسی الزام یا مقدمے کے گرفتار کیا جاتا ہے، ایک ایسا عمل جو بیک وقت من مانی بھی ہے اور معمول بھی بنا دیا گیا ہے۔ اسرائیلی فورسز ان افراد کو ایک ایسے نظام کے ذریعے یرغمال بناتی ہیں جو 'سکیورٹی اقدامات' اور 'انتظامی حراست' (Administrative Detention) کے قانونی لیبل کے تحت غیر معینہ مدت تک قید کو معمول بنا دیتا ہے۔ ان کارروائیوں کے ساتھ تشدد، گھروں کی مسماری اور خوف کی دانستہ فضا پیدا کی جاتی ہے، جبکہ اسرائیل اردگرد کی زمینوں پر منظم انداز میں قبضہ کر کے اپنی آبادکار کالونیوں کو وسعت دیتا ہے۔

اس وقت ہزاروں فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں یرغمال بنے ہوئے ہیں، جہاں انہیں منظم تشدد کا سامنا ہے۔ اعداد و شمار خود سب کچھ بیان کر دیتے ہیں۔ حالیہ رہائیوں سے قبل، دس ہزار سے زائد فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں قید تھے، جن میں کم از کم ساڑھے تین ہزار ایسے تھے جو بغیر مقدمے کے انتظامی حراست میں رکھے گئے تھے۔ سیاسی قیدیوں کی تعداد دوگنی ہو چکی تھی، جو پانچ ہزار دو سو پچاس سے بڑھ کر تقریباً دس ہزار تک جا پہنچی۔ عصمت دری اور تشدد سے لے کر بجلی کے جھٹکوں اور تذلیل تک، جسے کسی بھی انسان کبھی برداشت نہیں کرنا چاہیے، فلسطینی جسم اور روح پر یہ مسلسل حملہ اس نظام سے جدا نہیں کیا جا سکتا جو انہیں قید کرتا ہے۔ پھر بھی، اس کے واضح شواہد ہونے کے باوجود کہ اسرائیلی فورسز بہت سے فلسطینیوں کو من مانے انداز میں قید رکھتی ہیں، دنیا انہیں محض 'قیدی' ہی کہتی ہے۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیل قانونی اصطلاحات کا سہارا لینے کی زحمت کیوں کرتا ہے؟ آخر کار یہ ایک ایسی رجیم ہے جس کی بنیادی منطق ہی نسلی امتیاز اور نوآبادیات پر قائم ہے۔ ہر چھاپہ، ہر گرفتاری، زمین پر قبضے کی بے رحم مشینری میں ایک چھوٹا مگر ناگزیر قدم ہے۔ اسرائیل قانونی حیثیت کا یہ فسانہ اس لیے برقرار رکھتا ہے کہ بین الاقوامی قانون اس کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں 'قیدی' کا لیبل بین الاقوامی قانون کی ان خلاف ورزیوں کو صاف ستھرا بنا کر پیش کرتا ہے جو درحقیقت سٹرکچرل اور دانستہ ہیں۔ یہ اصطلاح ظلم کو ایک پراسیس میں بدل دیتی ہے، قید کے اخلاقی بوجھ کو مٹا دیتی ہے اور نظامی تشدد کو معمول بنا دیتی ہے۔ یہ نہ صرف اس بات پر اثر انداز ہوتی ہے کہ ہم تشدد کے متاثرین کو کیسے دیکھتے ہیں، بلکہ اس پر بھی کہ ہم کس کے درد کو تسلیم کیے جانے کے قابل سمجھتے ہیں۔

اس بیانیے میں فلسطینی تجربہ اجتماعی برداشت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ایک تجریدی دکھ، جس میں انفرادی انسانی کہانیوں کے لیے بہت کم گنجائش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس، اسرائیلی تکلیف کو ذاتی، انسانی اور مقدس بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ ایسی زبان، جو 'یرغمال' اور 'قیدی' میں فرق قائم کرتی ہے، ہمدردی اور جواز میں گہری ناہمواری پیدا کرتی ہے، طاقت کے عدم توازن کو مضبوط کرتی ہے اور عالمی رائے عامہ اور تاثر کی تشکیل کرتی ہے۔"

[Middle East Monitor]

غزہ: ٹرمپ کی مزاحمتی تحریک کو زبردستی کچلنے کی دھمکی

ٹرمپ کے ۲۱ نکاتی ایجنڈے کا ایک حصہ حماس اور دیگر جہادی تنظیموں کو غیر مسلح کرنا بھی ہے۔ جو کام دو سال میں ایک سپر پاور کی پشت پناہی میں اسرائیل اپنی پوری طاقت لگا کر نہ کر سکا اب اس کے لیے دوسرا حربہ آزمایا جا رہا ہے۔ حماس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ جب تک فلسطینیوں کو آزادی ملتی نظر نہیں آتی ہم ہتھیار نہیں چھوڑیں گے۔ اس پر ٹرمپ نے دھمکی بھی دی ہے کہ یہ حماس کے لیے بہت خوفناک ہو گا اور دیگر ممالک بزور طاقت حماس کو غیر مسلح کریں گے۔ لیکن سوال دراصل یہ ہے کہ جس تحریک اور مزاحمت کو پچھلے اسی پچاسی سال میں ختم نہ کیا جا سکا، کیا اسے یوں ختم کرنا ممکن بھی ہے؟ فلسطینیوں کے اندر اللہ نے غیر معمولی صبر، استقامت اور ایمان کی مضبوطی رکھی ہے۔ اور یہ بات صہیونیوں سے ہضم نہیں ہوتی کہ جہاں انہوں نے پورے غزہ کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا اور وہاں کے لوگوں نے قتل، بھوک دربدری سمیت تمام ممکن تکالیف سہہ لیں لیکن مزاحمتی تحریک کی سپورٹ اب بھی اسی طرح موجود ہے۔

اگر زبردستی تحریک کو کچل دیا گیا تو پھر کیا ہو گا؟ یہ سوچ بھی بہت بھیانک ہے۔ ڈاکٹر رمزی بارود لکھتے ہیں:

If Gaza resistance ends: What history tells us about the Palestinian fate | Dr Ramzy Baroud

”اسرائیل اس امید میں ہے کہ معاہدے کے پہلے مرحلے کو مستقل بنا دیا جائے۔ اس نیت کا اظہار مسلسل بمباری، زندگی بچانے والی رسد اور امداد کی روک تھام، اور فلسطینیوں پر جنگ بندی کی خلاف ورزی کے بے بنیاد اور مسلسل الزامات سے واضح ہے۔

یہ توقع کی جا رہی ہے کہ اسرائیلی وزیرِ اعظم بنیامین نیتن یاہو غزہ کو غیر مسلح کرنے کے مطالبے کو بنیادی رکاوٹ بنا دے گا، حالانکہ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ غزہ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ وہ اس بات کو متعدد بار واضح کر چکا ہے، جن میں ۱۵ نومبر کا بیان بھی شامل ہے، جب اس نے کہا تھا:

’حماس کو غیر مسلح کیا جائے گا، چاہے آسان طریقے سے یا مشکل طریقے سے۔‘

لیکن اگر غزہ ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہو جائے تو کیا اسرائیل فلسطینیوں کو چھوڑ دے گا؟ کیا منصفانہ امن اور فلسطینی آزادی کے امکانات غیر معمولی حد تک بڑھ جائیں گے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے، آیئے بہت مختصر طور پر تین تجربات کا جائزہ لیتے ہیں، جن میں سے دو تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فلسطینی، اور حتیٰ کہ بعض اسرائیلی مؤرخین نے بھی دلیل دی ہے کہ تاریخی فلسطین کی نسلی تطہیر، یعنی نکبہ کے دوران، اسرائیل کا مقصد فلسطینیوں کو ملک سے بے دخل کرنا تھا، چاہے فلسطینی مزاحمت کریں یا نہ کریں۔

پلان دالت[2] پر عمل درآمد، جو فلسطینی آبادی کو نکال باہر کرنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا، کا فلسطینی مزاحمت کے طریقے یا شدت سے کوئی تعلق نہیں تھا، نہ ہی صہیونی ملیشیاؤں کے تشدد سے کوئی تقابل۔

درحقیقت، اس بے دخلی کا فریم ورک، جنگ کو بطور بہانہ استعمال کرنے پر مبنی تھا، نہ کہ فلسطینی مزاحمت کی جوابی جنگ کے طور پر۔ صہیونی رہنما اور اس وقت کے اسرائیل کے پہلے وزیرِ اعظم ڈیوڈ بن گوریون نے لکھا تھا:

’عربوں کو جانا ہو گا، لیکن اس کے لیے ایک موزوں موقع درکار ہے، جیسے کہ جنگ۔‘

اگرچہ بعض مختاروں (دیہاتی سرداروں) نے یہ سمجھا کہ اگر وہ مزاحمت نہ کریں تو انہیں وہ انجام نہیں بھگتنا پڑے گا جو مزاحمت کرنے والوں کا ہوا، مگر وہ غلط ثابت ہوئے۔ اسرائیلی مورخ ایلان پاپے لکھتا ہے:

’اگرچہ سرکاری پلان دالت میں دیہاتوں کو ہتھیار ڈالنے کا اختیار دیا گیا تھا، لیکن عملی احکامات میں کسی بھی وجہ سے کسی بھی گاؤں کو مستثنیٰ نہیں رکھا گیا تھا۔‘

یہی طرزِ عمل تاریخ میں بار بار دہرایا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں، امریکہ کی ثالثی سے ہونے والے ایک معاہدے کے بعد فلسطینی تنظیم پی ایل او کی افواج کو لبنان سے نکالنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ تصور کیا گیا تھا کہ ان کے انخلا کے بعد اسرائیلی فوج فلسطینی شہریوں پر حملے نہیں کرے گی۔

واقعی، ۲۱ اگست ۱۹۸۲ء کو پی ایل او کے دھڑے لبنان چھوڑنے لگے، جس کے نتیجے میں کیمپ غیر محفوظ ہو گئے اور ان کے لبنانی اتحادی بھی

---

[2] Plan Dalet، جسے پلان ڈی بھی کہا جاتا ہے، وہ خاکہ تھا جسے نئی اسرائیلی فوج اور اس کی پیش رو ملیشیا نے ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے دوران مقامی فلسطینیوں کو ان کے وطن سے بے دخل کرنے کے لیے استعمال کیا۔

۱۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو باضابطہ طور پر منظور کیے گئے اس منصوبے میں ان فلسطینی شہروں اور قصبوں کی نشاندہی کی گئی تھی جنہیں نشانہ بنایا جانا تھا، اور ان کے باشندوں کو نکالنے اور ان کی بستیوں کو تباہ کرنے کی ہدایات دی گئی تھیں۔

کمزور پڑ گئے۔ تاہم، مغربی بیروت میں اسرائیلی تشدد کم ہونے کے بجائے بڑھ گیا، اور ستمبر ۱۹۸۲ء میں صبرا اور شتیلا کا قتلِ عام ہوا، جس میں تقریباً ساڑھے تین ہزار تک فلسطینی مہاجرین اور لبنانی شہری شہید ہوئے۔

......اگر غزہ میں اسرائیل کی نسل کشی کا مقصد صرف مسلح گروہوں کو کچلنا ہے، تو پھر مغربی کنارے میں مسلسل کچلنے کا عمل کیوں جاری ہے؟

جو لوگ اب بھی غزہ کے حوالے سے اسرائیلی بیانیے کو قبول کرتے ہیں، انہیں اس تاریخی ریکارڈ کا سامنا کرنا ہو گا اور دو نہایت اہم اور مستقل حقائق کو تسلیم کرنا ہو گا۔

اوّل، اسرائیلی تشدد کی بنیادی محرک اس کی آبادکار نوآبادیاتی (سیٹلر کالونیل) خواہشات ہیں، نہ کہ محض فلسطینی مزاحمت۔

دوم، فلسطینی مزاحمت ایک گہری جڑی ہوئی تاریخی ضرورت ہے، مقامی آبادی کی خود مختاری کے لیے غیر ملکی قبضے سے خود کو آزاد کرانے کی پُر عزم جدوجہد۔

[Middle East Monitor]

غزہ: ابو عبیدہ (حذیفہ سمیر الکحلوت) کی شہادت

اسرائیل نے جہاں آدھے سے زیادہ غزہ پر قبضہ کر لیا ہے، تو ساتھ ہی رفح کے علاقے سے ملبہ اٹھانے اور زمین کو ہموار کرنے کا کام تیزی سے جاری ہے جو کہ سیٹلائیٹ سے لی گئی تصاویر میں بھی نمایاں ہوا ہے، جبکہ وہاں کنسن ٹریشن کیمپ (Concentration Camp) کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو چکا ہے، جو غزہ کے ان لوگوں کے لیے ہے جو غزہ چھوڑ کر جانے سے انکار کریں گے۔ جبکہ رفح بارڈر سے فلسطینیوں کو گزرنے کے لیے بھی اسرائیل نے شرط رکھی ہے کہ جو غزہ سے باہر جائے گا اسے دوبارہ واپس آنے نہیں دیا جائے گا۔

ابھی جبکہ یہ خبریں آ رہی تھیں تو ایسے میں ایسی خبر بھی آ گئی جس نے دلوں کو دکھی اور آنکھوں کو نم کر دیا۔ اور وہ تھی حماس کے نئے ترجمان ابو عبیدہ کی طرف سے جاری بیان میں حماس کے پانچ راہنماؤں کی شہادت کی خبر۔ جس میں حذیفہ سمیر الکحلوت بھی شامل تھے جنہیں ہم سب سرخ سکفیہ والے ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پہچانتے تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سبحان اللہ! غزہ کے باسیوں نے کیسے کیسے ہیرے موتی اس مبارک جہاد میں لٹا دیے۔ کچھ تو گمنامی کے سایوں میں بہادری و جرأت کی تاریخ رقم کر گئے اور کچھ دنیا کے سامنے دشمن پر قہر بن کر ٹوٹے۔ جس طرح ابو عبیدہ نے معرکہ طوفان الاقصیٰ میں اور اس کے بعد میڈیا اور سوشل میڈیا کے محاذوں پر، لوگوں کی سکرینوں پر، اس معرکہ کی قیادت کی، اپنے لوگوں کو صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنے کا پیغام دیتے رہے، زندہ ضمیروں کو جھنجھوڑتے رہے، مسلم حکمرانوں کو آئینہ دکھاتے رہے، علماء و ائمہ کو ان کا فرض یاد دلاتے رہے، دشمن کے سینے پر مونگ دلتے رہے اور اپنی ہیبت سے ان کے نیندیں اڑاتے رہے۔ ان کی آخری تقریر کے الفاظ 'انتم خصومنا الی اللہ' ہمیں شرمسار کرنے اور عاقبت یاد دلانے کے لیے کافی ہیں۔

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے اعلان کے بعد جہاں سوشل میڈیا پر ہر رنگ و نسل اور مذہب کے ماننے والوں نے جس طرح دکھ اور غم کا اظہار کیا، اس کے برعکس مین سٹریم میڈیا، بشمول پاکستانی میڈیا، یہ خبر صرف ایک خبر سے آگے نہ بڑھنے دی گئی۔ حتیٰ کہ الجزیرہ اور مڈل ایسٹ مانیٹر، جو مستقل فلسطین کے لیے آواز اٹھاتے آئے ہیں، انہوں نے بھی شیخ ابو عبیدہ کو خبر سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ ہمیں صرف روزنامہ جسارت میں بس ایک کالم ہی مل سکا جس میں سے اقتباس پیش کر رہے ہیں:

شیخ ابو عبیدہ: نقاب میں چھپا چہرہ، تاریخ میں روشن نشان | میر بابر مشتاق

”کچھ آوازیں جسم کی محتاج نہیں ہوتیں۔ وہ لہجے، ارادے اور ایمان سے جنم لیتی ہیں۔ شیخ ابو عبیدہ بھی ایسی ہی ایک آواز تھے۔ نقاب میں لپٹی ہوئی، مگر پوری امت کے دل میں اُترتی ہوئی۔ ان کی شہادت کی خبر محض ایک فرد کے دنیا سے رخصت ہونے کی اطلاع نہیں، یہ اُس عہد کی علامت ہے جس میں لفظ، مزاحمت اور قربانی ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے۔ غزہ کی گلیوں سے اٹھنے والی یہ آواز آج جسمانی طور پر خاموش ہو چکی ہے، مگر تاریخ کے کاغذ، ضمیر کے آئینے اور آنے والی نسلوں کے حافظے میں اس کی گونج باقی رہے گی۔ شیخ ابو عبیدہ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ محض ترجمان نہیں تھے، وہ بیانیہ تھے۔ ایسے بیانیے کے علمبردار جس نے طاقت کے نشے میں بدمست دنیا کو یہ باور کرایا کہ حق، اگرچہ بے سروسامان ہو، تب بھی باطل کے ایوانوں کو لرزا دیتا ہے۔ ان کا ہر خطاب، ہر جملہ، ہر وقفہ ایک منظم مزاحمتی حکمتِ عملی کا حصہ تھا۔ وہ لفظوں کو ہتھیار بناتے تھے، مگر نفرت کے نہیں، یقین کے۔ خوف پھیلانے کے نہیں، حوصلہ جگانے کے۔ ان کے نقاب نے دنیا کو متجسس رکھا، مگر ان کی آنکھوں کی چمک اور لہجے کے ٹھہراؤ نے اہلِ ایمان کو مطمئن کیا۔ وہ اپنے چہرے کی نمائش سے بے نیاز رہے، کیونکہ ان کی ترجیح ذات نہیں، مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن ان کی شناخت کے پیچھے بھاگتا رہا اور وہ شناخت سے ماورا ہو کر تاریخ میں جگہ بناتے رہے۔ اس گم نامی میں ایک عظمت تھی ایسی عظمت جو خود کو پس منظر میں رکھ کر قوم کو پیشِ منظر میں لے آئے۔ غزہ کے اندھیرے میں، جب بموں کی گھن گرج نے راتوں کو یرغمال بنایا، ابو عبیدہ کی آواز امید کا چراغ بن

کر ابھری۔ وہ شکستہ لمحوں میں بھی شکستہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مزاحمت محض بندوق کا نام نہیں، یہ صبر، نظم، اخلاقی برتری اور مسلسل استقامت کا نام ہے۔''

[روزنامہ جسارت]

آخری بات

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اسرائیل کسی صورت جنگ بندی معاہدے کے اگلے مرحلے پر عمل درآمد نہیں چاہتا۔ کیونکہ نہ تو وہ غزہ سے اپنی فوجیں نکالنے پر تیار ہو گا اور نہ ہے باقی ماندہ غزہ کے فلاح و بہبود کے کسی عمل کو آگے بڑھنے دے گا۔ غزہ میں امدادی کام کرنے والی ۳۷ متحرک تنظیموں پر پابندی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ناجائز صہیونی ریاست ایک طرف غزہ سے فلسطینیوں کو بے دخل کرنے اور دوسری طرف دریائے اردن کے مغربی کنارے سے فلسطینیوں کی زمینیں ہتھیانے کے لیے پوری طرح سرگرم ہے۔ نہ صرف فلسطین بلکہ جنوبی لبنان اور جنوبی شام کے علاقے بھی اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہے۔ جنوبی شام میں گولان کی پہاڑیاں تو اسرائیلی قبضے میں ہیں ہی۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر خود نیتن یاہو کے مطابق ۴۰۰ مربع کلومیٹر مزید شام کے علاقوں پر قبضہ کر کے اسے بفر زون قرار دے چکا ہے۔ اور اس سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں جبکہ تازہ رپورٹس کے مطابق امریکہ کی سربراہی میں اسرائیل اور شام کی حکومتوں کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس پیرس میں ہوا۔ جس میں ایک مشترکہ سیل تشکیل دیا گیا جس کا مقصد دونوں ممالک میں انٹیلی جنس شیئرنگ، فوجی تناؤ میں کمی، سفارتی اور تجارتی تعاون شامل ہے۔ شامی حکومت کے مطابق یہ ایک 'تاریخی' موقع ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ شام اسرائیل کے ساتھ 'انٹیلی جنس' شیئرنگ کس کے خلاف کرے گا؟ ظاہر ہے اسرائیل کے دشمنوں کے خلاف!

احمد الشرع کی سربراہی میں بننے والی شامی حکومت پہلے بھی اسرائیل کے ساتھ ''نارمل'' تعلقات بنانے کی خواہش کا اظہار کر چکی ہے۔ حالانکہ صہیونی طاقتیں ''گریٹر اسرائیل'' کے توسیع پسندانہ عزائم کا کھل کر اعلان کرتی آئی ہیں اور اگر انہیں اسرائیل سے کوئی خوش فہمی ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء کے معاہدے پر راضی ہو کر گولان کی پہاڑیوں سے پیچھے ہٹ جائے گا تو یہ خوش فہمی بھی جلد دور ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ملحمۃ الکبریٰ بھی اسی مبارک سرزمینِ شام میں لڑی جائے گی فلسطین جس کا حصہ ہے۔ اسی لیے مستقبل میں باذن اللہ مسلمانوں کا ہی پلڑہ بھاری ہو گا۔ لیکن ہمارے لیے عمل کا وقت آج کا ہے، جس وقت امریکہ و اسرائیل وقت کے فرعون بنے فلسطینیوں پر انہی کی زمین تنگ کر رہے ہیں۔ ابو عبیدہ، یحیٰ سنوار، اسماعیل ہنیہ اور ہزاروں گمنام شہداء رحمہم اللہ کا لہو ہمیں پکار رہا ہے۔ صرف غزہ نہیں بلکہ پورے فلسطین کے مظلوم اور وہاں کے غیور مجاہدین کو مسلم حکمرانوں سے تو کوئی امید نہیں، اگر کوئی ہے جسے ان کی پکار پر لبیک کہنا چاہیے وہ علمِ جہاد بلند کرنے والے علماء و قائدین ہیں، کہ وہ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کریں۔ جبکہ عوام الناس کے لیے رول ماڈل سڈنی کے ساحل پر یہودیوں پر حملہ آور وہ باپ بیٹے ہیں، جنہوں نے رسائی پا کر انہیں نشانہ بنایا جو پچھلے ستر سال سے فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسرائیل فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے اس میں اسے یہودی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔ یہ حملہ ہر اس مسلمان کے لیے عمل کی پکار ہے جس کی دسترس میں صہیونیوں وصلیبیوں کے مقامات واہداف ہوں کہ اٹھیں اور اپنا فرض ادا کریں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: ابو عبیدہ: مسکن مرا آسماں ہو گیا

وہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی بجائے اپنے مقصد کو واضح کرنا چاہتا ہے اور اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس سے محبت کرنے والے اس کی شناخت تک سے واقف نہیں ہیں۔

اس مضمون کا مقصد ابو عبیدہ کو خراجِ تحسین پیش کرنا نہیں کہ نہ انہیں اپنی اِس زندگی میں واہ واہ کی ضرورت و چاہت تھی اور نہ آئندہ ہو گی۔ ان کی قدر اس نے کی (ان شاء اللہ) جو حقیقی قدر دان ہے۔ بلکہ ان سطور کا مقصد تو یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے وارنے والوں نے، کہ جو اپنے الفاظ و عمل میں سچے تھے، اپنی جانیں وار دیں، ہم آج اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور جو جہاں ہے وہ وہاں رہتے ہوئے ہی کم از کم اپنا فرض ادا کرے۔ جب تک عملی جہاد کی راہ نہیں مل پاتی (جسے پاناڈھونڈنے والوں کے لیے کب مشکل ہے!) تب تک کم از کم خود کو اسلامی تاریخ سے جوڑیے، اسلامی تاریخ کے اسباق یاد کیجیے اور دہرایئے تاکہ وہ ہمت و حوصلہ عطا کریں۔ اس علم کو آگے پھیلایئے، اپنے بچوں اور اپنے متعلقین کے اندر اپنی اسلامی شناخت پر فخر پیدا کیجیے اور انہیں اس فانی دنیا کے مقابلے میں دائمی راحتوں کی چاہ رکھنا سکھایئے۔ یہ بنیادی اینٹ ہی دراصل دلوں کو تبدیل کرے گی اور جب دل تبدیل ہو جائیں گے تو عمل بھی اس کے مطابق ہی ہو گا۔

چند مصرعے ابو عبیدہؒ کی نذر:

میں نے اسلاف کی ہر نشانی کے مٹنے کے اس دور میں
اجنبیت کے پرچم کو اونچا کیا
میں نے حق و صداقت کے روشن دیے
خونِ دل سے بھرے
میرے کردار کا
میرے اخلاص کا
ایک اک نقشِ پا
صدقۂ جاریہ ____

☆☆☆☆☆

ہے کون کتنے تیل میں!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

اسرائیل کی ملک در ملک امریکی چھتری تلے غارت گری دیکھتے (غزہ، مغربی کنارہ، لبنان، شام، ایران، قطر) تیسرا سال چل رہا ہے۔ امریکہ نے نام نہاد جنگ بندی غزہ میں کروا کر، امن پلان تھما کر اپنے اگلے ایجنڈوں کی راہ لی۔ اب اسے بھی تو کچھ حملے کرنا لازم تھے۔ مثلاً نائیجیریا پر بمباری۔ سیاسی ضرورت کے تحت اپنے ہاں دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی خاطر عیسائیت کے نام پر لگے ہاتھوں ۲۵ دسمبر کو 'کرسمس کا تحفہ' کہہ کر اچانک سمندر سے کروز میزائل دے مارے، شمالی نائیجیریا پر (مسلم اکثریتی علاقہ)۔ یہ یلغار تنقید کا نشانہ بنی۔ کہاں لگے کہاں گرے سب متنازع تھا۔ پس منظر واضح رہے کہ شمالی نائیجیریا میں مسلم اکثریتی بنیاد پر نفاذ شریعت اور اسلامی عدالتوں کا قیام ہوا تھا۔ ۱۹۹۹ء میں ایک ریاست (صوبے) سے شروع ہو کر دیکھتے ہی دیکھتے ۲۰۰۰ء میں ۱۲ صوبوں تک پھیل گیا۔ اس سے غیر معمولی امن و استحکام آیا۔ دو دہائیوں بعد تک آج بھی اس کے گہرے اثرات نائیجیریا کے معاشرتی، قانونی، سیاسی اعتبار سے موجود ہیں۔ تاہم اس تحریک کو کچلنے کے نتیجے میں یہ علاقہ لاقانونیت، بدامنی کی زد میں آ گیا جس سے مسلم اور عیسائی یکساں طور پر متاثر ہوئے۔ مجرم جتھوں نے اغوا برائے تاوان کیا۔ مسلمان خواتین اور بچیاں بھی اغوا ہوئیں مگر یہ خبر دبی رہی۔ جبکہ ایسے ہی ایک حملے میں مشنری سکول اور گرجے کے نشانہ بننے پر خوب تشہیر کی گئی۔ ٹرمپ نے موقع غنیمت جان کر عیسائیت بچانے کا فریضہ (بزعمِ خود) سنبھال کر حملہ کر ڈالا۔ ایسی مزید بمباریوں کے ارادے کا اظہار کیا جس پر عیسائیوں نے بھی اس کے مؤقف کو رد کیا۔ باوجودیکہ یہاں عیسائی مسلم مسئلہ نہ تھا مگر کمزور حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ بیان دلوایا کہ یہ ان کی حکومت کے ایما پر کیا گیا۔

اسی دوران امریکہ آنے والی بڑی جنگوں (گریٹر اسرائیل) کی تیاری میں جنوبی، لاطینی امریکہ کے لیے اپنے بڑے ارادوں کی تکمیل چاہتا تھا۔ جنگوں کے لیے ایندھن (تیل) درکار ہے جو وینزویلا کے پاس بے پناہ ہے۔ سو مستقل وینزویلا سے منشیات کی آڑ میں کشتیوں پر امریکی حملوں کا سلسلہ چلا۔ ستمبر تا ۱۲ دسمبر ۲۰۲۵ء امریکہ نے ۲۲ حملے کیے۔ ۱۰۰ سے زائد افراد مارے گئے۔ بلا شواہد دعویٰ رہا منشیات کی ترسیل کا۔ تا آنکہ ۳ جنوری کو وینزویلا کے دارالحکومت کراکس پر کئی حملے کیے۔ ۴۰ گارڈ (بمعہ ۳۲ کیوبا کے) ہلاک کر کے، صدر مادورو اور ان کی بیوی کو اغوا برائے تاوان کی جدید ترین عسکری مہم میں نیویارک لے آئے۔

کس میں جرأت ہے کہ پوچھے ہم سے حملے کا جواز
بس مفاد اپنا ہمیں منظور ہے اس کھیل میں
کتنے پانی میں ہے کوئی یہ نہیں ہم دیکھتے
دیکھتے ہیں صرف یہ ہے کون کتنے تیل میں

سو وینزویلا سے تو دنیا کے سب سے بڑے تیل کے ذخیرے کے مالک ہونے کے جرم پر تاوان درکار ہے۔ ٹرمپ کی زبان میں 'پورا ملک ہی ہم خود آ کر چلائیں گے، بندے بن جاؤ!' کا مطالبہ ہے۔ کہا ہے کہ اتنے بڑے ذخیرے کی درست دیکھ بھال نہیں ہو رہی۔ آ کر ہم مرمت کریں گے (تمہارے علاوہ) اس پوری صنعت کی، اور اسے بیچیں گے بھی دنیا میں۔ یہ عراق پر حملے ہی کی طرز پر کیا گیا ہے۔ وہاں بہانہ عام تباہی کے ہتھیار تھے، نشانہ مسلم آبادی اور تیل تھا۔ امریکہ نے کئی ماہ کی تیاری کے بعد ۱۵۰ جیٹ طیارے، ۲۰ عسکری ہوائی اڈوں سے اڑا کر یہ آپریشن کیا، جسے ٹرمپ نے فخریہ امریکی تاریخ میں فوجی قوت کا مبہوت کن، مؤثر ترین مظاہرہ کہا۔

پوری دنیا ایک مرتبہ پھر چلا اٹھی استعماریت کی اس نئی تکنیک اور لہر پر۔ اگرچہ امریکہ اس وقت دو زبانیں بول رہا ہے۔ ایک ٹرمپ کی نتین یا ہوئی زبان ہے۔ تکبر، رعونت، دھونس دھمکی کی۔ دوسری زبان سٹیٹ سیکرٹری روبیو کی، صدر کی جلائی آگ پر پانی چھڑکنے کی زبان۔ گاجر اور ڈنڈا دونوں۔ یاد رہے کہ امریکہ پر کبھی حملہ نہ ہوا۔ مگر امریکہ نے ۲۵۰ سال سے کم عرصے میں ۱۰۰ ممالک پر حملہ کیا۔

اب کہانی پھر وہی ہے کہ عوام دنیا بھر میں امریکہ کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ خود امریکہ کے شہر، شہر مظاہرے جاری ہیں اس بھاری دہشت گردانہ، بین الاقوامی قوانین کے پرخچے اڑاتی واردات پر۔ یوں گویا وہ آئین و قانون کی پابند ایک سپر پاور نہ ہو، کچے کے ڈاکوؤں کا جتھا ہو! وینزویلا کے صدر کو بیوی سمیت اٹھا کر اپنے ڈیرے پر لا ڈالنے والا۔ سینیٹر برنی سینڈرز نے اس حملے پر شدید تنقید کی ہے:

> ”امریکی صدر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یک طرفہ ملک جنگ میں دھکیل دے (کانگریس سے بالا بالا)۔ خواہ وہ کرپٹ اور ظالم آمر میڈورو ہی کیوں نہ ہو۔ نہ ہی امریکہ کو یہ حق ہے کہ وہ وینزویلا پر حکومت کرے۔ کانگریس فوری طور پر 'جنگی اختیارات' کی قرار داد پاس کر کے یہ غیر قانونی فوجی کارروائی ختم کر کے اپنی آئینی ذمہ داری ادا کرے۔ بین الاقوامی قانون کی یہ خلاف ورزی کسی بھی قوم کو یہ کھلی چھٹی دے گی کہ جو ملک جہاں چاہے کسی بھی دوسرے ملک پر حملہ کر کے اس کے وسائل پر قبضہ کر لے یا حکومتیں بدل دے، یہ طاقت کی خوفناک منطق ہے۔ وینزویلا کے تیل ذخائر کنٹرول کرنے کے حق کا (ٹرمپ کا) دعویٰ، واضح استعماریت ہے۔“

امریکی عوام کے معاشی حالات کی ابتری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ صدر ملکی پریشانیوں کی فکر کرے بجائے باہر مہم جوئیاں کرنے کے۔ وہ اپنا ملک چلانے سے قاصر ہے، وینزویلا چلانے کی کوشش نہ کرے! یہ نصیحت آج سبھی حکمرانوں کو کرنے کی ہے۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو! ایک سابق امریکی فوجی جو عراق، افغانستان سے ہڈیاں تڑوا کر آیا تھا غصے سے پاگل ہوا سڑک پر نکل کر پولیس کے درپے ہوگیا۔ اونچا، لمبا پولیس کو مارنے دوڑ رہا تھا اور وہ بچتی پھر رہی تھی۔ تم اربوں ڈالر اسرائیل کو بھیجتے ہو، ادھر سابق امریکی فوجی بے گھر، خودکشیاں کر رہے ہیں۔ امریکہ ناکام ریاست ہے۔ ۱۷ سال سروس کے بعد بیمار، خوار کاٹ کھانے کو تھا! یہی حال عین اسرائیلی فوجیوں کا ہے جو معذور، نفسیاتی مریض ہوئے، خودکشیاں کرتے اپنی حکومت کو برا بھلا کہتے نہیں تھکتے، جو یہ سب حکمران اپنے اقتدار، دولت کے پیچھے لگے دنیا کو جہنم زار بنا رہے ہیں۔

روس کے علاوہ چین نے اس حملے کو بین الاقوامی قوانین اور یو این چارٹر کی صریح خلاف ورزی قرار دیا۔ وینزویلا کے صدر اور بیوی دونوں کو فوراً رہا کرنے اور ان کی سلامتی یقینی بنانے کو کہا۔ حکومت الٹانے سے باز رہ کر بات چیت سے مسائل حل کرنے کی تاکید کی۔ چین خود بھی وینزویلا کے تیل کا بڑا خریدار ہے۔ مگر وہ تیل خریدتا ہے، لوٹتا، ڈاکہ نہیں ڈالتا! اس کے تجارتی مفادات جنوبی امریکہ (اور خطے) میں ہیں۔ اس سے چین، امریکہ تعلقات میں تناؤ بڑھے گا۔

دنیا بھر میں برپا کردہ افراتفریاں، مظلوم فلسطینیوں سے توجہ ہٹا رہی ہیں۔ جب کہ اسرائیل اپنی ظالمانہ کارروائیوں میں جاری و ساری ہے۔ موسمی شدتوں میں ڈوبے ٹھٹھرتے فلسطینیوں کی مددگار، تین سو ستر این جی اوز پر اسرائیل نے مزید پابندیاں لگا کر امدادی راستے بند کر دیے ہیں نئے قوانین کے بہانے۔ اس کا فوری نوٹس لینے کی ضرورت ہے۔ یورپی اور دنیا بھر کے عوام فلسطین کے ساتھ اب وینزویلا کے جھنڈے لہرانے، مظاہرے کرنے میں مصروف ہیں۔

برطانیہ، فرانس کے حکمران امریکہ اسرائیل سے پیچھے کیوں رہیں؟ سو ان دونوں ممالک نے شام میں داعش کے ٹھکانوں، ہتھیاروں کے ذخیرے پر حملہ کر دیا۔ ان کے مطابق یہ امریکی قیادت میں 'آپریشن عزمِ لازم' کا اسلامک سٹیٹ کے خلاف کیا گیا اقدام تھا، تاکہ یہ گروپ دوبارہ نہ ابھر سکے۔ احمد الشرع جو خود پہلے جہادی تھا، اب تائب ہو کر بڑی طاقتوں کا مصاحب بن گیا ہے!، وہ بھی شام کا تحفظ چاہتا ہے۔ اور اس نے برطانیہ فرانس کو ٹھیکہ دیا ہے؟ امریکہ بھی حال ہی میں ان کے درجنوں نشانے لے چکا ہے۔ (اے ایف پی رپورٹ) سو اب چوہدریوں اور ان کے مصاحبوں کے عزائم کے رحم و کرم پر عوام الناس کی دنیا بھلی بری جیسی گزرے! تاہم ابابیلیں اپنے حصے کے کنکر لیے دنیا بھر میں قطار اندر قطار جتی ہوئی ہیں۔ اس ظالمانہ کھوکھلے نظام کا کھایا ہوا بھوسہ تو بنے گا باذن اللہ!

وینزویلا پر حملے کے لیے امریکہ کو بے پناہ تیاری کرنی پڑی۔ اس کے گھر جیسا گھر بنا کر تربیت طویل عرصہ دی گئی! حماس اور طالبان نے بڑی طاقتوں کا اپنی بے سروسامانی کے باوجود جنگوں میں بھوسہ بنا دیا۔ حماس سے لڑواتے، امریکہ کے ہتھیار ختم ہو گئے! فی الوقت تو دنیا تیل دیکھے اور تیل کی دھار دیکھے!

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: غزہ بنے گا بنتوستان

واشنگٹن کے کاریڈورز میں اب یہ بات کھل کے ہو رہی ہے کہ اسرائیل کے زیرِ قبضہ ترپّن فیصد غزہ (گرین ایریا) میں ابتدائی طور پر دس کنٹینر بستیاں بنائی جائیں گی۔ ان میں وہ خاندان مکمل چھان پھٹک کے بعد بسائے جائیں گے جو اس وقت زرد لائن کے دوسری جانب ریڈ زون میں کسمپرسی کے عالم میں رہ رہے ہیں۔ ان خاندانوں کو بنیادی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی مگر وہ پھر گرین زون سے ریڈ زون نہیں جا پائیں گے۔ اس ترغیب کے جال میں جو فلسطینی نہیں پھنستے اور بدستور ریڈ زون میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ حماس کے حامی ہیں۔ یوں ان کی اقتصادی و جسمانی نسل کشی اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کے نزدیک جائز رہے گی۔

اسرائیل نے مصر اور غزہ کی سرحد پر رفاہ کراسنگ بھی اس شرط پر کھولنے کا عندیہ دیا ہے کہ جو باہر جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔

اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ غزہ کی موجودہ تقسیم عبوری نہیں اور نہ ہی یہ واضح ہے کہ اسرائیلی فوج کب تک پوری غزہ پٹی خالی کرے گی، اور کیا مجوزہ بین الاقوامی امن دستے غزہ کو تقسیم کرنے والی نام نہاد زرد لائن برقرار رکھیں گے یا پوری پٹی کی چوکیداری ان کے سپرد کی ہو گی تاکہ غزہ کے ہر شہری تک امداد پہنچ سکے۔

یہ ابہام لمبے عرصے تک برقرار رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ اسرائیل اس دوران غزہ کے کم از کم ترپّن فیصد علاقے پر اپنا تسلط مستحکم کر لے۔ یوں زیادہ تر بین الاقوامی امداد کا رخ اسی زیرِ قبضہ علاقے کی جانب رکھا جائے تاکہ اس علاقے کو ایک پُرامن زندگی کے سرابی جال میں فلسطینیوں کو اپنی ہی زمین پر مکمل کنٹرول میں رکھا جا سکے۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

القدس تو ایک دلہن ہے جس کا مہر ہمارا خون ہے!

شیخ حمزہ بن اسامہ بن لادن

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم.

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ کی رحمت و سلامتی ہو آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر۔

أما بعد:

دنیا کے ہر کونے سے مسلمانوں کو بار بار دلی پیغامات وصول ہو رہے ہیں، ان نوجوانوں کی طرف سے جن کے کارنامے عظیم ہیں، اگرچہ ان کی عمریں چھوٹی ہیں، کیونکہ انسان کی قدر اس کے دل اور زبان سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ پیغامات دل سے، بلکہ روح سے نکلے ہیں، جو ہر غیرت مند مسلمان سے کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ خون کے آنسو رو رہی ہے۔

یہ پیغامات لکھنے والے، عظیم مرتبے والے، جلیل القدر لوگ ہیں، ان کا مقام دلوں میں بہت بلند ہے، اور نگاہوں میں ان کی عظمت نمایاں ہے۔

یہ پیغامات لکھنے والے، جوان ہیں، عمر کے ابتدائی مرحلے میں ہیں، فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوئے اور انہوں نے اسی پر پرورش پائی۔ ان کی آنکھیں مسجد اقصیٰ کے نظارے سے منور ہوئیں، جس نے ان کے دلوں کو موہ لیا، اور ان کے دلوں میں اس کی عظمت بھر دی۔ کیونکہ:

> وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ (سورۃ الحج: ۳۲)
>
> ”جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یقیناً یہ دلوں کی تقویٰ سے ہے۔“

لہٰذا اس کے دفاع کو انہوں نے اپنی اولین ترجیحات میں شامل کر لیا۔ کیونکہ ان کی فطرتِ سلیمہ کو ذلت و غلامی اور ہتھیار ڈالنے والے معاہدوں نے آلودہ نہیں کیا، اور نہ ہی ان کے کانوں پر مایوسی و شکست کے الفاظ کا کوئی اثر ہوا۔ انہوں نے اپنے دشمن کو پہچان لیا اور اس سے دشمنی نبھائی۔ منافق خائنوں اور فلسطین کو بیچنے والوں کو پہچانا اور ان سے ہوشیار رہے۔ انہوں نے جمہوریت، وطن پرستی اور قوم پرستی کو مسترد کر دیا اور نام نہاد فلسطینی اتھارٹی سے اعلانِ براءت کیا۔

اور جب غاصب یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کی بے حرمتی کی، تو اپنے دلوں کے گہرے زخموں سے نہ تو وہ خاموش رہ سکے اور نہ ہی اسے برداشت کر سکے، دشمنوں کو جواب دینا ان کے لیے ناگزیر ہو گیا۔ مگر اپنی امت کی بے حسی اور بے رخی ان کے دلوں کے لیے بے پناہ درد کا باعث تھی۔ ان کے دل کی پکار یہ تھی: کیا مسجدِ اقصیٰ صرف ہماری ہے، ہماری امت کی نہیں؟ آخر امت نے ہم سے کیوں رخ موڑ لیا؟

اور جب حالت یہ تھی کہ دشمن غالب ہو چکا تھا اور دوست بے وفا ہو چکے تھے، تو انہوں نے سچے عزم، مضبوط ارادے اور پختہ فیصلے کے ساتھ جدائی اختیار کی، اور اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا جو اس نے قرآنِ مجید میں دیا ہے:

> فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ النساء: ۸۴)
>
> ”اللہ کی راہ میں لڑو۔ آپ کو اپنے سوا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔ اور مومنوں کو ترغیب دو۔“

پس انہوں نے اپنے رب کی اطاعت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کی کوئی پروا نہ کی۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

> اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى○ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا○ (سورۃ الکہف: ۱۳، ۱۴)
>
> ”وہ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ اور جب وہ کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی کو نہیں پکاریں گے، اور اگر ہم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک بناتے تو یقیناً بہت بڑا جھوٹ بولتے۔“

انہوں نے اپنی جانوں کو، جو ان کے پاس سب سے قیمتی متاع ہیں، قربان کر دیا تاکہ دشمنوں کے فریب کو ناکام بنائیں اور اپنے خون سے لکھے ہوئے، گرم جوشی کے پیغامات اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھیجیں جو ان کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے، ان کے عذروں اور بہانوں کو باطل کر دیتے ہیں، اور ان کے سامنے پکار اٹھتے ہیں کہ آج کے بعد تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ چھریاں ہمارا ہتھیار ہیں، تو کیا تمہارے پاس ایک چھری بھی نہیں؟

فاعجب لأعزل كل الناس تخذله ... كادت تموت أعاديه من الوجل
يصوغ بالدم للأجيال ملحمة ... حب الشهادة فيها مضرب المثل
ما فل من عزمه خذلان أمته ... أو هول تعذيبه في كل معتقل

ولا استراح إلى تأييد ألسنة   باتت تزخرف أقوالًا بلا عمل
لو خاذلوه استعادوا نبض نخوتهم   لمات أكثرهم من شدة الخجل
ما القدس إلا عروس مهرها دمنا   وما لتقديمنا للمهر من بدل
يا قدس مهما أراقوا فيك من دمنا   فليس حقك إلا الحفظ في المقل
والله يا قدس مهما كان مغرمنا   يبقى خلاصك دومًا غاية الأمل

تعجب ہے اس غیر مسلح انسان پر جسے سب نے تنہا چھوڑ دیا
لیکن اس کے دشمن خوف سے تقریباً مرنے لگے
وہ اپنے خون سے نسلوں کے لیے جنگ کی ایک داستان رقم کرتا ہے
جس میں شہادت کی محبت ضرب المثل بن جاتی ہے
اپنی امت کی بے وفائی سے اس کی ہمت کم نہ ہوئی
نہ قید خانوں کی اذیتوں سے اس کا عزم ڈگمگایا
نہ اسے ان زبانوں کی تائید سے سکون ملا
جو عمل کے بغیر فقط الفاظ کی زینت بنتی ہیں
اگر اس کے چھوڑنے والے اپنی غیرت کو پھر سے جگا لیں
تو ان میں سے اکثر شرم کے مارے مر جائیں
القدس تو ایک دلہن ہے جس کا مہر ہمارا خون ہے
اور اس مہر کا کوئی متبادل بھی نہیں ہے
اے مسجدِ اقصیٰ! چاہے وہ تیرے لیے ہمارا کتنا ہی خون بہا دیں
تیرا حق تو صرف ہماری آنکھوں میں محفوظ رہنا ہے
خدا کی قسم اے مسجدِ اقصیٰ! چاہے ہماری قربانیاں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں
تیری آزادی ہمیشہ ہماری آرزو رہے گی

پس امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ فلسطین میں اپنے بھائیوں کے انتقاضے میں بیرونِ فلسطین سے حصہ لے، اس کی مدد کرے، اس کی حمایت کرے، یہود کو قتل کر کے اور دنیا بھر میں ان کے مفادات پر حملہ کر کے اسے تقویت بخشے۔ ہم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کے ممالک اور مسلم سرزمینوں کو یہود کی نجاست سے پاک کریں اور ان کے سب سے بڑے حامی، مددگار اور ارضِ فلسطین میں ان کے وجود کے محافظ، یعنی امریکہ اور مغربی ممالک، کی نجاست اور گندگی سے بھی مسلم سرزمینوں کو پاک کریں۔ واشنگٹن اور تل ابیب کی حکومتوں کے درمیان سکیورٹی تعاون اب تک دونوں ممالک کے درمیان سب سے بڑا تعاون ہے۔ لہٰذا یہود کے مددگاروں اور حامیوں کو بھی اس کی قیمت اپنے خون سے ادا کرنا ہو گی، اور انہیں بھی وہی تکلیف چکھنی ہو گی جو ہمارے اہلِ فلسطین اور اہلِ غزہ چکھ رہے ہیں۔

پس ہر وہ مسلمان جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ، قبلۂ اول اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا مقام اسراء و معراج ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ مسجدِ اقصیٰ کے دفاع میں بنفسِ نفیس جہاد کرے، اپنی ان پاکیزہ بہنوں کا بدلہ لے جنہیں یہود نے بے دردی سے قتل کیا اور جب بھی یہودیوں اور صلیبیوں کو اپنے سامنے امن و سکون سے دیکھے تو اس کے دل میں درد و غصہ پیدا ہو۔

یہی ہے مسجدِ اقصیٰ کی آزادی کا راستہ، جہاد اور قتال کے ذریعے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں حکم فرمایا ہے:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ۝ (سورۃ النساء: ۸۴)

”لہٰذا تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دیتے رہو، کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔“

جب اللہ کی نصرت آتی ہے تو جمود کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بہانے، عذر و حجتیں، تاویلات و فلسفے سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔

اسی مدد و نصرت کے ساتھ، جس کی ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں، لازم ہے کہ امتِ مسلمہ سامانِ جنگ تیار کرے، ماہرین اور کمانڈر تیار کرے، تاکہ وہ ایک عظیم فوج کی تشکیل میں حصہ لے سکے، ایک ایسی فوج جو بادلوں کی طرح گرج دار اور پُر ہیبت ہو، جو اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی آزادی کی فوج ہو گی۔ اس عظیم مشن میں پوری امت کی شمولیت اور شرکت ضروری ہے، کیونکہ آنے والی القدس کی آزادی کی جنگ، اللہ کے حکم سے، کسی گاؤں یا شہر کی آزادی کی جنگ نہیں ہے، نہ ہی یہ کسی تنظیم یا جماعت کی لڑائی ہے، بلکہ یہ ایک عظیم فیصلہ کن معرکہ ہے، ایمان اور کفر کے درمیان معرکہ، ظالم و جائر کفری اقوام کے مقابلے میں پوری امت کا معرکہ ہے، وہ بہترین امت جسے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اور اس عظیم کام کے لیے بہترین، سب سے موزوں اور تیار میدان، شام کی بابرکت سرزمین ہے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اپنی توجہ شام میں جہاد پر مرکوز کرے، جہادِ شام کی رہنمائی، اصلاح اور شرعی و سیاسی شعور کی بیداری پر توجہ دے۔ نیز مجاہدین کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی فکر کی جائے کیونکہ آج فرقہ بندی اور اختلاف پر اصرار کرنے والوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا، جب کہ سارا عالمِ کفر اہلِ اسلام کے خلاف متحد ہو چکا ہے۔ مسلمانوں خصوصاً مجاہدین کے درمیان نظریات و تصورات کی اصلاح بھی ضروری ہے، ان نظریات و تصورات میں سے ایک یہ ہے کہ جماعتوں یا گروہوں کے ساتھ تعصب اور عدم برداشت سے اجتناب کیا جائے۔ ہماری محبت یا نفرت کا معیار صرف یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جماعت یا گروہ میں شمولیت پر ہونا چاہیے، اور اسی طرح فتوحات یا شکستوں، شہداء یا زخمیوں پر خوشی یا غم بھی اس بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب جاہلیت کے مظاہر ہیں۔ کوئی بھی

مؤمن یا مجاہد جو لوگوں کو رنگ، نسل اور وطن کے تعصبات سے بچنے کی نصیحت کرتا ہے، اسے خود جماعتی تعصب میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کیونکہ مومن سب بھائی بھائی ہیں، ان میں سے کسی عربی یا عجمی کو کوئی برتری حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اہلِ حق علماء پر لازم ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے ڈریں اور خود کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے پیش کریں، کیونکہ جہاد کے میدانوں کو ان کی سخت ضرورت ہے۔ مال داروں، تاجروں اور کاروباری افراد پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی زکوۃ کے ذریعے جہاد کی مدد کریں اور ماہرین، اہلِ ہنر اور اہلِ تجربہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی مہارتوں اور تجربات سے جہاد کی معاونت کریں، تاکہ تمام کوششیں ایک ہی ڈھانچے میں جمع ہو جائیں، جس سے، باذنِ اللہ، بیت المقدس کی آزادی کا لشکر تشکیل پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ (سورۃ الأنفال: ۶۰)

”اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریوں سے تیار رہو جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو خوف زدہ کر سکو جنہیں تم نہیں جانتے (لیکن) اللہ جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

آخر میں ہم اپنے فلسطینی بھائیوں سے کہتے ہیں:

آپ کے آباء کا خون ہمارے آباء کا خون ہے اور آپ کا خون ہمارا خون ہے۔ پس خون کا بدلہ خون اور تباہی کا بدلہ تباہی ہے۔ اور ہم عظمت والے اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے اور ہم اپنے قائدین کے شروع کردہ جہاد کو ویسا ہی پاک اور خالص رکھیں گے جیسا ہمارا رب پسند فرماتا ہے، یہاں تک کہ فتح حاصل ہو جائے یا ہم بھی وہی ذائقہ چکھیں جو حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے چکھا تھا۔

اور ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ اسلام کی مدد آ رہی ہے، یمن سے مدد خدائے واحد واحد کے اذن سے جاری رہے گی، جبکہ، خراسان، صومالیہ، شمالی افریقہ اور اسلامی مغرب (افریقہ) کی طرف سے آنے والی مدد بھی مضبوط ہو چکی ہے۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

”اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

> ”ہم ہرگز یہ قبول نہیں کریں گے کہ فلسطین میں وہ سانحہ رونما ہو، جو آج کے فلسطین کو ماضی کے کل کا اندلس بنا دے۔ ہمارے لیے اس سے کہیں بہتر اور کم تکلیف دہ ہے کہ یہ امت پوری کی پوری فنا ہو جائے، بنسبت اس کے کہ ہم مسجدِ اقصیٰ کو منہدم ہوتا دیکھیں، یا اسلامی فلسطین کو یہودی فلسطین بنتا دیکھیں اور اس کے اصل باشندوں کو وہاں سے بے دخل ہوتا دیکھیں۔“

• فضیلۃ الشیخ ابو محمد ایمن الظواهری •

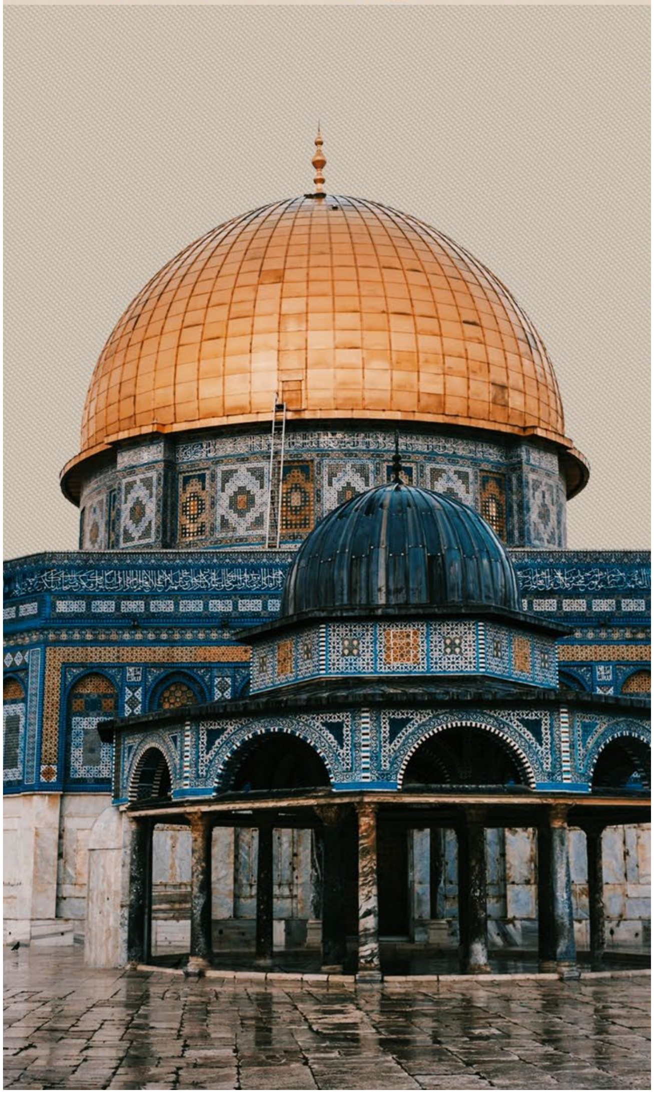

مسلمان مجاہدین کا ہاتھ سڈنی تک جا پہنچا

شیخ اواب الحسنی

طویل عرصے سے صہیونی دشمن اپنے پاس موجود قتل وتباہی کے ذرائع پر شیخی بگھارتا رہا ہے، تاکہ یہ کہہ سکے کہ ہماری پہنچ فلاں فلاں جگہ تک ہے۔

لیکن آج، دنیا کے آخری کونوں تک، مسلمانوں کی آگ جا پہنچی ہے اور آسٹریلیا میں، بالخصوص دارالحکومت سڈنی میں، یہ شعلے یہودی کمیونٹی کی بڑی تعداد تک پہنچے ہیں۔

چنانچہ دو غیرت مند مسلمان ابطال نے ایک مسلح کارروائی سرانجام دی، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں یہودی ہلاک اور زخمی ہوئے، جو اپنے ایک مذہبی تہوار کی تقریبات میں تنگ دھڑنگ مصروف تھے۔ اس کے ذریعے حملہ آور یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ فلسطین اور دنیا کے ہر گوشے میں مسلمانوں کا بہایا گیا خون رائیگاں نہیں جائے گا، اور یہ کہ جو دشمن مسلمانوں کا خون بہائے گا، اس کا خون بھی دنیا کے ہر کونے میں اسی طرح بہایا جائے گا۔ اور یہ کہ صہیونیوں کے ساتھ جاری جنگ صرف مقبوضہ فلسطین تک محدود نہیں، بلکہ دنیا کے ہر اس مقام تک پھیلی ہوئی ہے جہاں یہ ملعون صہیونی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

”اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔“

ان حملہ آوروں کا پیغام یہ ہے کہ تمہاری خفیہ معلومات، سکیورٹی ہدایات، اور نہ ہی تمہاری جانب سے روا رکھے جانے والا قتل و ظلم کی کارروائیاں مسلمانوں اور ان کے مجاہدین کے عزم کو توڑ سکیں گی، کیونکہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور کوئی بھی اسے معطل یا ختم نہیں کر سکتا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا، خواہ کافر اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔“

هل اتى صهيون انا امة   دونها الجوزاء في العليا صباح
قد ورثنا المجد مجاج الثرى   وحلا من دونهم مر الكفاح
ولنا في كل ناد منبر   ولهم في ظلمة الليل نباح
ليلنا والخيل ان طافا بهم   فالنواصي الفجر والقدس انشراح
قد خطبنا الموت ودا فاحتفى   واحتفينا بالهدى والنصر لاح

کیا صہیونی جانتے ہیں کہ ہم وہ امت ہیں
جن کے مقابل فلک کی بلندیاں بھی ہیچ ہیں؟
ہم نے عظمت خاک کی گہرائیوں سے وراثت میں پائی ہے
اور ان کے حصے میں تکلیف کے سوا کچھ نہیں
ہر مجلس میں ہمارے لیے ایک منبر ہے
اور ان کے حصے میں رات کی تاریکی میں صرف بھونکنا
ہماری رات اور ہمارے گھوڑے جب ان کے گرد گھومتے ہیں
تو پیشانیاں سحر بن جاتی ہیں اور بیت المقدس کشادگی پاتا ہے
ہم نے موت کو محبت سے پکارا تو اس نے لبیک کہا
اور ہم نے ہدایت کو گلے لگایا، یہاں تک کہ فتح نمایاں ہوگئی

یہ پیغامات، اگرچہ اس معلوم دشمن کو مخاطب کر کے دیے گئے ہیں، مگر یہ عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہیں، اور بالخصوص فلسطین میں موجود ان مجاہدین کے لیے جو اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

یہ کارروائیاں وہ اسلامی دفاعی ہتھیار ہیں کہ جس کی تیاری پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ابھارا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

”اور ان کے مقابلے کے لیے جہاں تک تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو، اور گھوڑوں کو باندھ کر رکھنے کا اہتمام کرو، تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر رعب ڈال سکو۔“

پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ ان دونوں ابطالِ امت کی بندوقیں صہیونیوں اور ان کے مظالم کے روک تھام کے حوالے سے بیانات، مظاہروں، مذمتی بیانات اور نعروں کے مقابلے میں زیادہ مؤثر نکلیں۔ اللہ کے حکم سے اس طرح کے اقدامات غزہ میں جاری خونریزی اور تمام فلسطینی علاقوں میں جاری مظالم کو روکنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

اور ان دونوں حضرات کی گولیاں نام نہاد ضامن امریکہ کی ہمدردی کی اپیل، ”عرب ثالثوں“ کی شفقت، اور ”الفتح کے بھائیوں“ کی نام نہاد دوستی سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہیں۔

یہ دونوں ابطال اپنے محبوب دین اور مظلوم فلسطینیوں کی مدد کے لیے وہ کچھ کر گئے، جسے وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انہوں نے نہ کمزوری کا عذر پیش کیا اور نہ پسپائی اختیار کی۔ خوف نے اور نہ ہی مایوسی نے ان کے دلوں میں جگہ پائی۔ بلکہ جو وسائل ان کے پاس تھے، انہیں تیار کیا، مناسب دن کا انتخاب کیا اور اس امید کے ساتھ روانہ ہوئے کہ اللہ سبحانہٗ کے ہاں جو اجر ہے وہ انہیں حاصل ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمے حق ہے، تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ پس اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اس کے ساتھ کیا، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔“

پس ان دونوں حضرات اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے لیے خوشخبری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

”دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“

تمام مسلمانوں نے صہیونی مجرموں کو پہنچنے والے اس عظیم نقصان پر خوشی کا اظہار کیا، اس بات سے قطع نظر کہ کارروائی انجام دینے والوں کا تعلق کس جماعت سے ہے۔ خواہ وہ کسی جہادی تنظیم سے وابستہ ہوں یا انہوں نے یہ اقدام انفرادی طور پر کیا ہو، انہوں نے ہدف کے انتخاب میں بھی درستگی دکھائی اور کارروائی کو عملی جامہ پہنانے میں بھی مہارت کا مظاہرہ کیا۔

نصرتِ دین کے خواہاں افراد کے اہداف ایسے ہی ہونے چاہییں، یعنی پوری توجہ اس صہیونی صلیبی اتحاد پر مرکوز رکھی جائے، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صہیونی جرائم، جو مسلمانوں (بچوں سے لے کر بڑوں تک) کی یادداشت میں محفوظ ہیں، دنیا کے ہر گوشے میں ایسی مزید کارروائیوں کے لیے محرک بنے رہیں گے۔ اس صورتِ حال کا بنیادی ذمہ دار وہ صہیونی نظام ہے جس نے فلسطین میں ہمارے مسلمان بھائیوں کے خلاف جرائم کا ارتکاب کر کے دنیا بھر میں یہودیوں کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا۔

آج دنیا بھر میں یہودیوں کی حالتِ زار، اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ نہ اپنے مذہبی مراسم اطمینان سے ادا کر سکتے ہیں، نہ اپنے تہوار سکون سے منا سکتے ہیں، نہ اپنے اجتماعات میں بے خوف خوشی منا سکتے ہیں، اور نہ ہی اپنے علاقوں میں امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ خوف، بے چینی، انتظار اور دہشت کی کیفیت میں زندگی بسر کریں، کہ کہیں مسلمانوں کے فدائی حملہ آور ان پر جھپٹ نہ پڑیں اور انہیں اس تکلیف کا کچھ حصہ نہ چکھا دیں جو فلسطین میں ہمارے مسلمان بھائی اور بہنیں سہہ رہے ہیں۔ یاد رہے کہ ”سڈنی“ کا واقعہ پہلا اور آخری حملہ نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ایسے حملے ہوتے رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمر ثالث

فتح کے بعد یہ کمیٹی دارالحکومت میں رسمی تقرریوں کی نگرانی، عوامی فلاح و بہبود اور عسکری امور کی ترتیب و تنظیم کی ذمہ دار تھی، تاکہ شہر میں انتشار، چوری، ڈاکے اور دیگر بدامنی کے عوامل کی مؤثر روک تھام ممکن ہو سکے۔

فتحِ کابل کے بعد امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی جانب سے انتظامی امور سے متعلق تیسرا حکم نامہ جاری کیا گیا، جو درج ذیل نکات پر مشتمل تھا:

۱. آج کے بعد پورے افغانستان میں خالص اسلامی نظام کی حاکمیت ہو گی۔
۲. بیرونِ ملک متعین تمام افغان سفیروں کو ان کے عہدوں سے معزول کیا جاتا ہے، اور انہیں سفارت خانوں سے متعلق تمام رسمی اختیارات سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ متعلقہ ممالک افغانستان کے تمام نقدی ذخائر اور دیگر اثاثوں کی مکمل حفاظت کے پابند ہوں گے۔
۳. کابل کے تمام باشندوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ شہر سے نقل مکانی نہ کریں، اور جو لوگ کسی وجہ سے نکل چکے ہیں وہ بلا خوف و خطر اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئیں، کیونکہ طالبان ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کے محافظ ہیں۔
۴. بارودی سرنگوں کی صفائی پر مامور تمام ادارے کابل کے داخلی اور خارجی راستوں کو فوری طور پر محفوظ بنائیں، تاکہ شہریوں کی آمد و رفت میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔
۵. تمام تاجر برادری کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اہلِ کابل کی روزمرہ ضروریات پوری کرنے کے لیے خوراک اور ایندھن کی بروقت اور وافر فراہمی کو یقینی بنائیں، تاکہ شہری کسی بھی قسم کی پریشانی یا قلت کا شکار نہ ہوں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

سڈنی (بونڈائی) حملہ: کیا ہمارا طرزِ فکر درست ہے؟

قاضی ابو احمد

غزہ پر حالیہ اسرائیلی جارحیت اور ہمہ نوع و ہمہ پہلو ظلم کی اس طویل ترین لہر کو دو سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا۔ جو کچھ اہلِ غزہ نے دیکھا، سنا، سہا اور کرب کے جس طوفان سے وہ اس آن بھی گزر رہے ہیں اس کی شدت سے یا وہ خود واقف ہیں اور یا پھر ان کا رب۔ دردِ دل رکھنے والے مسلمان اور غیر مسلم خواہ ان کے ساتھ جس قدر بھی خلوص کے ساتھ اظہار یک جہتی کریں، ان کی مدد کے لیے ہر ممکن کوشش کریں مگر بہر حال وہ اس کرب اور درد و الم کی پرچھائیں کو بھی نہیں پا سکتے جس سے آشنا ہوئے اہل غزہ کو تیسرا سال شروع ہو چکا ہے۔ غم و الم کی اس طویل رات کا انجام کب اور کیسے ہو گا؟ یہ تو اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس ہم تو فلسطین کے عوام اور مجاہدین کے لیے استقامت، ثبات، دنیا و آخرت میں عافیت اور بلند ترین اور اعلیٰ ترین درجات کے خواہاں ہیں کہ ان کٹھن راہوں سے گزر کر جن کا حصول بہر حال بچوں کا کھیل نہیں۔

ایسے میں کہ جب اسرائیل کا ظلم اپنی انتہاؤں کو چھو رہا ہے، شدید سردی اور طوفانی بارشوں میں گھر سے بے گھر، دربدر، بھوک اور غموں سے نڈھال، سردی سے ٹھٹھرتے اہل غزہ کہنے کو جنگ بندی کے دور سے گزر رہے ہیں، اور یہ ایسی جنگ بندی ہے کہ کوئی دن نہیں گزرتا کہ عوام کے اجتماعات پر اسرائیل بمباری کرتا ہے، قافلوں کے قافلے امدادی سامان اور ضروریات زندگی سے لیس کھڑے ہیں مگر اسرائیل ہے کہ ان کے غزہ میں داخلے کی اجازت مرحمت نہیں فرماتا، ایسے میں اسرائیلی جارحیت کا توڑ فقط جوابی جارحیت ہی ہے۔ اسرائیل اور اس کے مفادات پر کاری ضرب ہی اسرائیل کے تکبر کو پاش پاش کر سکتی ہے۔ اسرائیل خود تو کچھ نہیں، وہ تو جس کے بل بوتے پر اکڑ رہا ہے وہ امریکہ ہے۔ پس اسرائیل اور امریکہ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ان میں سے کسی بھی ایک پر لگنے والی ضرب دوسرے پر بھی ضرور بالضرور اثر انداز ہو کر رہے گی۔ فلسطین پر تو یہود نے قبضہ کر رکھا ہے اور فلسطینیوں کی زمین پر اسرائیل قائم کر کے اس کے کرتا دھرتا بنے بیٹھے ہیں، مگر امریکہ، جہاں کہنے کو تو عیسائی حکومت ہے مگر وہ یہود سے بڑھ کر اور یہود سے بدتر یہود ہیں۔ یہ یہود تو وہ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے لاڈلے ہونے کا زعم ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ جہنم کی آگ تو ان کے لیے ہے ہی نہیں اور گر وہ اس میں ڈال بھی دیے گئے تو بہر حال آخر کار رب کی رضا اور اس کی جنتیں ہی ان کی حقیقی منزل ہیں۔ اور یہ زعم اعمال کی بنا پر نہیں، عبودیت کی بنا پر نہیں بلکہ تکبر کی بنا پر ہے۔ جیسا کہ ابلیس نے کہا کہ انا خیر منہ۔ اسی طرح یہود بھی خود کو بہترین اور اعلیٰ ترین تصور کرتے ہیں۔ ہزار ہزار برس جینے اور جیتے رہنے کی خواہش کرنے والے ان یہود کے لیے بدترین خواب یہ ہے کہ کوئی ان پر ضرب لگائے، کوئی ان کی طرف انگلی اٹھائے، کوئی انہیں موردِ الزام ٹھہرا کر ان سے باز پرس کرے۔ پس حال ہی میں جب سڈنی میں ایمان کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے، ایمانی غیرت سے لبریز ہو کر ایک مسلمان باپ بیٹے نے یہود سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور بحمد اللہ اہل ایمان کے دل ٹھنڈے کیے تو عین مسلمانوں ہی کی طرف سے ایسا عجیب و غریب ردِّ عمل دیکھنے کو ملا کہ جسے دیکھ اور سن کر ہوش مند انسان انگشت بدنداں رہ جائے۔

عمومی ردِّ عمل جو مسلمانوں کی طرف سے سوشل میڈیا پر گردش کرتا پایا گیا اور تجزیہ کاروں کی آراء اور کالم نگاروں کے کالموں سے، حتیٰ کہ ان زبانوں اور ان قلموں کی نوک سے بھی جھلکا، جو جہاد کی داعی و شیدائی ہیں اور جن کے دلوں میں موجود امت کا غم اور اس کی فلاح کی تڑپ کسی سے پوشیدہ نہیں، وہ بھی دفاعی رنگ لیے ہوئے تھا۔ یہ کہ مسلمان تو امن پسند ہیں، ان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، انہوں نے تو عیسائیوں کے بدترین ظلم کی چکی میں پستے یہود کی ہمیشہ مدد کی، ہمیشہ انہیں پناہ دی، اور ان کو اپنے معاشروں میں انسانوں کی طرح جینے کا حق دیا۔ پس کسی مسلمان کا یہ اقدام کہ وہ یہود کے تہوار پر ان کے اوپر فائر کھول دے یقیناً اسلامی تاریخ سے میل نہیں کھاتا اور ایسے لوگ یقیناً اپنے اسلاف کے شاندار ماضی پر بدنما داغ ہیں۔ نیز وہ احمد الاحمد کہ جس نے یہود پر حملہ آور مسلمان سے نا صرف یہ کہ اسلحہ چھینا بلکہ اسے زخمی کیا اور اس کے متوقع وار سے کئی یہودیوں کو بچایا وہ اسلامی اقدار و روایات کا امین ٹھہرا اور اسی کے حصے میں (مسلم و غیر مسلم) سارے تمغے آئے۔

بھئی کیوں مسلمان اپنے آپ کو ہمیشہ مظلوم و مسکین کارڈ کھیلتے دیکھتے رہنا چاہتے ہیں؟ کیونکر مسلمان اتنا جری نہیں ہو سکتا کہ وہ یہود سے ان کے بدترین ظلم کا بدلہ لینے کی اپنی سی کوشش کرے؟ کیوں مسلمانوں ہی کو اس کردار اور شخصیت کا مسلمان ہیرو قبول نہیں کہ جو سر جھکا کر مار کھانے یا زیادہ سے زیادہ راستہ بدل کر ظالم سے منہ موڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ لینے کی بجائے ظالم کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور اس کی اینٹ کا جواب پتھر سے دے؟

نائن الیون ہوا تو بعض 'عقل مند' مسلمانوں نے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں اور لگے منہ چھپانے اور وضاحتیں پیش کرنے کہ بھئی یہ تو یہود کی اپنی سازش ہے، بھلا مسلمان اس قتل و قتال میں کہاں شریک ہو سکتا ہے؟ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ تاریخ کے صفحات کو جگمگا دینے والا ہر ایسا عمل کہ جہاں مسلمان نے واقعی اپنے ایمان کا مظاہرہ کیا، مسلمانوں ہی میں کے بعض طبقات کو اپنی شرمساری کا باعث دکھائی دینے لگا۔ اوّل تو مسلمان اس نبی ﷺ کے پیروکار ہیں کہ جو نبیٔ رحمت ہونے کے ساتھ ساتھ نبی الملاحم بھی ہے، مگر چلیے مان لیجیے کہ وہ صرف نبیٔ رحمت کے پیروکار ہیں تو کیا مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ اس کے لاکھوں بھائی بہن بے گھر، دربدر ہوں، ان کے بچے بھوک سے جان دے رہے ہوں، ان کے کتنے ہی پیارے منوں مٹی تلے جا سوئے ہوں، ان کی جان، مال، عزت، کچھ بھی محفوظ نہ ہو اور پھر بھی اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے؟ (بقیہ صفحہ نمبر ۲۳ پر)

تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

ابو عبیدہ شہید تقبلہ اللہ

مفتی حامد ازہر

سالِ گزشتہ ماہ اگست کی تیس تاریخ تھی، آفتاب کی مدھم مدھم سی کرنیں در و بام پر پڑتی جا رہی تھیں، تمازت قہر سامانی پر اتر آئی تھی، دن چڑھے یہ جانکاہ خبر گردش کرنے لگی کہ ترجمان القسام، مزاحمت کی پہچان، لاکھوں کروڑوں دلوں کی جان ابو عبیدہ، (حذیفہ سمیر الکحلوت) ایک فضائی حملے میں جام شہادت نوش فرما چکے ہیں، لیکن اس روح فرسا خبر کی تصدیق ابھی باقی تھی۔ جسے ہم ایک عرصے سے دل کا مکین بنائے ہوئے تھے، ان کا فراق و فرقت یقیناً زیاں تھا، حلقۂ دل میں ایک عجیب کشمکش تھی۔ تصدیق نہ ہو سکی، چار و ناچار دلِ سوزاں کے سوز و گداز کو فصلِ بہار میں بے مہار چھوڑ دیا۔ زخم دروں بڑھتا ہی گیا، اور محبت و عقیدت کی مدھم لے مضراب ساز کو جھنجھوڑتی گئی۔ عشق و عقیدت کا ایک طوفان موجزن تھا، جس اندیشے نے امروز و فردا کو بے رنگ کر دیا تھا، وہ اندیشہ حقیقت کا لبادہ اوڑھ چکا تھا، یہ حادثہ گزر چکا تھا، لیکن عشاق کو کہاں اس مرگ ناگہاں کا یقین! دل کو بہلاتے گئے، سمجھاتے گئے، یہ یقین دہانی کرواتے گئے کہ وہ زخمی ہیں، پھر شیر اپنی کچھار سے نکلے گا، اور اپنی گرج دار آواز میں کہے گا:

سلامٌ عليكم بما صبرتم ورابطتم وثبتّم في وجه الطغيان
سلامٌ على أرواح شهدائنا و أطفالنا الأبرياء وأهلنا المظلومين،
سلامٌ على أرواحكم التي ستحلق يومًا بسماء قدسنا وأقصانا المحرر المطهر من دنس قاتليكم.

انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی گئیں، وقت کی سوئیاں گزرتی گئیں، لیکن شش و پنج کے پردے چاک نہ ہوئے، جب کوئی خبر نہ آئی تو ہم نے یہ کہہ کر زخم دل سی لیا:

آنکھوں میں انتظار کی شمعیں جلا کے رکھ
اے دل وہ آج آئے گا تو گھر سجا کے رکھ

لیکن بناوٹ کے اصولوں سے حقیقت چھپا نہیں کرتی، کاغذ کے پھولوں سے خوشبو نہیں آیا کرتی۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، انتیس دسمبر کو شہادت کی تصدیق کر دی گئی، کئی آنکھیں نم ہوئیں، کئی سینے فراق سے زخمی ہوئے، یہ ستارہ جہاد فی سبیل اللہ کا استعارہ سوا سے جگمگاتا تھا جگمگا گیا، اسے بامِ عروج تک پہنچنا تھا سو وہ پہنچ گیا۔

ترجمان القسام ابو عبیدہ ہفتہ کی شام، ۳۰ اگست ۲۰۲۵ء کو اپنے فلیٹ پر موجود تھے، ہنگامۂ شب و روز حسب معمول جاری تھا کہ اقصیٰ کے ایک غدار جاسوس کی اطلاع پر اسرائیلی خفیہ ادارے شاباک نے کارروائی کرتے ہوئے چودہ مرتبہ کی ناکام کوششوں کے بعد اس بار ایک رہائشی عمارت کو مکمل طور پر نشانہ بنایا۔ انہدام کے لیے شدید آتش گیر بم استعمال ہوئے اور محض ایک شخص کی جستجو میں پوری عمارت تباہ کر دی گئی۔

اے یہودیو! تمہیں معصوم بچوں کا بھی خیال نہ آیا؟ تمہارے دل بھیڑیوں کے دل ہیں، تم نے ظلم کو بھی شرمسار کر رکھا ہے۔ اس حملے میں ابو عبیدہ، ان کی اہلیہ، ان کے تین معصوم بچے اور خاندان کے متعدد افراد واصل بحق ہو گئے۔

جس دن سے جدا وہ ہم سے ہوئے — اس دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا
ہے چاند کا منہ اترا اترا، — تاروں نے چمکنا چھوڑ دیا
وہ پاس ہمارے رہتے تھے — بے رت بھی بہار آ جاتی تھی
اب لاکھ بہاریں آئیں بھی تو کیا — پھولوں نے مہکنا چھوڑ دیا

ابو عُبیدہ فلسطین کے تاریخی شہر عسقلان سے تعلق رکھنے والے ایک مہاجر خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء کے نکبہ کے بعد ان کا خاندان ہجرت پر مجبور ہوا، اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جبالیہ مہاجر کیمپ میں آ بسا، بعد ازاں زمانے کی گردش نے ابو عبیدہ کے والدین کو روزگار کے لیے سعودی عرب پہنچا دیا، وہیں پر ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کو حذیفہ نامی ایک مردِ مومن مردِ حق کی پیدائش ہوئی، کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ نوخیز کل ایوانِ کفر پر بجلیاں گرائے گا، جس کی تقریروں کی گونج دشمنوں کے دل دہلا دے گی، جس کی دھاڑ دجالوں کی ناک میں دم کر دے گی، ابھی عہد طفولیت تھا، ابتدائی تعلیم کے لیے سرزمین عرب کو منتخب کیا، لیکن وطن کی یادوں نے رہنے نہ دیا، ہواؤں نے پیام وصال بھیجے، ارضِ مقدس کی کشش نے پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ بالآخر والدین اپنے ہونہار فرزند کو لے کر واپس لوٹ آئے۔ مہاجر کیمپوں کے حالات، شب و روز منڈلاتے مصائب، غاصبین کی زیادتی نے حذیفہ کے ذہن و خیال پر ایک عجیب نقش چھوڑا، حالات نے انہیں کندن بنا دیا، دین کی فضائیں اور صالحانہ ماحول نے حذیفہ کی زندگی میں رنگ بھرے، ایمان کی بادِ بہاری نے تن و من کو سنوارا، بڑوں سے آداب خود آگاہی سیکھے، کہنہ سال افراد سے اسرار شہنشاہی جانے، غصب ہوتی زمینوں، خیموں کی قطاروں اور نیم تاریک گلیوں سے حق گوئی و بیباکی کا سبق لیا، صبر و استقامت، ہمت و عزیمت نے جواں مردی کا درس دیا، بالپن سے ہی کاسہ لیسی، چاپلوسی، روباہی اور بزدلی سے نفرت ہو گئی، قرآن و سنت کے ماحول میں والدین کی تربیت نے انہیں مرد آہن بنا دیا، صعوبتوں سے گھری فضا مزاحمتی اور فکری سوچ کی تشکیل کا سبب بنی۔

کانٹوں میں جو کھلتا ہے شعلوں میں جو پلتا ہے
وہ پھول ہی گلشن کی تاریخ بدلتا ہے

آپ نے جامعہ اسلامیہ غزہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، ۲۰۱۳ء میں ماسٹرز مکمل کیا، اور تحقیقی مقالہ بھی لکھا جو بعد میں ۶۵۰ صفحات میں کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔ پی ایچ ڈی کا آغاز کیا مگر عملی طور پر مزاحمت میں مصروفیت کے باعث مکمل نہ ہو سکا، ابو عبیدہ صرف ایک مجاہد ہی نہیں بلکہ ایک سنجیدہ طالب علم، محقق اور صاحبِ نظر شخص تھے۔ انہوں نے

۲۰۰۲ء میں کتائب القسام میں شمولیت اختیار کی، اپنی فصاحت و ذہانت اور فکری گہرائی کی بنا پر جلد ہی میڈیا و اطلاعات کے شعبے میں نمایاں مقام حاصل کر لیا اور ابوعُبیدہ ان کا عرفی نام بن کر جگمگانے لگا۔

ابو عبیدہ، کتائبِ شہید عزالدین القسام، جو تحریکِ مزاحمتِ اسلامی (حماس) کا عسکری بازو ہے، کے سرکاری میڈیا ترجمان تھے، وہ براہِ راست کتائب القسام کے عسکری میڈیا شعبے کی نگرانی کرتے تھے اور فصاحتِ لسان، قوتِ بیان اور فنِ خطابت میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ وہ صہیونی ریاست کی جانب سے تیار کی گئی اعتیالی فہرستوں میں مطلوب افراد میں شامل تھے، کیونکہ انہیں نفسیاتی جنگ اور میڈیا وار کی مرکزی شہ رگ سمجھا جاتا تھا جو حماس کو دشمن کے خلاف برسرِپیکار رکھتی تھی۔ ابو عبیدہ کا یہ نام صحابیِ رسول ﷺ، فاتح القدس حضرت سیدنا ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ کی نسبت سے رکھا گیا تھا، جو خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المقدس کے فاتح تھے۔ انہیں کئی القابات سے یاد کیا جاتا ہے، جن میں سب سے معروف ”الملثم“ (نقاب پوش) ہے۔ وہ ہمیشہ پس پردہ رہے، اگرچہ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور ان کے نقاب کو خواتین کے نقاب سے تشبیہ دینے کی کوشش کی، مگر اس سے حقیقت میں کوئی فرق نہ آیا، کیونکہ ابو عبیدہ کا اثر و رسوخ اور ان کی محبوبیت و مقبولیت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ان کا نام ہر خورد و کلاں، خاص و عام کی زبان زد تھا، یہاں تک کہ ان جیسا بننا بہتوں کا خواب بن گیا۔

ہمارے نزدیک نقاب پہننا کسی خوف یا کمزوری کی علامت نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ تمام عسکری اور مزاحمتی قائدین بھی اپنے چہرے چھپاتے، لیکن حقیقت اس سے کہیں آگے ہے۔ ابو عبیدہ محض ایک شخص نہیں تھے بلکہ ایک فکر، ایک راستے اور ایک مقصد کا نام ہے۔ وہ ایک جائز مزاحمت کے فکری نمائندے تھے، اور یہ مزاحمت ہر فلسطینی کا وہ حق ہے جو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک قابض فلسطینی سرزمین پر اپنی درندگی، غرور اور ظلم مسلط رکھے گا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

ابتدا میں سیاہ نقاب اور بعد میں سرخ دھاریوں والا کفیہ ان کی شناخت بنا، اسلامی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو دجانہؓ پر بھی یہ نقاب نظر آتا تھا، اسی وجہ سے انہیں ذوالمندیل الأحمر (سرخ رومال والے) کہا جاتا تھا، اور یہی وہ وصف تھا جو انہیں رسولِ اکرم ﷺ کی خاص محبت کا مستحق بناتا تھا۔ ابو عبیدہ نے بھی سرخ رنگ کا وشاح اختیار کیا، جو ان کی شناخت بن گیا۔ انہوں نے ایک طرف صہیونیوں کے دلوں میں خوف و دہشت بٹھا دی، تو دوسری طرف پوری امت کو سکون و اطمینان اور خوشی عطا کی، یہ سرخ وشاح کسی اتفاق یا لمحاتی انتخاب کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی فکر اور راہِ حق میں جاری جدوجہد کی علامت تھا۔

اے ابو عبیدہ! صدیاں تمہیں یاد کریں گی، طوطیانِ خوش نوا تمہاری یاد میں نوا سنج رہیں گی، جب بھی چلے گی سرد ہوا یہ دل تمہیں یاد کرے گا، شہداء کی سرخی جب آزادی کا پروانہ لائے گی تب تمہیں نہ پا کر آنکھیں اشکبار ہوں گیں، حریت کے گیت جب گائے جائیں گے تب آپ سے ترجمان کا فراق بہت رلائے گا۔

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کر چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

حریت جانفشانی اور قربانی چاہتی ہے، آزادی کوئے طلب میں جاں واری کا تقاضا کرتی ہے، یہ خیرات میں نہیں ملتی، بلکہ خونِ جگر سے ارض چمن کو سینچا جاتا ہے، سروں کے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں، سرفروشی کی تمنا لیے دستِ قاتل سے دوبدو ہو کر زور آزمائی کرنی پڑتی ہے، تب جا کر آزادی کی بادِ سحر ہر شاخِ گل بداماں کو چھوتی ہے، کلیاں کھلتی ہیں، غنچے مسکراتے ہیں اور آزادی کا سورج شب گزیدہ سحر کے لیے پیامِ حریت لے کر طلوع ہوتا ہے، اور پھر ایک صبحِ نو کا آغاز ہوتا ہے، جس کی روشنی میں فداکاری اور شہادت کی سرخی، امن و امان اور صداقت کی سفیدی، امید و امنگ اور کارزارِ زیست کی ہریالی شامل ہوتی ہے۔ شاید آپ بھول گئے کہ ہمارے قائد انقلاب یحییٰ السنوار رحمہ اللہ نے میدانِ کارزار میں خستہ مکانوں کے درمیان لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر انگشت شہادت لہراتے ہوئے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہہ رہے تھے:

وللحرية الحمراء باب
بكل يد مضرجة يدق

”آزادی کے سرخ دروازے کو صرف خون میں رنگے ہوئے ہاتھوں سے کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔“

ارض مقدس کی حریت کے لیے، جب بھی ضرورت ہوئی شہسوارانِ اسلام صف اول میں مسلح سربکف، کفن بہ دوش نظر آئے۔ امیر عزیمت ابو عُبیدہ رحمہ اللہ بھی انہی موفق من اللہ لوگوں میں سے تھے جو ارض مقدسہ کی بازیابی کے لیے اپنی عملی تگ و دو اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے تا دمِ آخر سوتوں کو ہوشیار کرتے رہے۔ یہی وہ دیدہ ور ہیں جو مشکل سے چمن میں پیدا ہوتے ہیں، اور یہی پاکیزہ نفوس رشکِ چمن مشکِ ختن ہوتے ہیں۔ یہ وہ پروانے ہیں جو شمعِ جہاد کے دیوانے ہو کر جاں اپنی نچھاور کر دیتے ہیں۔ اس وارفتگی میں بلبل کو پروانے سے کیا نسبت؟ بلبل تو فقط ہجر کا مارا ہے، پروانہ تو جاں بھی فدا کر دیتا ہے۔ وہ اس سرزمین کے پروردہ تھے جسے تاریخ نے زخم دیے، جس کے وجودِ مسعود کو اغیار کے تیشوں نے مجروح کیا، مگر ان ماہ پاروں نے ہر زخم کو اپنی شناخت بنا لیا۔ زخموں سے بدن گلزار سہی مگر صبر و استقامت کو اپنی طبیعت بنا لیا۔ حالات نے یہ درس دیا کہ زندگی محض جینے کا نام نہیں، بلکہ حیات مستعار کے نشیب و فراز اور پیچ و تاب سے نبرد آزما ہو کر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے۔ یہ وہ پامردی اور استقلال ہے جس کے سبب دشمن شکست خوردہ ہے، اور اپنی ذلت و مسکنت پر ماتم کناں ہے۔

جب ساز سلاسل بجتے تھے، ہم اپنے لہو میں سجتے تھے
وہ رِیت ابھی تک باقی ہے یہ رسم ابھی تک جاری ہے
کس زعم میں تھے اپنے دشمن شاید یہ انہیں معلوم نہیں
یہ خاکِ وطن ہے جاں اپنی اور جان تو سب کو پیاری ہے

بطلِ حریت ابو عُبیدہ کی تشکیل میں صرف بارود اور محاصرہ ہی شامل نہیں تھا، بلکہ قرآن و سنت، شعورِ حیات بھی شامل تھے۔ اسی لیے اس کی گفتگو محض نعرہ نہیں بلکہ بیان بن جاتی تھی، اور بیان دلیل میں ڈھل جاتا تھا۔ انہوں نے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا، مگر شہرت سے گریز کیا، اقصیٰ کے قضیے کو سدا مقدم رکھا۔ ان کی ایک آواز پر دوست متوجہ ہوتے اور دشمن چونک جاتے تھے۔ ان کی زبان میں جذبات تھے، مگر بے لگام نہیں۔ جوش تھا، مگر ہوش کے ساتھ۔ وہ کبھی ہم مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتے:

يا جماهير شعبنا المعطاءة! يا أحرار العالم! يا أمتنا العربية!

وہ اپنے خطاب کے دوران انگشت شہادت کو جنبش دیتے تھے جو ان کے خطاب کی مضبوطی اور استحکام پر براہِ راست اور گہرا اثر ڈالتی تھی، اور اب ان کی شخصیت کا مستقل حصہ بن چکی ہے۔

وہ کبھی اپنوں کی اپنائیت میں ڈوب کر دلوں سے مخاطب ہو کر کہتے تھے:

يا جماهير شعبنا الصابر الأبي! أيها الصامدون في وجه عدو الله وعدوكم! يا عنوان كرامة الأمة وأمل فجرها! يا مجاهدينا الأبطال! يا جماهير أمتنا الكبيرة الممتدة! يا كل أحرار العالم! يا أبناء شعبنا العظيم المبارك! يا جماهير شعوب و قوى أمتنا الكبيرة الممتدة! يا أحرار العالم في كل مكان! ياشعبنا العظيم! يا رأس مالنا و تاج رؤوسنا!

وہ اپنے خطابات کا آغاز ہمیشہ صیغۂ جمع سے کرتے تھے۔ صیغۂ جمع کے اس مسلسل استعمال میں ایسے معانی پوشیدہ ہیں جو عوام کے دلوں میں یہ یقین راسخ کر دیتے ہیں کہ وہ مزاحمت، جدوجہد اور جہاد میں لازماً شریک ہیں۔ اس اسلوب میں وفاداری، اعتراف، توجہ اور قدر دانی کی وہ سطح جھلکتی ہے جو بآسانی محسوس اور سمجھی جاسکتی ہے۔

ان کے یہ خطابات محض لفظی اظہار نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں الفاظ اور جملوں کی صورت میں بہت سے معانی پوشیدہ ہوتے تھے تاکہ وہ پیغام اربابِ بصیرت سامعین تک زیادہ گہرے اور مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔ اسی تناظر میں، ۸ مارچ ۲۰۲۴ء کے خطاب میں آپ نے یہ اشعار پڑھے:

يا عابد الحرمين لو أبصرتنا   لعلمت أنك بالعبادة تلعب
من كان يخضب خده بدموعه   فنحورنا بدمائنا تتخضب

"اے حرمین کے عبادت گزار! اگر تم ہم مجاہدین کو دیکھ لو تو تم جان لو گے کہ تم تو عبادت کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہو، اگر تمہارے آنسو تمہارے رخساروں کو تر کرتے ہیں تو ہماری گردنیں ہمارے خون سے رنگین ہوتی ہیں۔"

ان اشعار کو اپنے خطاب میں اس وقت شامل کیا گیا جب ماہِ عبادت کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ یہ دراصل غزہ کے مظلوم، زخم خوردہ لوگوں کی مدد و نصرت کی طرف اشارہ تھا، اس امید میں کہ شاید کوئی جاگ جائے، شاید مسلم حکمران خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں۔

کبھی وہ برمحل اشعار لا کر ہماری بے حسی اور سرد مہری کو نشانہ بناتے۔ ۲۳ اپریل ۲۰۲۴ء کے خطاب میں تمیم البرغوثی کے اشعار نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لقد عرفنا الغزاة قبلكم   ونشهد الله فيكم البدعُ
ستون عاماً وما بكم خجلٌ   الموت فينا وفيكم الفزعُ
أخزاكم الله في الغزاة   فما رأى الورى مثلكم ولا سمعوا
حين الشعوب انتقت أعاديها   لم نشهد القرعة التي اقترعوا

"ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے حملہ آوروں کو دیکھا ہے، مگر خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ تم میں بڑی انوکھی چیزیں ہیں۔ ساٹھ برس گزر گئے، مگر تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی۔ ہم میں تو موت رچی بسی ہے، لیکن تم میں اب بھی خوف ہی خوف ہے۔ اللہ تمہیں حملہ آوروں میں بھی رسوا کرے، کیونکہ دنیا نے نہ تم جیسے دیکھے ہیں اور نہ ہی تم جیسا کوئی سنا ہے۔ گرچہ قومیں خود اپنے دشمن چنتی ہیں، مگر ہم نے کبھی ایسی قرعہ اندازی نہیں دیکھی جیسی تم نے کی ہے۔"

ہائے ابو عبیدہ! ہم آپ کی دید و زیارت کے لیے مچلتے رہیں۔ عشق و عقیدت کی جولانی نے آپ کے نین و نقش کو دیکھ تو لیا لیکن افسوس اس وقت آپ ہمارے درمیان نہ تھے۔ تاریخ مجاہدوں سے بھری پڑی ہے لیکن ابو عبیدہ کی تاریخ الگ لکھی جائے گی۔ نہ نام و نمود کی خواہش نہ جاہ و حشمت کا شوق، نہ نمائش اور شہرت کا خیال۔ ہائے ایسے اخلاص کے پیکر، چشمِ فلک نے بہت کم دیکھے ہوں گے!

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

بہت ہی کم نظر آیا مجھے اخلاص لوگوں میں
یہ دولت بٹ گئی شاید بہت ہی خاص لوگوں میں

وہ ایک عجیب شخص تھا جو خوشبو کے حوالوں کی طرح چہار سو پھیلا ہوا تھا۔ وہ اندھیروں میں اجالوں کی طرح تھا، وہ بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے تھے۔ وہ اپنوں کے لیے امن و الفت کا پیام تھا، غاصبوں کے لیے شمشیرِ بے نیام تھا۔ وہ اشداء علی الکفار رحماء بینهم

کی عملی تصویر تھا۔ اس کی شعلہ بار تقریروں سے دشمنوں کے دل دہلتے تھے۔ عسکری ترجمان کے خطابات میں غیر معمولی معنوی طاقت پائی جاتی تھی اور یہی قوت انہیں فکری وقار عطا کرتی تھی اور ان کے خطابات کو مختلف زاویوں سے تجزیے کے قابل بناتی تھی۔ ابو عبیدہ کی آواز میں خاص کشش، گہرائی اور ٹھہراؤ پایا جاتا تھا۔ ان کا طرزِ خطاب اور آواز کا زیر و بم اس قدر متوازن ہوتا تھا کہ سامعین کے دل میں صداقت کا احساس پیدا ہو جاتا تھا۔

خطابت کی دنیا پہ ہے حکمرانی　　دلوں کو جگاتی ہے سحر البیانی
فدا ان کی تقریر پر ہے یقیناً　　گلوں کا تبسم کلی کی جوانی

ابو عبیدہ کے مزاحمتی خطابات میں زبان کے مختلف موضوعات پائے جاتے تھے، تاہم ان میں دینی اور انقلابی پہلو سب سے نمایاں رہا۔ ان کا مزاحمتی خطاب قوت، وقار اور مضبوطی کی واضح مثال تھا، کیونکہ آپ اس میں نہایت شستہ، باوقار اور فصیح عربی زبان استعمال کرتے تھے، جو سامع پر گہرا اثر ڈالتی تھی۔ ان کے خطابات میں دینی رنگ نمایاں طور پر جھلکتا تھا، وہ اکثر اپنی گفتگو کا آغاز قرآنِ کریم کی آیات سے کرتے تھے، اور یہ آیات براہِ راست خطاب کے موضوع سے جڑی ہوتی تھیں۔ جب وہ دشمن کا ذکر کرتے تھے تو طنزیہ اور تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے، وہ کہتے: شراذم الأمم يا أبناء اليهودية سمح الله۔ اس انداز سے وہ دشمن کے رعب کو توڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اہلِ غزہ سے خطاب کرتے وقت ان کا انداز بالکل جداگانہ ہوتا تھا۔ وہ طاقت و ہمت، ثابت قدمی اور حوصلہ بخش الفاظ استعمال کرتے تھے اور عوام کو یہ احساس دلاتے تھے کہ وہ اکیلے نہیں ہیں۔ وہ کہتے: أنتم منا و نحن منكم، أنتم تيجان فوق رؤوسنا۔

زبان پر ان کی مضبوط گرفت نے اور الفاظ کے نہایت محتاط انتخاب نے ان کے خطابات کو غیر معمولی طاقت بخشی۔ وہ الفاظ کو ایسے خاص معنی دیتے تھے جو براہِ راست فلسطینی عوام کی مزاحمت سے جڑے ہوتے تھے، اور اسی چیز نے ان کے خطابات کو ایک منفرد اور الگ شناخت عطا کی۔ قرآنِ کریم کی آیات اور نبی ﷺ کی احادیث اور عربی اشعار کے حوالوں سے خطابات کو وسعت حاصل ہوئی، ان کے مقاصد واضح ہوئے اور ان کا پیغام مؤثر انداز میں عوام تک پہنچا۔

خطابت میں یکتا فصاحت کا پیکر　　فرعونوں پہ بھاری یہ آتش نوائی
بیاں آج کیسے ہو سوزِ دروں　　بہت ہے گراں تیرا داغِ جدائی

ابو عبیدہ اپنے عہد کی ایک عہد ساز شخصیت تھی، جس نے بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک کے دلوں کو مسخر کر کے ان میں اپنی جگہ بنالی۔ وہ دلوں پہ راج کرنے والا ایک عظیم شہزادہ تھا، اس کی جدائی پر دل کی ویرانیاں مجھے افسردہ رکھتی ہیں۔ سینکڑوں طوفان زیرِ لب لفظوں میں دبے ہیں، سوچتا ہوں آج حضرتِ انسان شہرت کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا، نام و نمود کے لیے کن کن اسباب کا سہارا نہیں لیتا، لیکن اس جانباز کو دیکھیے دنیا والوں سے پوشیدہ رہا، حقیقی نام بھی پس پردہ رہا، لیکن خالق کائنات نے محبوبیت و مقبولیت کا تاجدار بنا دیا۔ لوگ ناموری کی جستجو میں رہے وہ گمنام بے نام ہو کے بھی نامور ہو گیا۔ اس مالک و بے نیاز کی عجیب بے نیازی ہے، وہ کبھی بغیر نام و چہرے کے مقبولیت عطا کر دیتا ہے۔ مجھے حیرت تو تب ہوئی جب ایک شخص بیس برس سے زائد عرصہ تک نقاب میں رہتے ہوئے دشمن کے مضبوط ترین جاسوسی نظام سے محفوظ رہا اور عام انسانوں کی طرح کھلے معاشرے میں زندگی گزارتا رہا۔ اس کی آواز منفرد تھی، چہرہ لوگوں کے سامنے تھا، مگر اصل شناخت کسی پر منکشف نہ ہو سکی۔ وہ یونیورسٹی میں تدریس بھی کرتا تھا، بازاروں میں آتا جاتا بھی تھا، مسجد میں نماز بھی ادا کرتا اور لوگوں سے میل جول بھی رکھتا تھا، مگر لوگ اسے پہچان نہ سکے۔ یہاں تک کہ اس کی شہادت بھی کسی خفیہ سرنگ یا محفوظ ٹھکانے میں نہیں ہوئی بلکہ اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے سہتے ہوئی۔ یہ سب انسانی حکمتِ عملی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت اور نصرتِ غیبی کا مظہر ہے۔ معلوم ہوا کہ جب اللہ کسی کی حفاظت فرمائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

کیا پیش کروں تم کو کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جاں بھی تمہاری ہے
نقشہ ترا دل کش ہے صورت تری پیاری ہے
جس نے تمہیں دیکھا ہے سو جان سے واری ہے

آخر میں مجھے شہید ابو عبیدہ کے وہ آخری دل سوز کلمات بار بار جھنجھوڑ رہے ہیں۔ جاتے جاتے وہ کہتے گئے: انتم خصومنا أمام الله! کبھی یہ خیال آتا ہے کہ اہل فلسطین کو بے سہارا چھوڑنے کے جرم میں کہیں اجتماعی عذاب ہمیں آنہ گھیرے۔ ذہن ورطۂ حیرت میں ہے کہ نہ جانے امت کا یہ جمود کب ٹوٹے گا، ابو عبیدہ اپنے آخری خطاب میں امت کے سربرآوردہ شخصیات سے مخاطب ہو کر نہایت درد بھرے انداز میں کہتے ہیں:

''ہم تاریخ سے نہایت درد و الم کے ساتھ اور اپنی امت کے تمام فرزندوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: اے امت مسلمہ و عربیہ کے رہنماؤ! اے امت کی اشرافیہ اور اے بڑی بڑی جماعتو اور اے علمائے امت! تم اللہ کے حضور ہمارے فریقِ مخالف ہو۔ تم ہر یتیم بچے، ہر گود اجڑی ماں، ہر بے گھر، دربدر، زخم خوردہ، دکھی اور بھوکے انسان کے دشمن ہو۔ تمہاری گردنیں اُن دسیوں ہزار بے گناہوں کے خون کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں، جنہیں تمہاری خاموشی نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اگر اس مجرم، نازی صفت دشمن کو سزا کا خوف ہوتا، خاموشی کا یقین نہ ہوتا، اور بے وفائی کا خدشہ ہوتا تو وہ تمہارے سنتے کانوں اور دیکھتی آنکھوں کے سامنے نسل کشی کا ارتکاب نہ کرتا۔ ہم اس بہتے خون کی ذمہ داری سے کسی کو بری نہیں کرتے، اور نہ ہی اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جس کے پاس حرکت، اقدام اور اثر و رسوخ کی ذرا سی بھی طاقت موجود ہے۔ ہر ایک کو اس کی استطاعت کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳ پر)

من ورآء الملثم![1]

اَمل طارق

یوں تو امتِ محمدیہ کا کوئی دور بھی ابطال و رجال کے وجود سے خالی نہیں رہا۔ لیکن انیسویں و بیسویں صدی، خصوصاً سقوطِ خلافت کے بعد سے امّت پر جو اجتماعی جمود طاری تھا اور امّت کے خاص و عام 'ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود' کا نوحہ پڑھتے نظر آتے تھے، بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں کے آغاز سے ہی صفحۂ تاریخ ایسے ایسے ستاروں کی تابانی سے چمک اٹھا ہے کہ جن کی روشنی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے اور اہلِ عزم و ہمت کے لیے نہ صرف مشعلِ راہ، بلکہ اپنا اپنا جگر آزمانے کی ایک مستقل و مسلسل دعوت ہے۔ شیخ عبد اللہ عزامؒ اور شیخ احمد یاسینؒ، جنہوں نے امّت کو راہِ عمل دکھائی، سے لے کر اسامہؒ بن لادن و ملّا محمد عمرؒ تک، جنہوں نے امّت کو عروج کی راہ پر گامزن کیا، اس مقصد کے حصول کی خاطر مال و دولت، حکومت و اختیار، اور زندگی کا ہر لمحہ قربان کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ وہ الظواہری کی فکر و نظر ہو، جس نے شرق تا غرب کتنے ہی قاسم الریمیؒ، عطیۃ اللہ اللیبیؒ، احمد فاروقؒ اٹھا کھڑے کیے، یا اسمٰعیل ہنیہؒ کی پر مغز سیاست ہو...... غرض کہ یہ فہرست طویل ہے۔ اس میں موجود ہر ایک نام اس لائق ہے کہ اس پر کتابیں لکھی جائیں۔ وہ کس شان سے جیے، اور جب اس امتحان گاہ سے جانے کا وقت آیا، تو کس ڈھب سے مقتل کو چلے...... وہ سنوارؒ کا عصا ہو جو لحۂ آخریں بھی مدافعانہ بلند ہوتا ہے اور مسلسل جہاد میں گزاری زندگی کی داستان اس آخری عمل میں سمٹ کر آ جاتی ہے۔ یا وہ کسی گمنام زخمی مجاہد کا اپنے ربّ کے حضور آخری سجدہ ہو، جس میں وہ اطاعت و محبت سے لبریز روح، اپنے حصّے کی گواہی دے کر اپنے محبوب رب کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔ امّت کے ان بیٹوں نے ثابت کیا ہے کہ اس امّت کی ماؤں کی گودیں آج بھی ہری ہیں، ان کی آغوش میں آج بھی طارقؒ و قاسمؒ پل رہے ہیں، اور زوال و انحطاط کے اس دور میں بھی یہ امّت ایمان و یقین اور خوش امیدی کی بے بہا دولت سے تہی نہیں ہے۔

ادیبوں کے پاس الفاظ ختم ہو گئے، شعراء کے اشعار کم پڑ گئے...... ان ابطال کی کہانیاں لکھتے لکھتے روشنائی بھی ساتھ چھوڑ گئی۔ مگر یہ کہانیاں ختم نہیں ہوئیں۔ ہر دور، ہر خطہ، ربّ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر اپنے لعل و گہر پیش کرتا رہا۔ انہی میں سے ایک انمول گہر کا نام ابو عبیدہؒ ہے۔ وہ نقاب پوش جس کی محبت میں صرف امّتِ مسلمہ ہی نہیں بلکہ اس دنیا کا ہر انصاف پسند ذی شرف انسان گرفتار ہو گیا۔ دنیا پر قابض قوتیں اسے 'دہشت گرد' قرار دیتی رہیں، لیکن یہ قوتیں بھی اپنے تمام تر وسائل، اپنے پروپیگنڈے اور نشرِ حقیقت پر عائد کردہ اپنی پابندیوں کو ناکام ہوتے دیکھ کر بے بسی سے دانت پیسنے کے سوا کچھ بھی کرنے سے معذور ہیں، جب وہ دیکھتی ہیں کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود، جسے وہ 'دہشت گرد' کہتے ہیں، وہ دنیا کے انصاف پسندوں کے نزدیک عزت و شرف اور باطل کے سامنے مزاحمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ نقاب پوش بطل کون تھا جس کے اصل نام سے بھی دنیا کی اکثریت واقف نہیں؟ وہ کس بات کے لیے کھڑا ہو گیا؟ وہ کیا کہتا تھا؟ وہ کس مقصد کی خاطر لڑتا رہا، اس نے نہ قلّتِ سامان کی پروا کی، نہ سردی و گرمی کی تکلیفوں کی، نہ اپنے فاقہ زدہ جسم کا لحاظ کیا نہ دشمن کی تعداد و قوت ہی اسے اپنے موقف سے ہٹنے پر مجبور کر سکی...... وہ کون تھا کہ جب وہ بولتا تھا تو دنیا دم سادھے اسے سنتی تھی، وہ کون تھا جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ پہروں منتظر رہتے تھے، حالانکہ اس نقاب پوش کا اصل چہرہ کبھی کسی نے دیکھا تک نہ تھا۔

وہ نقاب پوش جس نے کبھی اپنی ذات کی تشہیر نہ چاہی، جو ہمیشہ ایک رمزی نام کے پیچھے مستور رہا، حتیٰ کہ ایک تنظیم، ایک فکر اور ایک جدوجہد کی علامت بن گیا۔ آج اس کے محبّین کی ایک بڑی تعداد دنیا کو اس کی اصل شناخت سے متعارف کروا رہی ہے۔ کہنے کو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، اور بیان کرنے کے لیے اس کی شخصیت کے ہزارہا پہلو ہیں۔ سیکھنے کے لیے اس کی شجاعت و بہادری، اس کی استقامت، اس کی فصاحت و بلاغت، اس کا غیر متزلزل ایمان...... یہ سب اسباق دنیا کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح پڑے ہیں...... پس جو کوئی خود میں استعداد پائے تو اس منبعِ ایمان و استقامت سے استفادہ کرے۔ لیکن ہمارا موضوع آج اس نقاب پوش کی اپنی ذات نہیں، بلکہ اس کے پیچھے چھپا وہ دوسرا نقاب پوش ہے جس کے صبر و استقامت نے حذیفہ سمیر الکحلوت کو ابو عبیدہؒ کی جاں گسل ذمہ داریاں نبھانے کی طاقت و ہمت بخشی۔ جس کے نازک کندھوں نے اس بوجھ کو اٹھانے میں مدد کی جو اکیلے ابو عبیدہؒ کا نہیں تھا، بلکہ پوری امّت جس کی سزاوار تھی۔ جس کی دعائے نیم شب نے ربع صدی تک اس کی حفاظت کی، جس نے اس سے وعدہ کیا...... 'معک حتی الموت'، اور پھر صنفِ نازک ہونے کے باوجود مردانہ وار اس وعدے کو سچ کر دکھایا۔

امّ ابراہیم اسراء غسان جبر، غسان جبر (ابو ہمام) کی بیٹی تھیں، جو مخیم الجبالیا کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ غسان جبر نے اپنی دونوں بیٹیوں، لطیفہ اور اسراء کی شادیاں مجاہدینِ قسام سے کیں۔ لطیفہ کی شادی راعد اللدوی (ابو الفہد) سے ہوئی جو پہلی انتفاضہ کے دوران مخیم الجبالیا میں قسام کے ایک اہم کمانڈر رہے۔ ۲۰۲۳ء میں لطیفہ اپنے شوہر اور خاندان کے ۱۷ دیگر افراد کے ہمراہ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔ جبکہ اسراء کی شادی حذیفہ سمیر الکحلوت سے ہوئی، جب انہیں قسام کا ترجمان مقرر ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا۔ اسراء نے غزہ کی اسلامی یونیورسٹی سے میڈیا اور جرنلزم کی تعلیم حاصل کی۔ انہی کے ڈپارٹمنٹ سے

[1] نقاب پوش کے پیچھے

تعلق رکھنے والی یسریٰ اکلوک کہتی ہیں کہ: ''وہ مجھ سے ایک سال سینیئر تھیں، اور ہم اکثر مشترکہ کورسز اور کلاسز میں اکٹھے ہوتے، لیکن نہ صرف میں بلکہ ہمارے ساتھ پڑھنے والی اکثر طالبات اس بات سے بے خبر تھیں کہ اسراء کے شوہر کون ہیں۔ اسراء کی شہادت پر ہی ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ خوبصورت و خاموش لڑکی ہی نقاب پوش مجاہد کی بیوی تھی۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہر نقاب کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے...... جو اس راز اور وعدے کی حفاظت کرتی ہے۔ اور حذیفہ کے پیچھے اسراء جبر تھی......''

مجاہدین قسام کو سرنگوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچانے کے طعنے دینے والے اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ ان مجاہدین کے اہل وعیال غزہ کی عام عوام کی طرح بھوکے پیاسے، ہر قسم کے تحفظ سے محروم، اپنی عوام کے ہمراہ خیموں میں ہی زندگی بسر کرتے رہے۔ اسراء اگرچہ شیخ ابو عبیدہ کی اہلیہ تھیں، لیکن دیگر قائدین کے اہلِ خانہ کی طرح انہوں نے بھی اس طویل و کٹھن جنگ کا مکمل عرصہ اپنے بچوں کے ساتھ خیموں میں گزارا۔ بلکہ اپنے شوہر اور ان کے ساتھیوں سے روابط کٹ جانے کے سبب ان کی حالت عام لوگوں سے بھی زیادہ سخت تھی۔ کتنی ہی راتیں گزر جاتیں جب ان کے بچوں کے پاس رزق کی شکل میں کلام اللہ کی آیات کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ غذا کی نایابی کے اس دور میں اسراء اپنے بچوں کو آیاتِ الٰہی سے صبر کی تلقین کرتیں۔ اس منظر کا تصور کرنا چاہیں تو تصوّر بھی مشکل ہو جاتا ہے، چار چھوٹے چھوٹے بچے...... ابراہیم، منۃ اللہ، یمان اور ننھی لیان...... اور ان کی تنہا ماں جو آزمائش کے یہ دن صبر و استقامت سے گزارتی ہیں۔ ایسی شدید ابتلا کے دوران کہ جب سردیوں میں سردی سے بچنے کے لیے کپڑے نہیں، جب بارش وبمباریوں سے پناہ دینے کے لیے خیمے کے مہین کپڑے کے سوا کوئی چھت نہیں، جب پانی اور خوراک حاصل کرنا مردوں کے لیے جوئے شیر نکال لانے سے کم نہیں، ایسے میں یہ اکیلی خاتون کلام اللہ کے سہارے خود کو اور اپنے بچوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ اس کا شوہر ظالم و قابض یہودیوں کے خلاف برسرِپیکار ہے، یہ خاتون نہ صرف یہ کہ اپنے رب کے سہارے جیے جاتی ہیں، بلکہ کیا خوب زندگی ہے، کیسی پر سعادت زندگی ہے، کہ ایسی زندگی صرف خوش بختوں کے حصّے میں آتی ہے۔

کہتے ہیں کہ اسراء نے اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کی خاطر قرآنِ مجید حفظ کیا۔ اور جنگ کے دو سالوں کے دوران ان کی بیٹی منۃ اللہ نے معاہدے سے کچھ عرصہ قبل ہی تحفیظِ قرآن مجید مکمل کی۔ وقتِ شہادت اسراء سورۃ البقرۃ کی تلاوت میں مشغول تھیں۔ اللہ اللہ...... یہ کیسے کیمیاگر تھے جنھوں نے ہر ابتلاء کو نعمت میں ڈھال لیا۔ جنھوں نے خود پر پڑی آزمائش و مشکل کے دور کو جنت کمانے کے بہترین موقع میں تبدیل کر لیا۔ جنھوں نے اپنی بھوک و پیاس اللہ کی آیات سے مٹائی۔ جنھوں نے اپنے خوف اور تمنائیں سب اپنے ربّ کے سپرد کر دیں، جس نے پھر انہیں ایک لمحے کو بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ سوچنے لگیں تو مافوق الفطرت لگتے ہیں یہ لوگ...... ناقابلِ یقین عزم و ہمت کے مالک، ناقابلِ شکست ایمان کے حامل...... مگر وہ انسان تھے، ہمارے آپ کے جیسے، گوشت پوست کے بنے انسان۔ اسراء کو کہیں سے اسرائیل کا تقسیم کردہ اشتہار ملا، جس میں ابو عبیدہ کے حوالے سے معلومات پہنچانے والے کے لیے کثیر انعام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس اشتہار میں سے ابو عبیدہؒ کی تصویر پھاڑ کر اپنے ۱۲ مربع فٹ کی پناہ گاہ کی دیوار پر لگالی، کیونکہ وہ ایک انسان تھی۔ اپنے شوہر سے محبت کرنے والی، اس کی وفادار، اور اس کے فراق میں اس کی اولاد کی اس کی منشاء کے مطابق تربیت کرنے والی۔

۲۰۲۵ء کے موسمِ گرما میں لیان، یمان اور منۃ اللہ تو اپنے والدین کے ساتھ اس دنیا کو الوداع کہتے عازمِ جنّاں ہوئے، لیکن ابراہیم...... کہ جس کے نام پر اس کے دونوں والدین کی کنیت ہے، کے حصّے میں ان سب کی جدائی آگئی۔ آگ و آہن کی برسات میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے والا یہ بچہ، جس کو ننھیال و ددھیال کی جانب سے پورا خاندان ہی ایسے جفاکش ابطال کا ملا جنھوں نے اپنے دین کے نام پر بے شمار قربانیاں دیں، جو اسراء کی گود میں پلا، جس نے اپنی ماں کو ہر رات بلا ناغہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے دیکھا، اپنی اولاد و شوہر کے حق میں بے شمار آہ و فریاد کرتے پایا...... اگر اسرائیل آج ابراہیم سے بچوں سے خوفزدہ ہے تو اسے خوفزدہ ہونے کا حق ہے۔ کیونکہ یہ وہ بچے ہیں جو ہر دور میں ابو عبیدہ بن الجراح کی سنّت پوری کرتے ہیں۔ جو اس امّت کی عزت و حمیت کے امین ہیں۔ یہی وہ بچے ہیں جو آج کے فراعنہ کا تختِ الٹائیں گے اور اپنے آباء کے خواب کو زندہ تعبیر بخشیں گے...... کیونکہ اس امت کی ماؤں کی گودیں، آج بھی ابراہیم وابوعبیدہ تیار کر رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆

شہیدِ حقیقی کی پہچان

''شہید...... وہ شخص ہے، جو اعلائے کلمۃ اللہ اور ترقیٔ دین کے لیے جان دینے کو تیار ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے جو کسی نے پوچھا کہ 'بعض آدمی طمع مال میں لڑتے ہیں، اور بعضے بوجہِ عصبیت، یعنی بوجہِ قرابت و حمیتِ قومی، اور بعضے بغرضِ ناموری؛ ان میں سے ''شہید'' کون ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا (بخاری)'۔ غرض شہادت اس صورت میں عوارضِ ہمت اور قوت عملی میں سے ہوئی اور شہید اول درجے کا آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہوا، اور اسی وجہ سے شاید شہید کو شہید کہتے ہیں، یعنی بروزِ قیامت وہ شاہد ہو گا کہ فلاں شخص حکمِ خدا مان گیا تھا اور فلانے نے نہیں مانا؛ کیونکہ اس بات کی اطلاع جیسی آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو ہو سکتی ہے، اتنی اوروں کو نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی گواہی اس باب میں ایسی سمجھیے، جیسے کسی مقدمے میں ملازمانِ سرکاری کی گواہی۔''

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (نوّر اللہ مرقدہ)

(بحوالہ تحذیر الناس ص ۲۱،۲۲)

ابو عبیدہ: مسکن مرا آسماں ہو گیا!

قاضی ابو احمد

ابو عبیدہ وہ نام ہے کہ جسے لیتے ہی صبر، ثبات، استقلال، جذبات اور عزم و ہمت جیسے الفاظ ذہن میں آتے ہیں، نا صرف اس شخصیت کے لیے بلکہ اس کی اس قوم اور اس تحریک کے لیے کہ جس کی ترجمانی نے اسے دنیا بھر کے اہل ایمان و اہل جہاد کے جذبات اور احساسات کا ترجمان بنا دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس چلے گئے، جہاں ہر ذی روح نے جانا ہے البتہ انہیں اللہ نے اس واپسی سے نوازا جو موت نہیں بلکہ دائمی زندگی کی نوید ہے۔ اس دنیا میں جس جس کا وقت پورا ہوتا جاتا ہے وہ واپس روانہ ہو جاتا ہے مگر بعض افراد اس شان سے جاتے ہیں کہ دنیا سے ان کا جانا ان کے اخلاص، ان کی لگن، ان تھک محنت اور ان کے رستے کے حق ہو جانے کی گواہی بن جاتا ہے۔

ہم بنیادی طور پر انہیں ایک شخص کی حیثیت سے نہیں، ایک چہرے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی آواز کی حیثیت سے جانتے ہیں کہ جس سے فولادی عزم جھلکتا ہے، جو بدترین حالات میں بھی صبر و حکمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، جس کے بیانات عمل سے خالی بڑھکوں اور دھمکیوں پر مبنی نہیں بلکہ ولولے، عزم اور استقامت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جو اپنے مقصد کو، فلسطین کی آزادی کو، اسلامی تاریخ سے جوڑتے ہیں، جو صلاح الدین ایوبی کی جدوجہد سے ان تھک محنت کا ولولہ حاصل کرتے ہیں۔ جو قبلہ اوّل کو کفار کے ہاتھوں سے چھڑانا اپنا فرض گردانتے ہیں اور جن کی تحریک مفروضوں پر نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے مضبوط ستونوں پر قائم ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اہل غزہ کو امت نے کس کس طرح مایوس کیا مگر جہاں ابو عبیدہ کے بیانات امت کو اس کی کوتاہی کا احساس دلاتے، وہیں ان کا عزم و ہمت یہ ظاہر کرتا کہ وہ امت کی مدد و نصرت کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ امت ان کی مدد و معاونت کی محتاج ہے تاکہ وہ عند اللہ عذر پیش کر سکے۔ نیز اہل غزہ انسان ہونے کے ناتے مسلمانانِ عالم سے مدد، نصرت اور حمایت کی توقع رکھتے ہیں مگر اس کے بغیر بھی، ہمہ نوع آزمائشوں تلے، ان کے حوصلے ماند نہیں پڑے۔ آج اس وقت یہ سطریں لکھتے ہوئے، انگلیوں کی پوریں سردی سے جمی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں، باوجودیکہ راقم ایک گھر کے ایک کمرے کے اندر موجود ہے، ایسے میں قریباً کھلے آسمان تلے (نائلون کے خستہ حال، مہین خیموں کا ان بارشوں، آندھیوں اور سردی میں ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہی ہے) دن رات گزارنا، جبکہ نہ پیٹ بھرنے کو خاطر خواہ سامان موجود ہو اور نہ ہی گرمائش کا کوئی انتظام، وہ خیمہ کہ جو ان کی واحد پناہ گاہ ہے وہ پانی سے بھرا ہوا ہے، ان کے لباس اور کمبل گیلے ہیں اور اس پر مستزاد پے در پے بمباریوں، گرفتاریوں، بیماریوں، شہادتوں اور غیر یقینی مستقبل جیسے دہلا دینے والے حوادث کا سامنا دو سال سے زائد عرصے سے کرنے والے اہل غزہ کی استقامت منہ پر اور اعصاب پر ایک طمانچے کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ پس فلسطینی قوم نے اس جارحیت تلے اپنے ہر عمل سے یہ واضح کر دکھایا ہے کہ وہ ویسا ہی عزم و ہمت اور حوصلہ رکھتے ہیں کہ جیسا ابو عبیدہ اپنے بیانات میں بیان کرتے ہیں اور جس کی توفیق اللہ رب العزت کی ذات اور صفات پر پختہ ایمان کے بغیر نہیں مل سکتی۔

جولائی کے مہینے میں آنے والا ابو عبیدہ کا آخری مفصل بیان اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے کرنے اور انہیں اللہ رب العزت کے سامنے جوابدہی کے خوف سے کپکپانے پر مجبور کر گیا۔ ان کے الفاظ برچھیوں کی طرح اہل ایمان کے دل میں کھب گئے اور پھر ان کی شہادت نے گویا اہل ایمان کو گنگ کر دیا۔ جانے والے اپنی جان سے چلے گئے، اپنے خون کا آخری قطرہ تک وار گئے مگر امت جہاں تھی وہیں کھڑی ہے، بلا جنبش!

انہیں چاہنے، سراہنے اور زبان سے ان کی تائید کرنے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر ضرور دیکھنا چاہیے کہ ابو عبیدہ کی سحر انگیز شخصیت کے سحر نے ان کے طرزِ زندگی کو کس قدر تبدیل کیا اور ان کے جوش و ولولے نے ان کے سرد جذبات کو کس حد تک گرمایا اور ان کے پیہم عمل نے ان کے منجمد ارادوں کو کس درجے میں عمل میں ڈھالا؟ وہ گریبان کہ جو قیامت کے دن ابو عبیدہ اور اہل غزہ کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ اللہ کے سامنے فریاد کریں گے کہ ہم نے انہیں پکارا، یہ ہماری مدد و نصرت پر قادر تھے، یہ جس قدر بھی استطاعت رکھتے تھے کیا انہوں نے اس کے مطابق ہماری مدد کی؟ ان کے سامنے ہمارے بچے کٹتے رہے، مرتے رہے، ان کے سامنے ہمارے جوان قید ہو کر بدترین تشدد سہتے رہے، ان کے سامنے ہمارا ایک ایک گھر مسمار ہو گیا، ان کے سامنے ہزاروں جنازے اٹھے، ان کے سامنے ہمارے اہل غزہ بھوک سے تڑپے، پیاس سے سسکے، علاج کے لیے ترسے، مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ انہوں نے فقط اپنی انگلیوں کی خفیف سی حرکت سے سوشل میڈیا پر ہمارا پیغام دیکھا اور اس کو ری پوسٹ کر کے سمجھا کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ پس آج اے اللہ! ان سے ہمارا بدلہ لیجیے، آج ان سے جوابدہی کیجیے اور آج ہمیں ہمارا حق دلائیے!

اور پھر بعض بدنصیب وہ بھی رہے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو مسلم کہتے ہوئے بھی ابو عبیدہ اور ان کی تحریک کی مخالفت کی۔ ان کا مضحکہ اڑایا اور کہا کہ چہرے چھپا کر لڑنا کہاں کی سنت ہے، ہمت ہے تو چہرہ کھول کر میدان میں آؤ۔ ان کہنے والوں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ چہرے چھپانا بزدلی کی علامت نہیں بلکہ اپنی شناخت چھپانا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے احکام کے مطابق ہے کہ دشمن سے اپنی حفاظت کی جائے اور ان کے سامنے خود کو ترنوالہ بنا کر پیش نہ کیا جائے۔ نیز چہرہ چھپا کر اپنے مقصد کی طرف توجہ دلانا یہ واضح کرتا ہے کہ کہنے والے کو اپنی ذات سے بڑھ کر اپنے مقصد سے عشق ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۰ پر)

غزہ بنے گا ایک اور بنتوستان

وسعت اللہ خان

سیٹلر کولونیل ازم (Settler Colonialism) یا آبادکار سامراجیت کا تجربہ تب تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک آپ مقبوضہ علاقے کے اصل باشندوں کو صفحۂ ہستی سے نہ مٹا دیں یا جلاوطن نہ کر دیں، یا مکمل غلام نہ بنا لیں یا پھر اسی سرزمین کے کسی ایک کونے میں نہ دھکیل دیں۔

شمالی امریکہ میں نیٹیو امریکنز (Native Americans) یا ریڈ انڈینز (Red Indians) کے ساتھ یہی ہوا۔ پانچ سو برس پہلے تک جو اپنے براعظم کے مالک تھے، یورپ سے آنے والوں کے قانونی و اقتصادی و سماجی رحم و کرم پر مختص کردہ چھوٹے چھوٹے خطوں میں محدود کر دیے گئے ہیں۔ ان انسانی باڑوں کے اندر وہ ”خود مختار“ ہیں۔ اسی ماڈل کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں لگ بھگ تین سو برس پہلے پہنچنے والے نووارد گوروں نے مقامی ایبرجنیز کمیونٹیز (Aborigines Communities) پر کامیابی سے لاگو کیا۔

جمہوریت کے امام اور حقوقِ انسانی کے چیمپئن امریکہ نے اپنا سامراجی آبادکار ماڈل محض نیٹیو امریکنز (Native Americans) تک ہی محدود نہیں رکھا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اسے جنوبی ویتنام میں استعمال کیا گیا جب پوری دیہی آبادی کو کھدیڑ کر خاردار تاروں سے گھرے نئے دیہاتوں میں بسایا گیا جن کی پہرے داری امریکی اور کٹھ پتلی جنوبی ویتنامی فوجی کرتے تھے۔ ”سٹرٹیجک ہیملیٹس“ (Strategic Hamlets) نامی اس جبری اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ عام آبادی کو حریت پسند ویت کانگ گوریلوں سے الگ کر کے چھاپہ ماروں کی مزاحمتی کمر توڑی جا سکے۔

ایسی ہی اسکیم جدید سامراجیت کے گاڈ فادر برطانیہ نے ملائشیا (ملایا) میں نام نہاد کمیونسٹ شورش دبانے کے لیے ”نیو ولیجز“ (New Villages) کے نام سے ۱۹۵۰ء کے عشرے میں لاگو کی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اسی برطانیہ نے یہ فارمولا سیاہ فام بغاوت کچلنے کے لیے رہوڈیشیا (Rhodesia) موجودہ زمبابوے میں ”پروٹیکٹڈ ولیجز“ (Protected Villages) کے نام سے آزمایا۔

۱۹۴۰ء کے عشرے میں صوبۂ سندھ کی برطانوی انتظامیہ نے سوریا بادشاہ (پیر پگاڑا) کے حروں کی بغاوت کچلنے کے لیے ان کے علاقوں میں نہ صرف مارشل لا لگایا بلکہ ہزاروں حر خاندانوں کو جبری کیمپوں میں شفٹ کر دیا۔ یہ کیمپ پاکستان بننے کے بعد بھی کئی برس قائم رہے۔

جنوبی افریقہ کے گورے نسل پرستوں نے سیاہ فام اکثریت کے لیے بنتوستان (Bantustan) کے نام سے کچھ علاقے مختص کر کے جغرافیائی پنجرے بنائے اور یہ کہانی گھڑی کہ ان مخصوص علاقوں کی آبادی اندرونی طور پر خودمختار ہے مگر ملک کا مجموعی انتظام مرکزی حکومت (گوری حکومت) چلائے گی۔ ان تمام منصوبوں کا ایک ہی مقصد تھا کہ مقامی آبادی پر مسلسل نظر رکھی جائے، انہیں سر جھکا کے رہنے کی شرط پر جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے امداد دی جائے اور سر سے بغاوت کا خبط نکال دیا جائے۔

یہی ماڈل تھوڑی بہت سفارتی لیپاپوتی کے ساتھ غزہ پر بھی منطبق کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پہلے تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا کہ غزہ فلسطینیوں سے خالی ہو جائے تاکہ ٹرمپ کے خوابوں کے مطابق ساحلی پٹی کو ایک پر تعیش تفریح گاہ اور کمرشل پراپرٹی میں بدلا جا سکے اور خالی زمین نئی یہودی بستیوں سے پر ہو سکے۔ چند مغربی اور عرب ممالک نے اس تصور کی مخالفت کی تو بظاہر غزہ خالی کرانے کی تجویز کو ایک جانب رکھ دیا گیا۔

کچھ عرصے بعد میڈیا میں یہ غبارہ چھوڑا گیا کہ اسرائیل جنوبی سوڈان سمیت کئی ممالک سے بات چیت کر رہا ہے کہ بھاری امداد کے عوض وہ غزہ کے فلسطینیوں کو اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس دوران اسرائیلی وزیر دفاع نے کہا کہ جنوبی غزہ کے شہر رفاہ کے ملبے پر اسرائیل ایک ہیومینیٹیرین سٹی (کنسنٹریشن کیمپ) تعمیر کر رہا ہے جس میں تشدد سے بیزار لاکھوں فلسطینی پرامن طور پر رہ سکیں گے اور اس سٹی کا کنٹرول اسرائیلی فوج کے پاس ہو گا۔ مگر اس منصوبے کے بارے میں بھی خبریں چند دن میں دم توڑ گئیں۔

مگر اب غزہ کو تقسیم کرنے کا خواب ٹرمپ کے بیس نکاتی امن منصوبے میں سلیقے سے چھپا کے اس پر اقوامِ متحدہ کا ٹھپہ لگوا لیا گیا ہے۔ ٹرمپ منصوبے کے نفاذ سے پہلے ہی اسرائیل کو غزہ کے ترپن فیصد حصے پر براہِ راست فوجی قبضے کا موقع دیا گیا۔ اس حصے کو گرین ایریا کا نام دیا گیا۔ بقیہ سینتالیس فیصد حصے کو ریڈ زون کا نام دیا گیا۔ دونوں حصوں کو اسرائیل کی ایجاد کردہ نام نہاد خیالی زرد لائن (Yellow Line) تقسیم کرتی ہے۔ اس کے قریب پھٹکنے کا انجام موت ہے۔

جنگ بندی کے باوجود بہانے بہانے سے بمباری جاری ہے اور اسرائیل نے غزہ میں مادی اور غذائی امداد کی ترسیل بھی روک رکھی ہے۔ غزہ کی تعمیرِ نو کا ٹرمپ منصوبے میں ذکر تو ہے مگر یہ تعمیرِ نو کیسے ہو گی، اسے کنٹرول کون کرے گا، اس کا بجٹ کون دے گا اور تعمیرِ نو کتنے عرصے میں مکمل ہو گی، اس بارے میں اب تک ایک مبہم خاموشی ہے۔ امن سمجھوتے کے تحت حماس کو غیر مسلح ہونا ہے اور غزہ کے انتظام سے مکمل لاتعلق ہو جانا ہے۔ مگر اسرائیل کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ حماس کے خلاف کارروائیاں جاری رکھ سکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۲ پر)

صہیونی مصنوعات کا بائیکاٹ صرف وقتی ردِ عمل نہیں ہے، بلکہ یہ غفلت میں پڑی اُمت کے ضمیر کی بیداری اور اِجتماعی شعور کی پختگی کی علامت ہے۔ صہیونیت کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے تک صہیونی مصنوعات کا بائیکاٹ جاری رکھا جانا چاہیے!

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

قسط ۱۲

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس
عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

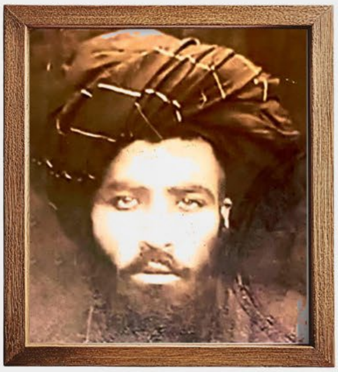

مشرقی صوبوں اور کابل کی فتح

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ طالبان فروری ۱۹۹۵ء میں کابل کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے، تھوڑی مدت کی پُر امن صورتحال کے بعد مسعود کے مسلح لشکر کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔ ۱۹۹۵ء کے ابتدائی مہینوں سے لے کر ۱۹۹۶ء میں سردیوں کے آغاز تک طالبان کابل کے جنوب، جنوب مغرب اور مغربی اطراف میں مسعود کی افواج سے وقفے وقفے سے جنگ میں مشغول رہے۔

مغربی حصے میں جاری جنگ کے ساتھ ساتھ کابل کے اطراف میں جاری جنگوں کی نگرانی بھی ملا صاحب خود کر رہے تھے۔ جس وقت طالبان کابل کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے، ملا صاحب ہیلی کاپٹر کے ذریعے مسلسل غزنی، میدان وردگ اور لوگر صوبوں کا اور وہاں جاری جنگوں اور حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ کابل کی فتح سے کچھ ماہ پہلے لوگر اور میدان شہر میں کابل کے گھیراؤ کے لیے بنائی گئی جنگی صفوں کا معائنہ بھی کیا۔ اس سفر کے دوران ایک حادثہ بھی پیش آیا، ملا محمد عمر مجاہد کے دفتری ملازم بیان کرتے ہیں کہ ملا صاحب نے جب جنگی محاذوں کا جائزہ لینے کے لیے سفر کا ارادہ کیا تو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گاڑی میں قندھار ائیر پورٹ پہنچے، وہاں ذمہ داران کو بلایا تاکہ سفر کے لیے ضروری انتظامات کیے جا سکیں۔ غلام جان نامی پائلٹ نے کہا کہ دو ہیلی کاپٹرز میں سفر کیا جائے کیونکہ افراد زیادہ ہیں۔ یوں اس سفر کے لیے ایک فوجی ہیلی کاپٹر اور ایک عام ہیلی کاپٹر کو تیار کیا گیا۔ ملا صاحب پائلٹ غلام جان کے ساتھ برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جب لوگر پہنچے تو وہاں لوگر کے والی مولوی عبدالکبیر اور دیگر طالبان راہنما استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ علاقہ کابل کے قریب تھا، اور مسعود کے جنگی جہاز یہاں بمباریاں کرتے رہتے تھے، اور ملا صاحب کا ارادہ تھا کہ کچھ وقت یہاں ٹھہریں، لہٰذا ہیلی کاپٹر کو فضائی حملوں میں نقصان سے بچانے کے لیے غزنی بھیج دیا گیا، تاکہ قندھار واپسی تک وہاں رہے۔ ملا صاحب مولوی عبدالکبیر کی میزبانی میں طالبان کے ایک خفیہ مرکز گئے، وہاں محاذِ جنگ کے قریب ہی مجلس کے لیے ایک جگہ کا انتخاب ہوا۔ رات کو ملا بور جان اخند اور ملا مشر اخند کے علاوہ چہار آسیاب اور میدان شہر میں مختلف محاذوں پر سرگرم کئی مجاہدین اور ذمہ داروں سے ملاقاتیں ہوئیں، جنگ کی کیفیت کا جائزہ لیا گیا اور کابل کی جانب پیش قدمی کرنے کے لیے نیا منصوبہ بنایا گیا۔ اس مجلس کے بعد صبح تک عام مجاہدین سے ملاقاتیں ہوئیں، صبح جب ملا صاحب نے قندھار واپسی کا ارادہ کیا تو اطلاع آئی کہ جس فوجی ہیلی کاپٹر میں یہاں آئے تھے، وہ گزشتہ روز غزنی جاتے ہوئے پہاڑی سلسلے میں گر کر تباہ ہو گیا اور اس کا پائلٹ غلام جان بھی اس میں شہید ہو گیا۔

اگرچہ ہیلی کاپٹر کے گرنے کا سبب معلوم نہ ہو سکا، لیکن اتناسب کو پتہ تھا کہ پچھلی حکومت کے چھوڑے گئے اکثر ہیلی کاپٹر اپنے استعمال کی رسمی مدت پوری کر چکے ہیں، اور ان میں سے اکثر میں تکنیکی مسائل پیدا ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان ہیلی کاپٹروں کے گرنے کے واقعات زیادہ رونما ہو رہے تھے۔ ملا صاحب نے قندھار واپسی کے لیے غزنی تک کا سفر بذریعہ گاڑی کیا، پھر وہاں سے دوسرے ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔ ملا صاحب کے ایک ہم سفر بیان کرتے ہیں کہ دوران سفر قندھار پہنچنے سے پہلے راستے میں نماز عصر کا وقت نکلنے لگا اور قندھار پہنچنے تک نماز قضا ہو جاتی۔ اس وقت ملا صاحب نے پائلٹ سے کہا کہ ہیلی کاپٹر کو کسی ندی کے قریب مناسب جگہ اتاریں، تاکہ ہم وضو اور نماز ادا کر سکیں۔ ہیلی کاپٹر کو پانی کی ایک ندی کے پاس اتارا گیا، تمام لوگوں نے نماز پڑھی اور پھر قندھار روانہ ہو گئے۔

اس سفر کے بعد متعدد رہنماؤں نے ملا صاحب کو تاکید کی کہ وہ موجودہ ہیلی کاپٹروں میں سفر کرنے سے اجتناب کریں، کیونکہ ان میں حادثات کثرت سے ہو رہے تھے اور ہر پرواز کسی خطرے سے خالی نہ تھی۔ بہر حال بات فتح کابل کی چل رہی تھی۔

آخر کار یہ تاریخی مرحلہ ملا بور جان رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شروع ہونے والی اُن عظیم کارروائیوں پر منتج ہوا جو پکتیکا اور پکتیا سے شروع ہو کر ننگرہار، لغمان اور کنڑ کے کامیاب معرکوں سے گزرتی ہوئی بالآخر کابل کی فتح پر اختتام پذیر ہوئیں۔

جون ۱۹۹۶ء میں طالبان کے دو بڑے مخالفین، برہان الدین ربانی او گلبدین حکمت یار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے "معاہدۂ ماہیپر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے چند ہی دن بعد گلبدین حکمت یار کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا، اور وہ کابل پہنچ گیا۔

حکمت یار جو گزشتہ ڈیڑھ برس سے طالبان اور ربانی کے مابین جاری خانہ جنگی کا تماشائی بنا ہوا تھا، اب ربانی کے ساتھ مل کر طالبان کے خلاف ایک جارحانہ مؤقف (offensive stance) اختیار کر چکا تھا۔ اُس کے مختلف کمانڈروں نے ملک کے کئی حصوں میں جنگی تیاریوں کا آغاز کیا۔

میدان وردگ صوبے میں اس کا کمانڈر ظفر الدین طالبان پر حملہ آور ہوا اور ضلع نرخ پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح پکتیکا کے ضلع ارگون میں حکمت یار کا مشہور کمانڈر خالد فاروقی بھی بر سرِ پیکار ہوا اور متعدد علاقوں کا کنٹرول سنبھال لیا۔

جولائی میں، طالبان نے ملّا بور جان اخند کی قیادت میں ایک بڑا لشکر پکتیکا کے ضلع ارگون کی طرف روانہ کیا۔ یہ لشکر آگے بڑھا اور وہاں موجود حکمت یار کے کمانڈروں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ارگون سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہی دستہ صوبہ پکتیا کی طرف بڑھا اور وہاں کے مشرقی علاقوں میں کارروائیاں شروع کیں، جو اس سے پہلے حکمت یار اور سیّاف کے کمانڈروں کے زیرِ اثر تھے۔

اسی سال ستمبر میں، طالبان نے اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے احمد خیل، زازی اریوب، علی خیل چونی، تور بابا غونڈ اور پھر سپینہ شگہ کے علاقے اپنے قبضے میں لے لیے، اور اس کے بعد صوبہ لوگر کے ضلع ازری کی سمت بڑھنے لگے۔

لوگر کے ضلع ازری اور ننگرہار کے علاقے حصارک پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد طالبان نے جلال آباد کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ جلال آباد میں بر سرِ اقتدار انتظامیہ کے اکثر ارکان (حاجی قدیر گروپ کے علاوہ) پہلے ہی طالبان سے رابطے میں تھے، چنانچہ طالبان کی آمد پر انہوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا۔

اس وقت طالبان ایک سمت سے حصارک کے راستے جلال آباد کی طرف بڑھ رہے تھے، جبکہ دوسری جانب طورخم، جو فرضی سرحدی لکیر پر موجود اہم شہر تھا، وہاں موجود کمانڈروں سے مفاہمت کے نتیجے میں بغیر کسی لڑائی کے طالبان کے قبضے میں آ گیا۔

جلال آباد انتظامیہ کے کئی سرکردہ افراد، جن میں انجینئر محمود، حاجی ساز نور، نادر عرب، نعیم پاچا، محمد اکبر مجددی اور دیگر شامل تھے، طالبان کے خیر مقدم کے لیے طورخم کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مسلح کمانڈر نے ان پر گھات لگا کر شدید حملہ کیا، جس کے نتیجے میں تمام افراد موقع ہی پر شہید ہو گئے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۹۶ء کو طالبان کا تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر جلال آباد شہر کی طرف روانہ ہوا، جہاں اس وقت حضرت علی اور احمد شاہ مسعود کے مسلح کارندے پہلے سے موجود تھے۔ شہر کے مضافاتی علاقے درونٹہ میں طالبان پر گھات لگائی گئی، لیکن تھوڑی ہی دیر میں حضرت علی کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا اور وہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے لغمان کی طرف بھاگ نکلا۔

اب شہر میں صرف کابل انتظامیہ کے چند اہلکار باقی رہ گئے تھے، جن کی مزاحمت نہ ہونے کے برابر تھی۔ چنانچہ مختصر ہی وقت میں پورا جلال آباد طالبان کے مکمل کنٹرول میں آ گیا۔

جلال آباد پر قبضے کے بعد کابل انتظامیہ نے مسلسل فضائی بمباری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی دوران حضرت علی نے ایک بار پھر لغمان کے راستے سے جلال آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور دوراہی کے علاقے سے گزر کر شاہراہِ عام پر وہ آگے بڑھنے لگا۔ طالبان، ملا بور جان اخند کی قیادت میں، اس کے تعاقب میں نکلے، انجامِ کار حضرت علی کو عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس معرکے کے نتیجے میں طالبان نے نہ صرف لغمان کے مرکزی شہر مہترلام پر قبضہ کر لیا بلکہ آس پاس کے کئی دیگر علاقے بھی ان کے زیرِ تسلط آ گئے۔

حضرت علی کے دستے علی شنگ اور دولت شاہ کے پہاڑی علاقوں کی طرف پسپا ہو گئے۔ اس کامیابی کے بعد طالبان، ملا بور جان اخند کی سربراہی میں، ۲۰ ستمبر ۱۹۹۶ء کو صوبہ کنڑ کے صدر مقام اسعد آباد میں داخل ہوئے۔ وہاں کابل انتظامیہ کے ایک کمانڈر شیر افضل نے طالبان کے خلاف لڑتے ہوئے جان گنوائی۔ اس کے مارے جانے کے بعد باقی تمام حکومتی اہلکار علاقہ چھوڑ کر فرار ہو گئے، اور یوں کنڑ مکمل طور پر طالبان کے زیرِ اثر آ گیا۔

کابل کیسے فتح کیا گیا؟

طالبان کا فتحِ کابل آپریشن افغانستان کی جنگی تاریخ کا ایک بے مثال باب ہے۔ ایک مغربی صحافی، ڈیوڈ لاین، ایک عسکری ماہر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ”یہ آپریشن افغانستان کی جاری جنگ کی پوری تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، اس سے پہلے کسی بھی گروہ نے اتنے بڑے پیمانے پر، اتنے پیچیدہ اور فیصلہ کن نوعیت کا کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔“

فتحِ کابل کے عظیم آپریشن میں طالبان کی تعداد سینکڑوں میں تھی، جن کی قیادت ملا بور جان اخند کے ہاتھ میں تھی۔ اسی کے ساتھ وریشمن تنگی (درۂ ریشم) اور لتہ بند کی سمت سے ملا فاضل، ملا عبد الرزاق، ملا دوست محمد، ملا سلام راکٹی، ملا سیف الرحمن منصور، مولوی خوشال ملنگ اور بے شمار دیگر جانباز کمانڈرز کابل کے چاروں اطراف سے معرکہ کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اس پورے آپریشن کی نگرانی، کمک کی تنظیم اور فتح ہونے والے علاقوں کا نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری ملا محمد ربانی اخند کے سپرد تھی، جو مسلسل میدانِ کارزار کی صورتِ حال پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

طالبان کے مقابلے میں حکمت یار اور مسعود کے سینکڑوں جنگی دستے کابل کے مشرقی علاقوں سروبی اور ماہیپر کے پہاڑی دروں میں مورچہ زن تھے۔ کابل کے حکومتی دستوں کی زمینی قوت نہ صرف تعداد میں زیادہ تھی بلکہ انہوں نے پیشگی منصوبہ بندی کے تحت ان علاقوں میں سڑکوں، پہاڑوں کے دامن، دریا کے کناروں، پلوں کے نیچے اور متعدد دیگر مقامات پر بارودی سرنگیں بھی بچھا رکھی تھیں۔

لتہ بند کی سمت سے آپریشن کی قیادت کرنے والے ملا فاضل اخند بیان کرتے ہیں کہ مشرقی افغانستان سے طالبان کی پیش قدمی جب ازری کے علاقے سے ہوتی ہوئی ننگرہار کے حصارک تک پہنچی، تو آپریشن کے مرکزی کمانڈر ملا بور جان اخند نے مجھے حکم دیا کہ چند مجاہدین کے ہمراہ حصارک ہی میں ٹھہروں۔ ان کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ کابل پر دو جانب،

وریشمن تنگی اور حصارک، سے بیک وقت حملہ کیا جائے، تاکہ دشمن کی افواج ایک وسیع محاذ پر الجھادیا جائے اور ان کی جنگی طاقت تقسیم ہو جائے۔

وریشمن درے کی جانب سے آپریشن میں مصروف کمانڈر ملا عبد الرزاق اخند نے روزنامہ ہیواد کی پانچویں جلد کے شمارہ نمبر ۳۲۸ کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا:

> ”وریشمن درے میں دو روز انتظار کے بعد ۳ میزان (۲۳ ستمبر ۱۹۹۶ء) کو ملا بور جان اخند کنڑ سے یہاں پہنچے اور کابل پر حملے اور اس کے قبضے کا منصوبہ مرتب کیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ملا فاضل اخند کی قیادت میں طالبان حصارک کی سمت سے لتہ بند، جگدلک اور پل چرخی کی جانب پیش قدمی جاری رکھیں گے، جبکہ ہم اس طرف سے سروبی کے راستے آگے بڑھیں گے۔“

۲۳ ستمبر ۱۹۹۶ء کی دوپہر ایک بجے، وریشمین درے میں شہید ملا بور جان اخند کی قیادت میں دشمن کی دفاعی پوزیشنوں پر یلغار کا آغاز ہوا۔ کچھ دیر کے سخت معرکے کے بعد دشمن کی دفاعی صفیں ٹوٹ گئیں اور طالبان نے پیش قدمی جاری رکھی۔ اسی روز عصر کے وقت دشمن کی جانب سے ۸۲ ملی میٹر توپ کا ایک گولہ ملا بور جان اخند کے قریب لگا، جس کے پارچے انہیں براہِ راست جالگے اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ ان کے قریبی ساتھیوں نے ان کے جسد پر ایک چادر ڈال کر گاڑی میں منتقل کیا تاکہ دیگر مجاہدین کو ان کی شہادت کا علم نہ ہو اور ان کا مورال متاثر نہ ہو۔

اسی روز اگرچہ طالبان کو مسلسل بمباری، فائرنگ اور بارودی سرنگوں کا سامنا تھا، پھر بھی وہ پیش قدمی کرتے ہوئے سروبی تک پہنچ گئے۔ رات کے وقت طالبان نے سروبی میں حکمت یار کے کمانڈر زرداد کے کیمپ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اسی دوران ملا فاضل کی قیادت میں حصارک کی سمت سے بڑھنے والے طالبان بھی سروبی پہنچ گئے۔

ملا فاضل حصارک کی مزاحمت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”وریشمین درے کی طرف سے حملے سے ایک روز قبل حزبِ اسلامی کے افراد نے ہم پر یورش کی، مگر ہم نے مقابلہ کیا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اگلے دن ملا بور جان اخند نے پیغام بھیجا کہ آج عمومی حملہ ہو گا، تم بھی اپنی سمت سے تیاری کرو۔ چنانچہ ہم نے بھی حملہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے نغلو بند تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد وریشمین درے کی جانب سے آنے والے مجاہدین بھی ہمارے ساتھ آملے۔
>
> اس وقت تک ملا بور جان اخند شہید ہو چکے تھے، مگر ان کے ساتھیوں نے ان کی شہادت کو خفیہ رکھا۔“

اسی مقام پر عشاء کے وقت ملا عبد الرزاق، ملا فاضل اخند، ملا دوست محمد، ملا سلام راکٹی اور ثانی ملا مشر سمیت تمام کمانڈروں نے جمع ہو کر اگلے دن کی جنگ کے لیے منصوبہ بندی کی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ جلال آباد اور حصارک سے آنے والے مجاہدین کو ایک جگہ جمع کرنے کے بجائے الگ رکھا جائے، چنانچہ طے پایا کہ حصارک کے مجاہدین لتہ بند کی سمت حملہ کریں گے، جبکہ جلال آباد کے مجاہدین ماہیپر کے پہاڑی سلسلے کی طرف پیش قدمی جاری رکھیں گے۔

اگلے روز، ۲۴ ستمبر کو، دونوں جانب سے جنگ کا آغاز ہوا۔ ملا فاضل کی قیادت میں طالبان نے چکڑی پر حملہ کیا اور علاقے کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد پیش قدمی کرتے ہوئے غازی بند تک پہنچ گئے۔

ماہیپر کے محاذ کے بارے میں ملا عبد الرزاق یوں بیان کرتے ہیں:

> ”دن کے تقریباً دس بجے ہم نے سروبی کی جانب سے حملہ شروع کیا۔ پیش قدمی جاری تھی اور دشمن کے طیارے اور ہیلی کاپٹر شدید بمباری کر رہے تھے۔ جب ہم بجلی گھر کے قریب والے پل تک پہنچے تو پل کے نیچے سے دھواں اٹھتا محسوس ہوا۔ ایک مجاہد فوراً آگے بڑھا اور دیکھا کہ پل کے نیچے بڑی مقدار میں بارودی مواد رکھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ جڑی آتش گیر بتی (فتیل/فیوز) سلگ چکی ہے، جو لمحہ بہ لمحہ بارود کے قریب بڑھ رہی تھی۔ اس مجاہد نے بڑھ کر بتی کو درمیان سے کاٹ دیا اور یوں پل تباہ ہونے سے بچ گیا۔
>
> دشمن کی کوشش یہ تھی کہ جنگ کے دوران سرنگوں اور پلوں کو دھماکوں سے تباہ کر کے ہمارا راستہ روکے۔ جب ہم ماہیپر پہنچے تو دیکھا کہ وہ مضبوطی سے مورچہ بند تھے۔ تین گھنٹے تک سخت لڑائی جاری رہی۔ دوپہر تک جنگ طول پکڑ گئی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ایک بھرپور اور آخری حملہ کیا جائے۔ اگر کامیابی نہ ملی تو رات وہیں گزار کر دفاعی پوزیشن مضبوط کریں گے۔
>
> اس آخری حملے کے لیے ہم نے ٹینکوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تاکہ سرنگ کے قریب دشمن کے مورچوں پر ضرب لگائی جا سکے۔ انہی ٹینکوں میں سے ایک ٹینک جب سرنگ کی طرف بڑھا تو دشمن کا گولہ اس پر آلگا، جس سے ٹینک میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ سرنگ کے دہانے پر رک گیا جس سے پورا راستہ بند ہو گیا۔ ہم سب انتہائی پریشان ہو گئے، ایک تو راستہ مسدود ہو گیا تھا، دوسرا یہ کہ ٹینک میں موجود گولوں کے پھٹنے کا خدشہ تھا۔ کوئی دوسرا راستہ بھی موجود نہ تھا۔

اسی اضطراب کے عالم میں اللہ کی نصرت کا ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ شعلہ زدہ ٹینک خود بخود پیچھے کی جانب سرکنے لگا، سڑک کنارے بنی پکی دیوار کو توڑتا ہوا نیچے دریا میں جا گرا۔ یوں ہمارا راستہ کھل گیا۔ اس منظر کو دیکھ کر تمام مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے اور سب جوش و جذبے کے ساتھ سرنگ کی طرف دوڑ پڑے۔

جب ہم سرنگ کے اندر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسے تباہ کرنے کے لیے بڑی مقدار میں بارود، پٹاخے اور دیگر دھماکہ خیز مواد جمع کیا گیا تھا، مگر دشمن کو اسے نصب کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔"

۲۴ ستمبر کو طالبان نے سخت اور فیصلہ کن جنگ کے بعد ماہیپر کے راستے پر قبضہ کر لیا۔ شام کے وقت جب طالبان کے دستے ماہیپر سے آگے بڑھ رہے تھے، تو لتہ بند کی سمت سے دیگر مجاہدین نے پیغام بھیجا کہ وہ بھی پل چرخی کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں۔

اسی دوران مس عینک (لوگر) سے یہ خبر موصول ہوئی کہ طالبان کے حملے میں دشمن کا کمر بند، یعنی دفاعی خط ٹوٹ چکا ہے، جس سے مجاہدین کا مورال مزید بلند ہو گیا۔

اسی رات دشمن نے قوائے چہار کے علاقے میں اپنی دفاعی لائن سنبھالی، جبکہ طالبان کے دستوں نے ان کے بالکل نزدیک شب گزاری۔

۲۵ ستمبر کو طالبان نے میدان شہر اور چہار آسیاب کے جنگی خطوط کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی اپنے حملے شروع کریں۔

صبح آٹھ بجے قوائے چہار کے محاذ پر دشمن کے خلاف بھرپور یلغار کی گئی، دشمن کی دفاعی لائن ٹوٹ گئی، اور پل چرخی کا علاقہ فتح ہو گیا۔ اسی دوران لتہ بند کی سمت سے آنے والے مجاہدین بھی پہنچ گئے اور دونوں لشکر پل چرخی کے پل پر آکر یکجا ہو گئے۔

اسی دن، یعنی ۲۵ ستمبر کو ایک طرف کابل کے مشرق میں گمرک (کسٹم) اور عسکری یونیورسٹی / ملٹری اکیڈمی کے علاقوں میں شدید لڑائی جاری تھی، دوسری طرف ملا فاضل اخند کی قیادت میں مجاہدین نے کارتہ نو اور تپہ مرنجان پر حملے شروع کر دیے اور دشمن کو اس کی دفاعی خطوط سے پیچھے دھکیل دیا۔

سہ پہر تک کابل کے مشرق میں جنگ شدت اختیار کر چکی تھی۔ دشمن کے جنگی ٹینکوں نے زبردست گولہ باری کی، اور ساتھ ہی ٹیلیویژن پہاڑی سے توپ خانے کے حملے بھی جاری رہے۔

انہی حالات میں رات گئے مجاہدین کے کمانڈروں تک اطلاعات پہنچیں کہ دشمن شہر سے پسپائی کی تیاری کر رہا ہے۔

رات گہری ہوتی گئی تو دشمن کی کارروائیاں کم بلکہ نا ہونے کے برابر ہو گئیں، اور ساتھ ہی چہار آسیاب کی سمت سے بھی یہ خبر آئی کہ وہاں دشمن کا دفاعی خط ٹوٹ چکا ہے۔

یوں رات تک دشمن کی ہمت جواب دے گئی، اور طالبان کے جنگی قائدین اس بات پر غور کرنے لگے کہ کابل میں داخلے اور پیش قدمی کی حکمتِ عملی کس طرح طے کی جائے۔

یوں طالبان نے ۲۵ اور ۲۶ ستمبر ۱۹۹۶ء کی درمیانی شب، تقریباً گیارہ بجے، کابل کے دارالحکومت میں قدم رکھا اور شہر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ دارالحکومت پر قبضے کے فوراً بعد ان کا پہلا کام یہ تھا کہ لاکھوں مظلوم افغانوں، بیواؤں اور یتیموں کی خواہش پوری کرنی تھی۔

ڈاکٹر نجیب نے، جو سوویت یونین کی باقیات میں شامل تھا اور سابق کمیونسٹ رجیم کے انٹیلی جنس ادارے خاد کا سربراہ رہ چکا تھا، سینکڑوں مسلمانوں کو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں قتل یا زندہ دفن کیا۔ بعد ازاں وہ کمیونسٹ پارٹی کا رہنما اور ملحد رجیم کا حکمران بھی مقرر ہوا۔ اس نے مظالم کی ایسی انتہا کی کہ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس وقت وہ کابل میں نظر بند تھا۔ طالبان نے اسے اس کے سنگین جرائم کی سزا دی، یوں مظلوم عوام کی خواہش اور ان کا بدلہ لے لیا گیا۔ کابل کی فتح کے بعد، طالبان نے آنے والے دنوں میں کابل کے شمال میں واقع صوبہ پروان اور صوبہ کاپیسا کے مراکز بھی اپنے کنٹرول میں لے لیے اور احمد شاہ مسعود کو درہ پنجشیر کی طرف پسپا کر دیا۔

ملا محمد عمر مجاہد دیگر آپریشنز کی طرح مشرقی افغانستان اور فتح کابل کے آپریشن کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے اور جنگی کمانڈروں کے ساتھ بلا توقف رابطے میں رہتے تھے۔ وہ ان کی ضروریات پوری کرتے اور لازمی ہدایات جاری فرماتے۔

جب ملا صاحب کو ملا بور جان اخند کی شہادت کا علم ہوا، تو انہوں نے ملا محمد ربانی کو مجاہدین کا سربراہ مقرر کیا۔ تاہم، اس تقرری کا اعلان فتح کابل تک ملتوی رکھا گیا تاکہ جنگ میں مصروف طالبان کو ملا بور جان اخند کی شہادت کی خبر نہ پہنچے، کیونکہ ایسی صورتحال میں جنگی قائد کی شہادت کی خبر جنگی مورال پر منفی اثر ڈال سکتی تھی۔

کابل کی فتح کے بعد، ملا صاحب نے ایک فرمان جاری کیا جس میں سابقہ نظام کے تحت کام کرنے والے تمام کابل کے رہائشی ملازمین اور فوجی اہلکاروں کو عمومی معافی سے نوازا گیا۔ اس معافی کے ساتھ انہیں یقین دلایا گیا کہ اسلامی نظام کے سائے تلے انہیں دیگر تمام مسلمانوں کی مانند ہر مادی و معنوی حق حاصل ہو گا، اور ان کی جان، مال، وقار اور عزت کی مکمل حفاظت کی جائے گی۔

نظام کی بحالی اور شہر میں امن و امان قائم کرنے کے لیے ملا صاحب نے ایک چھ رکنی کمیشن تشکیل دیا جس کی قیادت ملا محمد ربانی کے سپرد تھی۔ اس کمیٹی میں ملا محمد حسن، ملا عبد الرزاق، سید غیاث الدین آغا، ملا محمد غوث اور ملا محمد فاضل اخند شامل تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۷ پر)

ایک اہم پیغام–پاکستانی مجاہدین کے نام

آج سے تیرہ سال قبل مشہور عرب عالم شیخ عبد العزیز الطریفی فک اللہ بالعز اسرہ نے شام کے مجاہدین کے لیے ایک مضمون قلم بند کیا تھا جس کا عنوان تھا ''رسالة إلى أهل الثغور في الشام''۔ اس مضمون میں ایسی اہم نصیحتیں ہیں جو آج کے زمانے میں پاکستانی مجاہدین کے لیے بھی اسی قدر اہم ہیں جس قدر شام کے مجاہدین کے لیے تھیں۔ مجاہدین کے فائدۂ عام کے لیے شیخ کے اس مضمون کا اردو استفادہ ذیل میں پیش ہے۔ (ادارہ)

یہ مجاہدین کے نام ایک مختصر پیغام ہے۔ جس طرح ان کا حق ہے کہ ان کی نصرت کی جائے، اسی طرح ان کا یہ حق بھی ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے۔ پس گزارش ہے کہ:

۱. وحدت کو لازم پکڑو، اگر پورے حق پر جمع نہ ہو سکے تو ایک دوسرے کی بعض کمیوں کی وجہ سے علیحدہ نہ ہو جانا، بدعت یا گناہ کی وجہ سے تفرقہ میں نہ پڑنا، کیونکہ تمہارا سامنا کفر سے ہے۔ عبیدیوں کے خلاف جنگ میں مسلمان اکھٹے ہو گئے تھے حالانکہ ان کا قائد خارجی تھا، اور امام ابنِ تیمیہؒ نے اہلِ بدعت کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف جنگ کی۔

۲. تفرقہ ہو جائے تو کثرت کو بھی شکست ہو جاتی ہے، مگر وحدت ہو تو قِلّت بھی فتح یاب ہوتی ہے۔ تم اُس وقت تک غالب نہیں آسکتے جب تک دشمن کو قتل کرنے سے پہلے اپنے نفس کی خواہش کو قتل نہ کرو۔ کیونکہ خواہشِ نفس دشمنی کے پیمانے بدل دیتی ہے۔ بسا اوقات انسان یہ سمجھتے ہوئے بدلہ لیتا ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے لے رہا ہے، حالانکہ دراصل وہ اپنی خواہشِ نفس کی خاطر لڑ رہا ہوتا ہے۔
گناہوں کی تھوڑی مقدار بھی دلوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''تم اپنی صفوں کو ضرور درست کرو گے ورنہ اللہ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔'' (مسند أحمد، سنن أبي داود)

جب نماز کی صفوں کی درستگی نہ کرنے سے دلوں میں انحراف پیدا ہو گیا، تو دورانِ جہاد اور دشمن سے مقابلے کے وقت صفوں کے ٹیڑھے پن سے کیا حال ہو گا؟ پس اگر دلوں میں اختلاف ہو تو اس کا سبب اپنے اعمال کی خرابی میں تلاش کرو۔

۳. تم ایسے مقام پر ہو جو چناؤ کا بھی ہے اور آزمائش کا بھی، جنت کے بلند ترین درجات اس مقاتل کے لیے مقرر کیے گئے ہیں جو اللہ کے لیے قتال کرتا ہے، اور سب سے پہلے جن لوگوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی ان میں وہ قتال کرنے والا شامل ہو گا جس نے اپنی خواہشِ نفس کے لیے قتال کیا ہو گا۔

۴. خبردار! اقتدار اور اختیار کی محبت سے بچو۔ نبی کریم ﷺ نے دوسروں پر خود کو ترجیح دینے سے خبردار فرمایا ہے۔ پس کسی جماعت یا گروہ کی برتری کے بجائے دین کی نصرت ہی تمہارا فکر و غم ہونا چاہیے۔

۵. کہیں بعض القابات تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں کہ ان کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کرنے لگو۔ اللہ تمہارے جھنڈے، پرچم اور جماعتوں کے ناموں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ کسی نام کی بنا پر جھگڑا نہ کرو، کیونکہ بہر حال تمہارے نام کتنے ہی معزز کیوں نہ ہوں، وہ ''رسول اللہ'' ﷺ کے لقب سے زیادہ معزز نہیں ہو سکتے، جسے خود رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے ہاتھ سے مٹا دیا تھا جب مشرکین نے اس پر اعتراض کیا، تاکہ حق کو نافذ کیا جا سکے اور امت کی مصلحت قائم رہے۔

۶. تمہارے آج کے یہ القابات (جماعتوں و اتحادوں کے نام) کسی بھائی کو دوسرے بھائی سے یا کسی جماعت کو دوسری جماعت سے زیادہ افضل نہیں بنا دیتے، چاہے وہ متعدد ہی کیوں نہ ہوں۔ اپنے لیے ایسے نام نہ رکھو کہ انہیں شریعت، دوستی اور دشمنی کا معیار بنا لو۔ یہ چند حروف پر مبنی محض نام ہیں، تاکہ ان کے ذریعے تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یہ تمہیں جوڑیں نہ کہ جدا کریں۔ اصل معیار تمہارے اعمال ہیں، اسی طرح اللہ کے ہاں دنیا میں صرف ''حزب اللہ'' نام رکھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۷. کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی جماعت یا گروہ کو دوستی اور دشمنی کا معیار و محور بنائے، اس طرح کہ وہ بیعت لینے کا حق صرف اپنے لیے خاص سمجھے اور امارت (سربراہی) کو صرف خود ہی میں دیکھے۔ پس جو شخص اپنے آپ کو باقی مسلمانوں سے بہتر سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ صرف وہی قیادت کا حق دار ہے، تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

> إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (سورۃ الانعام: ۱۵۹)

> ''(اے پیغمبر) یقین جانو کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور گروہوں میں بٹ گئے، ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

> ''اللہ نے مومنوں کو اجتماعیت میں رہنے کا حکم دیا ہے، اور اختلاف و تفرقہ سے منع فرمایا ہے، اور انہیں یہ بتایا کہ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں، ان کی ہلاکت کا سبب دین میں جھگڑے اور لڑائیاں تھیں۔'' (تفسیر ابن أبي حاتم)

اختلاف اور تنازع سے اللہ کی نصرت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (سورۃ الانفال:۴۶)

”اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”اختلاف نہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔“(تفسیر ابن ابی حاتم)

۸. اس وقت جبکہ تم حالتِ جنگ میں ہو اور تمہارے اندر مختلف گروہ موجود ہیں، اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی ایک شخص عمومی بیعت کا اختیار حاصل کر کے کر اس کی بنیاد پر تمام فیصلے کرے۔ یہ بیعت محض جہاد، قتال، ثابت قدمی، صبر اور اصلاح کے لیے ہونی چاہیے۔ کسی فرد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے گروہ کا تشخص جدا کر کے اپنے آپ کو ”امیر المؤمنین“ کے لقب کا حق دار بنائے، بلکہ اسے ”امیر الجیش“(سپہ سالار) یا ”امیر الغزو“(امیر لشکر) کہنا چاہیے۔

ولایتِ عامہ کا دار و مدار مومنین کی مشاورت پر ہے، نہ کہ کسی فرد کی خواہش پر۔ القابات کی اجارہ داری باہمی اختلافات اور فتنے کا سبب بنتی ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ کے لیے ولایتِ کبریٰ اُس وقت قرار پائی جب روئے زمین پر نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوئی مسلمان موجود نہ تھا، اور نہ ہی نبی ﷺ سے کوئی افضل اور ان سے زیادہ اس امر کا کوئی حقدار تھا، لہٰذا اگر نبی ﷺ نے اقتدار حاصل بھی کر لیا تو وہ انہی کا حق تھا، وہ نبی تھے۔ لوگوں نے انہی کی طرف رجوع کرنا تھا نہ، کہ انہوں نے لوگوں کی طرف۔

۹. تم لوگ ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا، اور خون کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خوں ریزی کو سندِ جواز بخشنے اور اس کی توجیہات نکالنے میں شیطان کے بہکاوے میں نہ آ جانا، کہ تم کسی کو محض اس لیے قتل کر ڈالو، کیونکہ تمہیں اس کے متعلق مخبری، جاسوسی، یا بد گمانی یا عدم نصرت کا گمان تھا۔ اللہ رب العزت نے ہمیں ان گمانوں سے خبر دار کیا ہے جو امت کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں:

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (سورۃ الحجرات:۱۲)

”بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔“

کسی مسلمان معصوم کے قتل میں امیر کی اطاعت جائز نہیں۔ اور جس امیر نے کسی حرام کا حکم دیا، مثلاً قتلِ ناحق، تو اس امیر کی نہ اطاعت جائز ہے، نہ بیعت، چاہے وہ بیعتِ قتال ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر وہ بیعت لے تو اس کی بیعت ساقط ہے۔ اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے حکم کی تعمیل کرے جو بظاہر حرام ہو، جب تک کہ اس کا جواز یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے۔ اور اگر وہ نہیں جانتا تو کسی عالم سے دریافت کرے، تاکہ وہ اللہ کے سامنے حرام خون یا حرام مال کے ساتھ پیش ہو کر لاعلمی یا کسی اور کی تاویل کی بنا پر اپنی آخرت نہ تباہ کر بیٹھے۔ پس اللہ ہر شخص کو اسی کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ (سورۃ المدثر:۳۸)

”ہر شخص اپنی کمائی کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جُذَیمہ (قبیلہ) کی طرف بھیجا اور انہوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جُذَیمہ کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بجائے ”صبأنا“(ہم نے دین تبدیل کر لیا) کہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے (ان کے اس قول کے رد میں) ان کے قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں اپنے قیدی کو نہیں ماروں گا اور میرے ساتھی بھی اپنے قیدیوں کو نہیں ماریں گے۔“ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو بیان کیا، تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا: ”اے اللہ! میں خالد کے عمل سے آپ کے حضور براءت کا اظہار کرتا ہوں۔“(صحیح بخاری)

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی نافرمانی اس لیے کی، کیونکہ معاملہ ان پر مشتبہ تھا۔ اور یہ تو ان لوگوں کے خون کا معاملہ تھا جو اصلاً کفار کے حکم میں آتے تھے، تو جہاں معاملہ ایسے شخص کا ہو جو اصلاً مسلمان ہے تو اس کے خون کی حرمت کا کیا حال ہو گا؟

۱۰. جب تم میں اختلاف ہو، تو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ الشوریٰ:۱۰)

”اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو، اس کا حکم اللہ کے پاس ہے۔“

اور اسی طرح ارشاد فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (سورۃ النساء:۵۹)

”اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو۔“

اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا ایمان کی نشانی ہے، اور اس سے گریز کرنا نفاق کی علامت ہے۔ اگر دو افراد یا دو گروہ اختلاف کریں تو ان کو اپنے علاوہ کسی تیسرے شخص کی طرف رجوع کرنا چاہیے، تاکہ جانبداری کی تہمت سے بچا جا سکے۔ احادیث میں آیا ہے کہ ”مخالف کی اور متہم کی گواہی جائز نہیں“(مصنف ابن ابی شیبہ، معرفہ

السنن والآثار) اور یہ کہ ”اپنے بھائی سے بغض رکھنے والے کی گواہی نہیں لی جاسکتی، اور نہ ہی خادم کی اپنے گھر والوں (مالکوں) کے حق میں، نہ ہی اپنے نسب اور ولاء میں تہمت زدہ شخص کی۔“(مسند أحمد، سنن أبي داود)

اس حدیث کا مفہوم متعدد اسانید سے مروی ہے، اور گواہی اور قضاء میں ان امور کا خیال کرنا بدرجہ اولیٰ ہے۔

١١. اپنی زبانوں کی حفاظت کرو، کیونکہ تمہارا ایک دوسرے کی عزت اچھالنا آپس کی نفرتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور یہ معاملہ یونہی جاری رہتا ہے حتی کہ اس شخص (جس کے بارے میں بدگوئی کی گئی) کا دل نفرت اور کینے سے بھر جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے بھائی کے متعلق بدگمانی کرنے لگتا ہے اور اس کے اندر موجود یقینی خیر کو رد کرتا جاتا ہے۔

١٢. علماء سے حسنِ ظن رکھو، وہ نبیوں کے وارث ہیں۔ ان کی قدر و احترام کرتے ہوئے (ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی خاطر) ان کی طرف رجوع کرو، اور ان کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ ان سے اچھے گمان رکھو، اور ان کی باتوں (کو غلط معنی دینے کے بجائے اس) کے بہتر پہلو کو اختیار کرو۔ علماء کے علم کا اثر شہداء کے خون سے زیادہ ہے، جیسا کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ ”قیامت کے دن ترازو میں علماء کے علم کی سیاہی شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ہوگی۔“

١٣. امت پر رحمت نہیں نازل ہوتی، جب تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کا معاملہ نہ کریں۔ مجاہدین کے ساتھ اللہ کی محبت اور نصرت کا وعدہ ان کی طرف سے مومنین پر رحمت اور ان کے لیے عاجزی اختیار کرنے اور کفار پر سختی کرنے پر منحصر ہے۔ اللہ عزوجل نے مجاہدین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (سورة المآئدة: ۵۴)
>
> ”اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔“

اور اللہ ہی سے مدد اور نصرت مانگو، وہی تمہارا مولیٰ ہے، وہی بہترین حامی اور بہترین کارساز ہے۔

عبد العزیز الطریفی

۷ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ

☆☆☆☆☆

فریضۂ تبلیغ

مسائلِ ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضۂ تبلیغِ اسلام اور پیغامِ توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقائے دینِ متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانیٔ حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغامِ حق کا کام انجام دے۔

لہٰذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے اپنی امت کو ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبرِ اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے، اس کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادیٔ برحق نے اپنی امت کے لیے ایک وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر، اور سوتے وقت اور سونے سے جاگ اٹھنے پر، اور صبح و شام، گھر میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلا میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازار میں جانے کے لیے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اس سے اترنے کے لیے، اور اس کے علاوہ تمام ان اوقات میں جو انسان پر گزرتے ہیں، خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت لو، اور اپنی ہر حالتِ نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو۔

اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امرِ وقیع کو خدا کا نام لیے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار رہتا ہے۔

راہ تو بہر روش کہ پویند نکوست
ذکر تو بہر زباں گویند خوش است

اب آپ ہی فرمائیے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عالم کے سامنے کریں گے؟ کیا مسئلہ تثلیث کی جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت کو خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

(آئینۂ دارالعلوم دیوبند)

جوابِ شکوہ

محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا بیان اور ہماری چند توضیحات و گزارشات

ابو عمر عبد الرحمٰن

کالے جھنڈوں والی حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ یہ سوال تو تب ہی ہم سے پوچھا جائے جب یہ ہماری بنیاد ہو اور ہم اسی کے سبب اپنے راستے و تحریک کو حق سمجھتے و سمجھاتے ہوں۔ نہ تو ہم میں سے کوئی فقط یہ حدیث پڑھ کر جہاد میں نکلا ہے اور نہ ہی حق و باطل کا پیمانہ کبھی اس حدیث کو ہم نے سمجھا ہے۔ اس سے بڑھ کر جہالت و غلو کیا ہو گا کہ عقیدے، نظریے اور دعوت و کردار کے برعکس نام اور جھنڈوں کو صحیح و غلط کا پیمانہ سمجھا جائے۔ یہی معاملہ علمائے کرام کے قتل اور انہیں دھمکیاں دینے کا ہے۔ کون ظالم ہو گا جو جہاد فی سبیل اللہ جیسے بابرکت عمل کے لیے نکلا ہو اور محض اس وجہ سے کسی دین دار کو اپنا دشمن سمجھتا ہو کہ وہ جمہوریت میں کیوں شامل ہے؟ جمہوریت کیا ہے اور کیا نہیں، اس پر بعد میں بات کرتے ہیں۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ اس کو جہادی جماعتوں سے بہت پہلے امت کے اہل علم نے واضح کیا ہے۔ مگر یہ کہ اس کے سبب کسی دین دار کی تکفیر ہو، یا اس وجہ سے اس کی جان و مال کو اپنے لیے جائز سمجھا جائے، یہ ظلم، جہالت اور فساد پر مبنی وہ فکر ہے جس کا خمیازہ اہل دین سے پہلے خود ہم مجاہدین نے بھگتا ہے اور جس کی بنیاد پر آج بھی خراسان سے عالم عرب و افریقہ تک داعشی خوارج کے ہاتھوں اہل حق مجاہدین کو شہید کیا جارہا ہے۔ سوال اس فتنے کا نہیں ہے، بلکہ فتنوں کے بیچ حق و باطل میں تمیز کرنے کا سوال ہے، اور یہی اہل حق علمائے کرام کا کام ہے۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، یہ ذمہ داری علمائے کرام کی ہے کہ وہ امت کو بتائیں۔ مگر اس سے زیادہ زیادتی اور ناانصافی کیا ہو گی جب باطل کی موجودگی کے سبب حق کا انکار کیا جائے؟ کچھ ظالم اور فتنہ و فساد پھیلانے والے داعشیوں کی موجودگی کے سبب اُن مجاہدین کے وجود کا انکار کیا جائے جو امت کے دفاع میں نظام پاکستان کے خلاف کھڑے ہی اس لیے ہیں کہ پاکستان امریکی تسلط سے آزاد ہو، یہاں عوام و اہل دین کی عزت ہو اور اللہ کا دین یہاں غالب ہو! اس نظام باطل کے اندر عاصم منیر و زرداری جیسے بھی ہیں اور دینی جماعتوں کی صورت میں اہل دین بھی ہیں جو شر کو کم کرنے کی نیت سے اس جمہوری نظام کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں فریقوں میں تفریق سمجھتے ہیں، ایک کو ظالم، امریکہ کے غلام اور امت کے دشمن کے طور پر دیکھتے ہیں تو دوسرے دین دار فریق کو مظلوم خیال کرتے ہیں۔ اور ہمارا گمان و نظریہ ہے کہ یہ دین دار حضرات اس کفریہ نظام کے فساد کو کم کرنے کی نیت سے اس میں شامل ہیں اور ان کا مقصد دین اسلام کی خدمت اور ملک و قوم کو مغربی استعمار سے نکالنا ہے، لہٰذا ان کے اس انتخابی راستے کے ساتھ اختلاف کے باوجود ہم ان پر نہ فتویٰ لگاتے ہیں اور نہ ہی ان پر کسی قسم کا ظلم ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ہم یہ تفریق شرعی ذمہ داری سمجھ کر کرتے ہیں اور یہ کسی پر احسان نہیں۔ بعینہ یہی شرعی ذمہ داری ہمارے اہل دین بھائیوں کی بھی ہے کہ جس طرح ہم نظام میں کھڑے ہر شخص و قائد کو حریف نہیں سمجھتے، بلکہ اہل دین کو اپنا حلیف خیال کرتے ہیں، بالکل اسی طرح آپ اہل دین بھی اس نظام کے خلاف کھڑے بندوق اٹھانے والے ہر فرد و جماعت کو خوارج کی صف میں نہ کھڑا کریں، بلکہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کون مسلمان عوام اور اہل دین کی جان و مال اور ان کی عزت کا دفاع اپنا فرض سمجھتا ہے اور کون اپنے سوا دیگر اہل دین کو اپنا حریف و دشمن کہتا ہے اور ان کی جان و مال پر دست درازی کا مرتکب ہے۔

ہم واضح کرتے ہیں کہ یہ جنگ امریکہ کے خلاف تھی اور آئندہ بھی ہو گی۔ اسے اپنی جنگ یہاں کے خائن جرنیلوں نے بنایا ہے اور ان کے خلاف ہماری لڑائی ان کے امریکہ کے غلام ہونے کے سبب ہے۔ یہ امریکہ کا دفاع چھوڑ دیں اور نفاذ اسلام کی تحریک کی راہ میں روڑے نہ اٹکائیں تو ہم یہاں ایک گولی چلانے کے بھی روادار نہیں۔ لیکن جب تک یہ اہل غزہ کے بدترین دشمنوں کی صف میں ہوں گے ہم بھی انہیں اپنی فوج کبھی نہیں سمجھیں گے، بلکہ (وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ) کے مصداق، ان کے ساتھ معاملہ وہی ہو گا جو امریکیوں و اسرائیلیوں کے ساتھ کرنا فرض ہے۔

ایسے میں اس جنگ کے اندر علمائے کرام و اہل دین کو ہم اپنے ساتھ سمجھتے ہیں، نہ کہ ان ظالم شیاطین کے ساتھ۔ یہ ان ظالموں کی سازش و مکر ہے کہ وہ ایک طرف اپنے ظلم و فساد اور عیاشیوں کے دفاع کے لیے ہمارے سامنے اہل دین کو آگے کرتے ہیں تو دوسری طرف داعش جیسے نام استعمال کر کے اپنے خفیہ کارندوں کے ذریعے علمائے کرام کو شہید کرتے ہیں اور یوں ایک تیر سے کئی شکار کر کے ہم اہل دین کی سادگی پر ٹھٹھے اڑاتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جمہوریت کے آگے و پیچھے ہم لاکھ سابقے لاحقے لگائیں، یہ کفری مغربی جمہوریت اسلامی نہیں ہو سکتی۔ علمائے کرام نے اس میں شرکت اضطرار کی حالت میں کی تھی، مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کو عین اسلام اور عین مطلوبِ شریعت راستہ نہیں کہا ہے۔ جو لوگ اس جمہوریت میں اہل دین کی شمولیت کے باعث ان پر فتویٰ لگاتے ہیں یا انہیں قتل کرتے ہیں، وہ غلط ہیں، وہ ظالم ہیں اور وہ خوارج کی صف میں بھی شاید شامل ہوں گے۔ مگر دوسری طرف جو حضرات پاکستان میں رائج اس مغربی جمہوریت کو عین اسلامی کہتے ہیں، اسی کو نفاذِ شریعت کا راستہ بتاتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر راستوں کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں، ہم واضح طور پر کہتے ہیں کہ یہ بھی زیادتی ہے، شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اور جو حضرات اپنے اس موقف کو صحیح کہنے پر ہی مصر ہیں ہم انہیں اللہ کا خوف دلاتے ہیں کہ ایسا مت کیجیے۔ جس جمہوریت میں چور، لٹیرے، ڈاکو اور آپ جیسے دین دار و اہل علم کی حیثیت ایک ہو، جہاں زرداری اور کسی اور شرابی اور متقی مومن کو ایک پلڑے میں برابر تولا جاتا ہو اور جس جمہوریت میں فساق و فجار کی رائے کو محض اس وجہ سے اہمیت دی جاتی ہو کہ وہ زیادہ ہیں، وہ جمہوریت اسلامی کبھی نہیں ہو سکتی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۰ پر)

یہ اُبال بیٹھ جائے گا!

اریب اطہر

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ”جن شیطان مغلوب ہوتا ہے تو وسوسہ اندازی کرتا ہے اور انسانی روپ میں شیطان مغلوب ہو تو جھوٹ بولتا ہے!“[1]

آج پاکستانی فوج کی شیطانیت اور خباثت بھی اس درجے کو پہنچ چکی ہے کہ یہ اپنی شکست چھپانے اور اپنے ظالمانہ اقتدار تسلط اور قبضے کو بچانے کے لیے اور ہر سوال، تنقید سے بچنے کے لیے جس پیمانے پر جھوٹ اور دجل پھیلا رہے ہیں اس میں انہیں یہ شرم بھی محسوس نہیں ہوتی کہ جو جھوٹ ہم پھیلا رہے ہیں وہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ فوراً پہچانا جائے گا۔ کسی بھی ایشو پر صحافیوں کو ان کی جانب سے کوئی میسج کیا جاتا ہے اور چند منٹوں کے اندر صحافیوں اور اینکرز کی ایک اچھی خاصی تعداد ایک ہی میسج اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر چھاپ دیتی ہے۔ نہ ہی انہیں اور نہ ان کے حمایتی صحافیوں کو یہ خیال آتا ہے کہ کم از کم موصول ہونے والے ٹیکسٹ میں ایک دو لفظ ہی آگے پیچھے کر دیں تاکہ یہ بھانڈا تو نہ پھوٹے کہ یہ میسجز کہاں سے جاری ہو رہے ہیں۔ صحافی نصرت جاوید اپنے ایک پروگرام میں صحافیوں کی اسی کمزوری کا برملا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مجھے واٹس ایپ دیکھنے کی عادت پڑ جائے (کہ وہاں سے کیا پیغام آیا ہے) تو میں صحافی نہیں رہا۔ صحافی اور اینکر حامد میر ۲۰۱۴ء میں قاتلانہ حملے کا نشانہ بنے اور کئی ماہ انہیں آف ایئر کر دیا گیا۔ ان سے جب سوال کیا گیا کہ سکیورٹی ایجنسیاں کیوں سنسر شپ چاہیں گی تو ان کا کہنا تھا:

> ”وہ قومی مفاد کے نام پر توقع کرتی ہیں کہ میڈیا جھوٹ بولے۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو کہتے ہیں کہ آپ غدار ہیں۔“

انہوں نے کہا کہ اصل چیز عوامی مفاد ہوتا ہے۔ بقول ان کے:

> ”اگر میں غیر قانونی جبری گمشدگی کی بات کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ میں غدار ہوں۔ پاکستان ایک سکیورٹی اسٹیٹ ہے جہاں بظاہر جمہوریت ہے لیکن درحقیقت ایک ’ہائبرڈ رجیم‘ ہے جس میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کا کردار بہت زیادہ ہے اور ہماری سیاسی اشرافیہ اقتدار کی سیاست کے لیے انہی ایجنسیوں سے معاملہ کرتی ہے۔ جب صحافی سیاسی اشرافیہ کی طرح ساتھ نہیں دیتا تو اسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔“

فرزانہ علی جو آج نیوز کی پشاور میں بیورو چیف ہیں کہتی ہیں کہ پاکستان میں بہت محدود صحافت ہو رہی ہے۔ آپ سیاستدانوں کی لڑائیاں کروالیں ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالیں، فرق نہیں پڑے گا۔ اس طرح کی صحافت کی اجازت ہے۔ پاکستان میں جن صوبوں کا کنٹرول خاص طاقتوں کے ہاتھ میں ہے وہاں کوئی ڈھنگ کی خبر یا اصل معلومات سامنے نہیں آ رہیں جیسا کہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں دیکھ لیں کہ کیسی صحافت ہو رہی ہے۔

جرنیلوں کی ڈکٹیشن لینے والے میڈیا کی گراوٹ کا حال دیکھیے کہ فوج امارت اسلامیہ افغانستان اور افغان قوم کے خلاف جو نسل پرستانہ نفرت انگیز پروپیگنڈہ مہم سوشل میڈیا پر جعلی اکاؤنٹس سے چلوا رہی تھی اسے مین سٹریم میڈیا پر بھی چلانے کے لیے چینلز کو مجبور کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ روز آج ٹی وی چینل کے چند کلپ نظر سے گزرے ایک کلپ میں دو پاکستانی شہریوں کے مابین مکالمے کو دکھایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ افغان شہری پاکستان میں ہر قسم کے جرائم میں ملوث ہیں ان کے جانے سے ان جرائم میں کمی ہو گی۔ پھر ایک شخص کہتا ہے یہ تو ٹھیک ہے مگر پھر کچرا کون اٹھائے گا؟ جواب ملتا ہے کچرا اٹھانے والے بہت سے ہیں پہلے انہوں (افغانوں) نے جو کچرا پھیلایا ہے اس کی صفائی ضروری ہے۔ ایک سین میں دکھایا جاتا ہے کہ افغان شہری کرکٹ میچ کی ہار کا بدلہ پاکستانی شہریوں کو لوٹ کر لیتے ہیں۔ اور ایک کلپ میں دکھاتے ہیں کہ کچرا اٹھانے کے بہانے گھر میں گھس کر ڈکیتی کرتے ہیں۔ افغان قوم کے خلاف اس لیول کے تضحیک آمیز مواد کے مین سٹریم میڈیا پر چلانے کو سوشل میڈیا پر تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ جس کے بعد آج ٹی وی کو باقاعدہ معذرت بھی کرنی پڑی لیکن بہر حال جو مہم فوجی جرنیلوں نے شروع کر رکھی ہے اس سے ایک بڑی تعداد بہر حال اثر بھی لے رہی ہے۔ حکومت پنجاب کی جانب سے ٹی ایل پی کارکنان اور افغان مہاجرین کی نشاندہی اور اطلاع دینے کی ترغیب کے لیے اشتہارات حتیٰ کہ انعامات کے اعلان بھی کیے گئے ہیں۔ گوجرانوالہ سے ایک خبر کے مطابق ایک شہری نے ۱۰ ہزار روپے انعام کے لالچ میں ایک افغان شہری کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس نے پہلے اسے گرفتار کیا پھر ۶ لاکھ کے عوض چھوڑ دیا جس پر وہ شہری شکایت لے کر سی پی او گوجرانولہ کے پاس پہنچ گیا کہ اسے انعامی رقم نہیں ملی۔

اقوام متحدہ کی جانب سے حال ہی میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جسے مغربی میڈیا نے بھی چند اضافوں اور انکشافات کے ساتھ شائع کیا ہے کہ طالبان کی جانب سے منشیات پر پابندی سے افغانستان میں منشیات کی کاشت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف کی رپورٹ کے مطابق افغانستان میں منشیات کی کاشت کے خاتمے کے بعد پاکستانی صوبہ بلوچستان خطے میں منشیات کی کاشت کا ہب (hub) بن چکا ہے اور سیٹلائٹ امیجز میں یہ تبدیلی واضح نظر آ رہی ہے۔ لیکن کیا کہنے پاکستان کے آزاد میڈیا کے، جیو نیوز جیسا ادارہ بھی

---

[1] مجموع الفتاویٰ (۲۰۸-۲۲)

اس خبر کو بالکل الٹ شائع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ افغانستان منشیات کی کاشت کا مرکز بن چکا ہے۔ میڈیا چینلز مالکان پر پاکستانی جرنیلوں کا دباؤ ہی ہے کہ اب انہی چینلز کے مایہ ناز اینکرز یوٹیوبر بننے کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ ٹی وی چینل بھی انہیں آزادی سے صحافتی ذمہ داری پوری کرنے کی اجازت نہیں دے رہا۔ ایسے صحافیوں کی تعداد میں بھی روز اضافہ ہو رہا ہے جو ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں یا جانے کی کوششوں میں ہیں۔ کچھ مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ فوج کی جانب سے میڈیا کو ہائی جیک کیے رکھنے کی ان کوششوں کا مقصد ملک پر اپنی گرفت رکھنے کے علاوہ پاک افغان کشیدگی کے دوران ایک مخصوص بیانیے کی ترویج بھی ہے جس میں اہلیانِ پاکستان کو امارت اسلامیہ افغانستان، اسلامی نظام کی جدوجہد اور مجاہدین سے متنفر کرنا اوّلین ہدف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

(سورۃ البقرۃ:۹)

”وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں دھوکا دیتے ہیں اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے۔“

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اِس قسم کے لوگ ہمیشہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان (اور خادمِ اسلام ہونے) کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ان کے دل دولتِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں، یہ صریح طور پر منافقت میں مبتلا ہوتے ہیں، یہ بزدل ہوتے ہیں اور مومنین کے بارے میں ان کی جو حقیقی رائے ہوتی اس کا اظہار کرنے کی جرأت ان کے اندر نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ غایت درجے کے ذہین، معاملہ فہم اور پالیسی باز ہیں اور وہ ہر حال میں ان سادہ لوح مومنین کو طرح دے سکتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایسے لوگ صرف مومنین ہی کو نہیں بلکہ اللہ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ’وہ اللہ اور ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں، دھوکہ بازی کر رہے ہیں۔‘ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں ایک عظیم حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان فضل و کرم ہے کہ قرآن کریم میں بار بار بتاکید و تکرار اس کا اظہار ہوا ہے اور اسی میں دراصل بندہ مومن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قائم ربط و تعلق کا راز پنہاں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کے محاذ کو خود اپنا محاذ قرار دیتا ہے۔ ان کے معاملات اور حالات کو خود اپنے معاملات اور حالات قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ساتھ ملاتا ہے اور انہیں اپنے دامن شفقت و رافت میں لیتا ہے۔ ان کے دشمن کو خود اپنا دشمن قرار دیتا ہے، ان کے خلاف کی جانے والی سازشوں کو اپنے خلاف سازش قرار دیتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی شاہانہ کرم نوازی اور عزت افزائی ہے جس سے مومنین کی قدر و منزلت اپنے انتہائی عروج تک جا پہنچتی ہے اور جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کائنات میں ایمان باللہ ایک عظیم ترین حقیقت ہے جس سے دلِ مومن میں ثبات و طمانیت کے سرچشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کے مسائل اور مشکلات کو اپنے دستِ قدرت میں لے لیتا ہے، اس کا معرکہ اللہ کا معرکہ قرار پاتا ہے، اس کا دشمن اللہ کا دشمن بن جاتا ہے۔ اللہ اسے اپنے محاذ میں لے لیتا ہے اور اپنے عمل عاطفت میں داخل کر لیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں پھر انسانوں اور حقیر بندوں کی سازشوں، دھوکہ بازیوں اور ایذارسانیوں کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ اس حقیقت کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک خوفناک تہدید ہے جو مومنین کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور ان کی ایذارسانی کے درپے ہوتے ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان کی یہ جنگ صرف مومنین کے خلاف ہی نہیں بلکہ وہ در حقیقت اس ذات اقدس کے خلاف صف آرا ہیں جو قوی و متین ہے اور قہار و جبار ہے۔ اللہ کے دوستوں سے برسرپیکار ہو کر وہ دراصل اللہ کے خلاف لڑ رہے ہیں اور اپنی ان ذلیل سرگرمیوں کی وجہ سے اللہ کے قہر و غضب کے مستحق بن رہے ہیں۔ مومنین کا یہ فرض ہے کہ وہ اس حقیقت عظمیٰ کے ان دونوں پہلوؤں پر اچھی طرح غور و فکر کریں تاکہ انہیں اطمینان و ثبات حاصل ہو اور وہ ٹھیک ٹھیک اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہیں اور دھوکہ بازوں کے دھوکوں، سازشیوں کی سازشوں اور اشرار کی ایذارسانیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ مومنین کے دشمنوں کو بھی ایک لمحہ کے لیے اس حقیقت پر غور کر لینا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ سوچ لیں کہ وہ کس کے ساتھ برسرپیکار ہیں اور کس ذات کے قہر و غضب کے مستحق بن رہے ہیں۔ انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ مومنین کے درپے آزاد ہو کر وہ کیا خطرہ مول لے رہے ہیں؟

اب ہم دوبارہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو بزعم خود مومنین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو غایت درجہ کا ذہین اور معاملہ فہم تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان

لائے ہیں۔ لیکن ملاحظہ کیجئے کہ آیت کے اختتام سے پہلے ہی وہ کس عظیم مذاق کا شکار ہو جاتے ہیں۔

وَمَا يَخۡدَعُونَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ’مگر دراصل وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں‘ یعنی وہ اس قدر غافل ہیں کہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور تک نہیں اور اللہ ان کی سب حرکات سے باخبر ہے۔ رہے مومنین تو وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے ذلیلانہ مکر و فریب سے وہ خود انہیں بچا رہا ہے۔ لیکن یہ نادان خواہ مخواہ دھوکہ کھا رہے ہیں۔ اور اپنے آپ کو برائی اور گناہوں سے ملوث کر رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ روشِ نفاق اختیار کر کے انہوں نے بہت نفع بخش سودا کیا ہے۔ اور اس سے انہیں کافی فائدہ پہنچا لیکن اس طرح وہ مومنین کی سوسائٹی میں اعلانِ کفر جیسے مشکل کام سے بھی بچ گئے اور مومنین کے ساتھ نئے معاشرے کے مفادات بھی انہوں نے سمیٹ لیے۔ حالانکہ جس کفر کو وہ اپنے دل میں چھپا رہے ہیں وہ انہیں ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے۔ ان کا نفاق ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور اس کی وجہ سے وہ ایک نہایت نامسعود انجام تک پہنچنے والے ہیں۔‘‘[۲]

اپنا جھوٹ اور دجل مسلط کرنے کی جرنیلوں کی یہ شدید خواہش ہی تھی جس نے ان سے ستائیسویں ترمیم میں اپنے لیے تاحیات احتساب سے استثنیٰ حاصل کرنے جیسی مضحکہ خیز حرکت کروا ڈالی۔ اس ترمیم کے لیے کس طرح سینیٹرز کو خریدا گیا اس کی مثال صحافی ماجد نظامی کے اس تبصرے سے ملتی ہے۔ لکھتے ہیں:

’’پارٹی پالیسی کے خلاف ووٹ دینے والے جے یو آئی ایف کے سینیٹر احمد خان خلجی وہی ہیں جن کو وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف طاقت ور ٹھیکیدار کہا کرتے ہیں۔ ان کے والد حاجی ظاہر خان خلجی بلوچستان کے مشہور کاروباری گروپ ZKB کے سربراہ ہیں۔ احمد خان خلجی دوسری مرتبہ سینیٹر منتخب ہوئے ہیں اور آج کل جے یو آئی ایف کا حصہ ہیں۔ کراچی سے پشاور موٹر ویز ہوں، میٹرو بس منصوبہ یا سی پیک کے پراجیکٹ، ہر جگہ ظاہر خان اینڈ برادرز موجود ہوتے ہیں۔‘‘

ویسے کسی زمانے تک فوج کے خفیہ اداروں کی سیاسی جماعتوں کو ریگولیٹ کرنے کی پالیسی یہی رہی کہ جس پارٹی کو اقتدار دلوانا مقصود ہو ان کی طرف جرائم پیشہ افراد، لینڈ مافیا اور سمگلنگ سے منسلک افراد کو دھکیلتے ہیں۔ اس طرح مذکورہ پارٹیاں اپنے لیے فنڈز جنریٹ کرتی ہیں اور یہ گروہ ان سیاسی جماعتوں کا کندھا استعمال کر کے پروٹیکشن بھی حاصل کرتے ہیں اور مالی مفادات بھی محفوظ بناتے ہیں۔ لیکن ماضی میں یہ سب کچھ عام طور پر سیکولر جماعتوں کے ساتھ ہی ہوتا رہا جیسے پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم اور مسلم لیگ وغیرہ۔ اب اگر اسٹیبلشمنٹ مذہبی جماعتوں کی صفوں میں بھی ایسے کرپٹ افراد داخل کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے جو بوقت ضرورت اپنی سیاسی جماعت کی بجائے اسٹیبلشمنٹ کے کہنے پر چلتے ہیں تو یہ مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔

اپنے جرائم اور کرتوتوں سے خوفزدہ ان جرنیلوں کی موجودہ حالت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ پاکستانی فضائیہ کا وہ اعلیٰ افسر جو ۲۰۱۹ء میں بھارت کے خلاف آپریشن تیار کرنے کا ماسٹر مائنڈ تھا بھارتی طیارے کو پاکستانی حدود میں گرانے اور ابھی نندن کو زندہ گرفتار کرنے پر اسے ایوارڈ سے نوازا گیا، بعد ازاں ایئر چیف بننے کے لیے جن تین آفیسرز کے نام تھے ان میں بھی اس کا نام شامل تھا۔ وہ ریٹائرمنٹ کے کچھ عرصے بعد ہی کورٹ مارشل کا سامنا کرتا ہے، پہلے بتایا جاتا ہے کہ اس نے آپریشن کے متعلق قومی راز لیک کیے اور غداری کا مرتکب ہوا۔ پھر کہا جاتا ہے وہ نومئی میں ملوث تھا پھر کہا جاتا ہے اس نے موجودہ ائیر چیف کے خلاف سخت باتیں کہی ہیں اور یہی اصل سبب ہے ان کے کورٹ مارشل کا۔ ان میں کون سا الزام سچ اور اصل حقیقت ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اس وقت بھارتی جہاز گرانے پر پاکستان کو امریکی ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ جو ایف سولہ جہاز دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے، یعنی قبائل میں مجاہدین کے خلاف استعمال کے لیے دیئے گئے تھے وہ بھارت کے خلاف استعمال کرنے کی جرات کیوں کی؟ پاکستان کی جانب سے بہانہ تراشا گیا کہ ہم نے ایف سولہ نہیں بلکہ دوسرے جہاز استعمال کیے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق پاکستان نے مینٹیننس یعنی دیکھ بھال و مرمت کے نام پر ان جہازوں کو امریکی کانٹریکٹرز کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ کورٹ مارشل کا سامنا کرنے والے جواد سعید کی ایک بیٹی معذور بھی ہے۔ جو لوگ پاکستانی فضائیہ کے افسران کی بھارت کے خلاف ایک دو روزہ جنگ کے قصیدے تاحیات پڑھتے ہیں اللہ ہی جانے یہ حضرات ان افسران کی دہائیوں پر مبنی قبائل میں بمباریوں کو کیسے نظر انداز کر لیتے ہیں۔ ایک سرکاری اہلکار بتاتے ہیں کہ وہ محکمہ جیل خانہ جات میں ایسے ظالم افسران اور اہلکاروں کو جانتے ہیں جو اپنے ظلم کا بدلہ اسی دنیا میں حاصل کر چکے ہیں۔ ایک جیل کے افسر کا بیٹا ایسا ذہنی معذور ہے کہ اسے زنجیروں میں جکڑنا پڑتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ کپڑے اتار کر برہنہ ہو جاتا ہے۔ ایک جیل کا سپریٹنڈنٹ ریٹائرمنٹ کے بعد فوت ہوا تو ایسے کہ کئی روز تک گھر میں لاش پڑی رہی اور کسی کو پتہ تک نہ تھا۔ یہ تو عام سرکاری جیلوں کے ظالم اہلکاروں کے ظلم کا صلہ ہے جن کا ظلم فوج کی خفیہ جیلوں میں ہونے والے ظلم کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ خود اندازہ لگائیے ان ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اور آخرت میں کیسا بدلہ تیار کر رکھا ہے۔

---

[۲] تفسیر فی ظلال القرآن

حامد میر نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کئی امریکی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے حوالے دے کر یہ انکشاف کیا ہے کہ واشنگٹن میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک نئی جنگ شروع ہو چکی۔ دونوں نے ٹرمپ کی خوشنودی کے حصول کے لیے لابنگ فرموں پر لاکھوں ڈالر خرچ کرنے شروع کر دیے۔ ایک فرم ایسی ہے جو بیک وقت پاکستان اور آر ایس ایس دونوں کے لیے لابنگ کر رہی ہے۔ سب سے حیران کن بات یہ بھی ہے کہ پاکستان بھارت کے مقابلے میں لابنگ کے لیے تین گنا زیادہ خرچ کر رہا ہے۔ بعض اخبارات نے اسے پاکستان کی کامیابی قرار دیا ہے کہ پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں کچھ بہتر ٹیرف ریٹ ملا ہے۔ لیکن کیا وہ بہتر ٹیرف نتائج بھی دے سکے گا؟ اور امریکہ میں اس لابنگ کا تعلق پاکستانی معیشت یا پاکستان کے سیاسی مفادات سے ہے یا ہمیشہ کی طرح جرنیلوں کے ذاتی سیاسی و معاشی مفادات کا تحفظ ہی ہو گا؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا‌ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ‌ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ‌ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً‌ ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ○ (سورۃ الرعد:۱۷)

”اسی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی اپنی بشاط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی کے ریلے نے پھولے ہوئے جھاگ کو اوپر اٹھا لیا، اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا برتن بنانے کے لیے دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق اور باطل کی مثال اسی طرح بیان کر رہا ہے کہ (دونوں قسم کا) جو جھاگ ہوتا ہے وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے۔“

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہر نالے میں اس کے ظرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں چاندی تانبا، لوہا، اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحیٔ آسمانی دینِ حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوبِ بنی آدم اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بِھڑ جاتے ہیں تو میل ابھر آتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہ ہی رہ گئی۔ دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں۔ کیسے مؤثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں، یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے، تو گو برائے چندے باطل اونچا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا۔ کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے، کچھ دیر کے لیے اوہام و وساوس زور و شور دکھلائیں، تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ ابال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔“[3]

☆☆☆☆☆

جہاد میں مایوسی اور الجھن کی وجہ

مایوسی، الجھن اور حیرانی تب ہی ہوتی ہے جب ایک متذبذب مجاہد کا ذہن اپنے منہج پر استقامت سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نزدیک، منہجِ حق اور اچانک پیش آنے والے واقعات کے درمیان، ایک فکری تضاد پیدا ہوتا ہے۔ تاہم، آپ کو کبھی کوئی ایسا قرآنی طریقۂ کار کو سمجھنے والا، ربانی مجاہد نہیں ملے گا جو اپنے منہج اور فکری استقامت پر مضبوطی سے قائم ہو اور پھر ناگہانی واقعات کے نتیجے میں کسی مایوسی، الجھن یا حیرانی سے مغلوب ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنے رب پر بھروسہ اور پختہ یقین ہے کہ ایمانی اور شرعی طور پر جائز طریقوں سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، خواہ ان کا وقت طویل ہو اور ان پر عمل کرنے والوں کی تعداد قلیل ہو اور دشمن ان کو ناکام بنانے اور ان سے لڑنے کی سازشیں کرتے ہوں، وہ سنت کے مطابق مؤثر ترین، شریعت کے موافق ترین اور اللہ کی رضا کے قریب ترین ہیں۔

استاذ عبد العزیز الحلاق

[3] تفسیر عثمانی

نقطۂ نظر

سوشل میڈیا: دشتِ بے آب میں اِک سراب

سعادت مجازی

پیش لفظ

ایک زمانہ تھا جب جمہوریت کا سراب اپنے ساتھ دیگر بہت سے سراب لے کر آیا۔ ان سرابوں میں سے ایک یہ تھا کہ مسلح جدوجہد و مزاحمت کو چھوڑو، پر امن مظاہروں کی طرف آؤ۔ جب معاملات اس سے حل ہو سکتے ہیں تو کیا ضرورت ہے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی۔ یوں بالخصوص مسلمانوں کو میادینِ جہاد سے اٹھا کر سڑکوں پر لا کھڑا کیا، ہاتھوں سے تیر و تفنگ چھین کر بینر اور کتبے تھما دیے، میدانِ جنگ میں تکبیر کی صدائیں بلند کرنے کی بجائے سڑکوں پر گلے پھاڑنے پر لگا دیا۔ پھر ان مظاہروں کی افادیت کو ثابت کرنے کے لیے پہلے حقوق دبائے اور پھر لوگوں کو مظاہروں پر ابھارا، جب لوگوں نے مظاہرے کیے تو واپس دے دیے تاکہ لوگوں کو یقین آ جائے کہ اس طرح بھی مقاصد حاصل ہو جایا کرتے ہیں، یوں اس سراب میں پڑ کر ساری امت احساسِ زیاں سے محروم ہو گئی۔

یوں عالمی و مقامی طاقتوں نے اپنی بقا کو لاحق خطرات کا سدباب تو کر لیا لیکن ان مظاہروں سے معاشی نقصانات پھر بھی ہوتے ہی تھے، چاہے جنگوں کی نسبت کم صحیح۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کو کہاں قبول تھا کہ اپنی تجارتی منڈیوں کو معمولی نقصان بھی پہنچے۔ اس سے بچنے کے لیے پھر سوشل میڈیا متعارف ہوا۔ اب جس کو احتجاج کرنا ہو وہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتا ہے، کسی معاملے پر تحریک کھڑی کرنی ہو تو سوشل میڈیا پر ہی مہم اور ٹرینڈ چلا کر مطمئن ہو رہتا ہے۔ نہ سڑکیں بند، نہ کاروبار بند، نہ املاک کا نقصان، نہ سڑکوں پر نکلنے کی زحمت، نہ گلے پھاڑنے کی کوفت۔ سب کچھ اپنی آرام گاہوں میں سکرین کے سامنے بیٹھ کر ہی ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً کچھ حاصل ہو یا نہ ہو دل ضرور مطمئن ہو جاتا ہے۔

جمہوریت جتنے سراب اپنے ساتھ لائی سوشل میڈیا کے سراب اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ مذکورہ بالا سراب اس کی ایک مثال ہے۔

سوشل میڈیا ہمیں رابطوں کا سراب دکھاتا ہے، گویا ہم ساری دنیا سے جڑے ہیں، ہر جگہ موجود ہیں، لیکن ہوتے کہیں بھی نہیں۔ ساری دنیا تو دور کی بات سوشل میڈیا صارف تو اپنے گردوپیش سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔

وہ سراب دکھاتا ہے کہ لوگ ہماری بات سنتے ہیں، لوگوں پر ہماری بات کا اثر ہوتا ہے، ہم کچھ عمل کر رہے ہیں۔ جیسے ہماری پوسٹس، لائکس اور شیئرز دنیا بدل رہے ہیں۔ ظلم کے خلاف آواز بلند کی جا رہی ہے۔ ہم ان سرابوں کے پیچھے سرپٹ دوڑتے رہتے ہیں، گھنٹوں تک سوشل میڈیا فیڈ کو سکرول کرتے چلے جاتے ہیں، بحثیں کرتے ہیں، اپنی جذباتی توانائیاں خرچ کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑی تبدیلی لانے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں حالانکہ حقیقت میں بدلتا کچھ بھی نہیں۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز ہمیں مشغول رکھنے کے ساتھ ساتھ مطمئن رکھنے کا بھی فن جانتے ہیں، لیکن ساتھ میں یہ بھی یقینی بناتے ہیں کہ کوئی حقیقی تبدیلی نہ آئے، حقیقی رابطے نہ ہوں، حقیقی عمل سے بھی صارف دور ہی رہے۔

ذیل میں سوشل میڈیا کے انہی سرابوں پر کچھ مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

عمل کا سراب

جدید سوشل میڈیا ایک انتہائی پرکشش احساس عطا کرتا ہے۔ اس بات کا احساس کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے آپ اس کے عین وسط میں موجود ہیں، آپ جاہل نہیں ہے بلکہ ہر چیز سے باخبر ہیں۔ پاکستان، بھارت، کشمیر، فلسطین، سوڈان غرض دنیا میں جہاں بھی ظلم و ناانصافی ہو رہی ہے آپ اس کے حوالے سے بے حس نہیں ہیں، آپ اخلاقی طور پر بیدار ہیں، ان سب مظالم و ناانصافیوں کے خلاف کچھ نہ کچھ عمل کر رہے ہیں۔ اور سب سے بڑا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ خاموش رہ کر شریکِ جرم نہیں بن رہے۔

آپ غزہ میں ہونے والے ظلم، نسل کشی اور جنگ کو براہ راست منظر عام پر آتا دیکھتے ہیں، آپ اپنے ملک میں ہونے والی ناانصافیوں، جبر، اور معاشی تباہی کو دیکھتے ہیں۔ آپ اس پر آواز اٹھاتے ہیں، ری پوسٹ کرتے ہیں، بحث و مباحث میں حصہ لیتے ہیں، مذمت کرتے ہیں، کہیں غم و غصے کا تو کہیں یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور پھر جب آپ اپنی سوشل میڈیا ایپ بند کرتے ہیں تو دل میں ایک اطمینان ہوتا ہے کہ میں نے جو کچھ برا ہو رہا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا، اس سے نظریں نہیں پھیریں۔

اس احساس کا پیدا ہونا کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ یہ تو سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے پیدا کردہ سب سے طاقتور نفسیاتی حربوں میں سے ایک ہے۔

ہر جگہ موجود ہونے کا سراب

لیکن عمل کے اس سراب سے بھی پہلے سوشل میڈیا آپ کو اس واہمے میں مبتلا کرتا ہے کہ ہر جگہ موجود ہیں۔ آپ صرف کسی علاقے سے، کسی برادری یا معاشرے سے ہی نہیں جڑے ہوئے بلکہ پوری دنیا سے جڑے ہوئے ہیں۔

لیکن سوشل میڈیا الگورتھم آپ کو حقیقی دنیا نہیں دکھاتے بلکہ دنیا کا ایک ایسا ورژن دکھاتے ہیں جو لوگوں کو مشغول رکھنے کے لیے سجایا گیا ہے، اور اس کے ذریعے وہ دو مختلف

گروہوں، صارفین اور کانٹینٹ کریئیٹرز، کو قائل کرتے ہیں کہ وہ ایک مشترکہ عالمی حقیقت میں براہ راست حصہ لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں گروہ ایک غیر مرئی نظام کے ہاتھوں کنٹرول کیے جا رہے ہوتے ہیں۔

صارفین کے لیے سراب

ایک فیڈ میں پوری دنیا

سوشل میڈیا دنیا کو ایک ہی فیڈ میں سمیٹ دیتا ہے۔

- ایکس (ٹوئٹر) پر، نسل کشی کی اپ ڈیٹ لطیفوں اور انفلوئنسرز کی ڈرامے بازیوں کے درمیان آجاتی ہے۔
- انسٹاگرام پر، جنگ کی فوٹیج چھٹیوں کے پر تعیش مقامات کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔
- ٹک ٹاک پر مظالم موسیقی کے رجحانات کے بعد آجاتے ہیں۔
- یوٹیوب پر طویل تجزیے جذبات بھڑکانے والے تھمب نیلز کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔

یہ انہدام فطری منطقی حدود کو مٹا دیتا ہے۔ حقیقی زندگی میں واقعات کا ایک پیمانہ ہوتا ہے، ان میں فاصلہ ہوتا ہے، ان کا ایک دورانیہ ہوتا ہے اور ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ سوشل میڈیا پر سب کچھ یکساں طور پر موجود اور یکساں طور پر فوری اور عاجل لگتا ہے۔

جب آپ کسی چیز کو بار بار دیکھتے ہیں، تو اس کے عاجل ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے، اگر وہ عاجل محسوس ہو تو آپ کو اس پر ردّ عمل دینا ضروری لگنے لگتا ہے۔ لیکن ردّ عمل دینا اور خود اسے اچھی طرح سے سمجھنا ایک جیسے نہیں ہوتے۔

غم وغصے کا راج

تمام سوشل میڈیا پلیٹ فارمز میں ایک ہی اصول نافذ ہے۔ جو مواد شدید جذبات ابھارتا ہے، وہ صارفین کو زیادہ دیر تک فعال رکھتا ہے۔

غصہ، خوف، رسوائی، اخلاقی کراہت، یہ جذبات قابلِ اعتماد طریقے سے تبصرے، شیئرز، ٹوئیٹس، کمنٹس، ری ایکشن، اور ویڈیوز پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سکون و تحمل سے دی گئی وضاحتیں ایسا کچھ نہیں کرتیں۔

سوشل میڈیا الگورتھم کو سچ اور جھوٹ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اسے پرواہ ہے تو صرف اتنی کہ لوگ مشغول رہیں۔

مشغولیت بطور علم و معلومات کا متبادل

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز سچائی، حقائق کی درستگی یا انہیں سمجھنے کے لیے ترتیب نہیں دیے گئے، یہ ترتیب دیے گئے ہیں لوگوں کو مشغول رکھنے کے لیے۔ مشغولیت کو ناپا جا سکتا ہے لیکن سمجھ کو نہیں۔

کسی بات پر غصہ اس بات کی وضاحت سے زیادہ تیزی سے پھیلتا ہے، کسی واقعہ کا خوف اس کے سیاق سے زیادہ تیزی سے پھیلتا ہے، اسی طرح پورے یقین واعتماد سے کیا گیا دعویٰ شک وابہام سے کی گئی بات سے زیادہ تیزی سے پھیلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر پلیٹ فارم پر، بلا استثنا، غم وغصہ غالب ہے۔ نتیجتاً لوگ خود کو باخبر سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس در حقیقت معلومات بہت کم ہوتی ہیں، وہ سوچتے بہت سست روی سے ہیں لیکن ردّ عمل فوری دے دیتے ہیں۔

سوشل میڈیا فیڈز: جوئے کی سلاٹ مشین سے مماثل

لامتناہی سکرول، نوٹیفیکیشن، لائکس، ری پوسٹ، ویوز، یہ سب محض سوشل میڈیا کے سجاوٹی عناصر نہیں ہیں بلکہ یہ آپ پر پھینکے گئے جال ہیں۔

سوشل میڈیا رینڈم انعامات کے نظام پر چلتا ہے، بالکل وہی نظام جو جوئے میں استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ تر مواد بے کار ہوتا ہے، لیکن اس کے درمیان کوئی ایسی چیز سامنے آجاتی ہے جو جذباتی طور پر دل کو لگ جاتی ہے، یا آپ کو غصہ دلاتی ہے، یا خوش کرتی ہے وغیرہ۔ یہی غیر یقینی صورتحال صارف کو سکرول کرتے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ آپ کا دماغ عادی ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے اگلے سکرول کے بعد جو پوسٹ آئے وہ کام کی ہو اس لیے آپ سکرول جاری رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ کار ہمیشہ سے جوئے میں آزمایا جاتا رہا ہے اور اب سوشل میڈیا میں بھی استعمال ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا فیڈ آپ سے یہ وعدہ نہیں کرتی کہ ہر پوسٹ اچھی ہو گی، وہ صرف یہ وعدہ کرتی ہے کہ سکرول کرتے جائیں اچھی پوسٹ ملنے کا امکان ہے۔ جوئے میں آپ کا پیسہ بار بار ضائع ہوتا رہتا ہے اور سوشل میڈیا سکرولنگ میں پیسے سے بھی زیادہ قیمتی آپ کا 'وقت' کھپتا ہے۔

کانٹینٹ کریئیٹرز کے لیے سراب

عالمی رسائی

ہر سوشل میڈیا پلیٹ فارم کانٹینٹ کریئیٹرز(Content Creators) کو ایک ہی کہانی سناتا ہے، تم پوسٹ کرو ساری دنیا تمہاری پوسٹ دیکھ سکتی ہے۔

یہ سراسر جھوٹ ہے۔

کسی کانٹینٹ کریئیٹر کا اپنے مواد کی تقسیم پر اختیار نہیں ہوتا۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر لوگوں تک رسائی آپ کا حق نہیں بلکہ یہ سوشل میڈیا الگورتھم کی اجازت پر منحصر ہے۔

تمام پلیٹ فارمز پر مواد سب سے پہلے تھوڑے سے صارفین کو بھیجا جاتا ہے، اس کے بعد اس مواد کے حوالے سے ان صارفین کی مشغولیت کے اعداد و شمار طے کرتے ہیں کہ یہ پھیلے گا یا نہیں۔ زیادہ تر پوسٹیں خاموشی کے ساتھ اپنی موت آپ مر جاتی ہیں اور کانٹینٹ کریئٹر کو کبھی پتہ نہیں چلتا کہ ایسا اصل میں کیوں ہوا۔

اس کی پوسٹ اگر دس لوگوں تک پہنچے تو اسے وہ ناکام پوسٹ لگتی ہے لیکن اگر وہ دس ہزار لوگوں تک پہنچ جائے تو یہ ایک پر اثر پوسٹ کہلاتی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں مواد کتنا درست اور حقیقی تھا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہ ایک خطرناک سراب پیدا کر دیتا ہے، کانٹینٹ کریئٹر سمجھتے ہیں کہ اگر چیز وائرل ہو گئی ہے تو یہ اس کی اہمیت اور قبولیت کا ثبوت ہے۔

ایک غیر مرئی اور نامعلوم جج

چونکہ سوشل میڈیا پر مواد کے وائرل ہونے یا دفن ہو جانے کے قوائد غیر شفاف اور مبہم ہوتے ہیں اس لیے کانٹینٹ کریئٹر خود کو الگورتھم اور الگورتھم بنانے والوں کی مرضی کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں۔

وہ دلائل کو مختصر کرتے ہیں کیونکہ مختصر چیز ہی چلتی ہے، وہ اپنی پوسٹ کے لہجے کو تیکھا کر لیتے ہیں کیونکہ اس پر ردّ عمل آتا ہے، وہ زیادہ اعتماد و یقین سے دعوے کرتے ہیں، ابہام نہیں رکھتے، کیونکہ ایسی چیز زیادہ پھیلتی ہے، وہ اپنے مواد کو جذباتی رنگ دیتے ہیں کیونکہ اس سے بھی ردّ عمل زیادہ آتا ہے۔

لیکن یہ اس لیے نہیں کہ یہ مواد بنانے والے بے ایمان لوگ ہیں قصداً لوگوں کو دھوکہ دینا چاہ رہے ہوتے ہیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ سوشل میڈیا پر رہتے ہوئے وہ یہ سیکھ جاتے ہیں کہ الگورتھم کس طرح کے مواد کو زندہ چھوڑتا ہے اور کس طرح کے مواد کو سزائے موت سنا دیتا ہے۔

کانٹینٹ کریئٹر کو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ آزادی سے اظہارِ رائے کر رہا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنی رائے کو الگورتھم اور الگورتھم بنانے والوں کی مرضی کے مطابق ڈھال رہا ہوتا ہے۔

اخلاقی جواز بطور پراڈکٹ

نمائشی غم و غصہ اور بدلے میں ضمیر کا اطمینان

سوشل میڈیا لوگوں کو ضمیر مطمئن کروانے کا تجربہ کرواتا ہے، بغیر کوئی حقیقی عمل کیے۔

آپ غزہ میں مظالم اور نسل کشی کے واقعات دیکھتے ہیں، جواب میں آپ مذمت کی پوسٹ کرتے ہیں، آپ اس کی فوٹیج شیئر کرتے ہیں، اور اس موضوع پر آن لائن بحث کرتے ہیں، اس طرح آپ کے لیے نفسیاتی طور پر معاملہ حل ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس بارے میں کچھ کر دیا، آپ بے حس نہیں ہیں، آپ ایسے میں زندگی کے مزے نہیں لوٹ رہے کہ جب دوسرے لوگ دکھ درد میں مبتلا ہیں، آپ نے اس کے لیے کچھ بول تو دیا۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اخلاقی تناؤ کو خارج کرنے کا راستہ فراہم کرتے ہیں بغیر اپنے رویے میں کوئی تبدیلی کیے، بغیر اپنا آرام قربان کیے یا حقیقی ذمہ داری کا احساس کیے۔

آپ خود کو حق و انصاف کے ساتھ ہم آہنگ محسوس کرتے ہیں، حالانکہ عملی طور پر آپ کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے۔

یہ اتنا مؤثر کیوں ہے؟

ضمیر کی پکار پر غصہ جذباتی طور پر تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ انسان معاملے کا حل چاہتے ہیں۔ سوشل میڈیا یہی چیز سستے میں فراہم کر دیتا ہے۔

- آپ کی پوسٹنگ عمل کے لیے خود کو اور دوسروں کو حقیقی طور پر منظم کرنے کی جگہ لے لیتی ہے۔
- آپ کی شیئرنگ اپنے وقت، آرام اور آسائشوں کی قربانی دینے کی جگہ لے لیتی ہے۔
- آپ کی پوسٹ کتنے لوگوں نے دیکھی یہ اس بات کی جگہ لے لیتی ہے کہ آپ کی بات کا کتنے لوگوں پر اثر ہوا۔
- اور چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لیے اس اخلاقی تماشے میں اجتماعیت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، اسے تقویت ملتی ہے، اس کی توثیق ہوتی ہے۔

لیکن اس غصے کو عمل میں بدلنے سے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ الٹا نقصان ہو گا۔ کیونکہ عمل سوشل میڈیا پر مشغولیت کو ختم کر دیتا ہے، اور مسئلے کا حل اس موضوع کو سوشل میڈیا پر حاصل توجہ کو کم کر دیتا ہے۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے لیے انصاف حاصل ہو جانے سے بہتر مواد دائمی ناانصافی ہے۔

نجی پیغام رسانی کے پلیٹ فارمز کا گہرا سراب

نجی پیغام رسانی کے پلیٹ فارمز جیسے واٹس ایپ اور ٹیلی گرام پر یہ سراب مزید گہرا ہو جاتا ہے۔ مواد آپ تک قابلِ اعتماد رابطوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ جس سے اس پر شک کم ہو جاتا ہے۔ جذباتی بیانیے بلا روک ٹوک پھیلتے ہیں۔ اور صارفین خود کو باخبر اور سماجی طور پر ہم آہنگ تصور کرتے ہیں۔

لیکن ان پلیٹ فارمز پر کوئی حقیقی جوابدہی کا نظام نہیں ہوتا نہ ہی کوئی تصحیح ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا کی دنیا میں مشغولیت کا اخلاقی جواز مزید مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ حقیقی دنیا میں عمل کی صلاحیت سکڑتی اور کمزور پڑتی جاتی ہے۔

اختتامیہ

تمام پلیٹ فارمز پر ایک ہی طرح کارویہ نظر آتا ہے۔

۱. صارفین خود کو دنیا سے جڑا ہوا محسوس کرتے ہیں،

۲. وہ خود کو دنیا کے معاملات میں اخلاقی طور پر فعال بھی تصور کرتے ہیں،

۳. کانٹینٹ کریئٹرز کو لگتا ہے کہ ان کی بات سنی جا رہی ہے۔

حالانکہ یہ تینوں احساسات بڑی حد تک جعلی ہوتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے نظام کو کوئی پرواہ نہیں کہ انصاف فراہم ہو رہا ہے یا نہیں، سچ سامنے آرہا ہے یا نہیں، زندگیاں بچائی جا رہی ہیں یا نہیں۔ اسے بس اس بات کی پرواہ ہے کہ لوگوں کی توجہ برقرار رہے۔ جتنی توجہ زیادہ ہوگی اتنا استعمال بھی زیادہ ہوگا۔

اس میں سب سے پریشان کن حقیقت یہ ہے کہ سوشل میڈیا ضمیر کو بے حس نہیں کرتا، بلکہ اسے مطمئن کر دیتا ہے۔ لیکن وہ اتنا ہی مطمئن کرتا ہے کہ لوگ مزید سکرول کرتے رہیں۔

اخلاقی دکھاوا احساسِ ذمہ داری کا متبادل

جب دکھاوے کا اخلاقی اظہار سستا اور مسلسل ہو تو عمل کی صلاحیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔

سوشل میڈیا لوگوں کو تربیت دیتا ہے کہ اپنے ضمیر کے درد کو ایک سوشل میڈیا ردِّ عمل کے طور پر محسوس کریں۔ سوشل میڈیا پر آپ دکھ پر ردِّ عمل دیتے ہیں، ناانصافی پر ردعمل دیتے ہیں، ظلم پر ردعمل دیتے ہیں، اور یہی ردعمل مسئلے کا اختتام بن جاتا ہے اور ضمیر مطمئن ہو جاتا ہے۔

یہ بے حسی نہیں ہے، یہ اس سے کہیں زیادہ لطیف اور خطرناک چیز ہے۔ کسی ذہنی و اخلاقی کوشش کے بغیر ذہنی و اخلاقی تھکاوٹ۔

گھنٹوں تک مظالم، غم و غصے اور مایوسی کی چیزیں دیکھنے کے بعد دماغ سکون تلاش کرتا ہے، اور سوشل میڈیا یہ فوراً فراہم کر دیتا ہے۔ ایک پوسٹ، ایک تبصرہ، ایک شیئر، اپنے مؤقف کا اظہار اور نفسیاتی تناؤ ختم ہو جاتا ہے۔

جو چیز اس سب میں غائب ہو جاتی ہے وہ یہ مشکل سوال ہے کہ: اب اس کے بعد کرنا کیا ہے؟

حقیقی ذمہ داری، سست رو، مشکل اور بسا اوقات بورنگ ہوا کرتی ہے۔ اس میں گہرائی سے معاملہ سمجھنا پڑتا ہے، زمینی طور پر لوگوں کو یا کم از کم خود کو منظم کرنا پڑتا ہے، مستقل مال خرچ کرنا پڑتا ہے، اپنی عادتیں بدلنی پڑتی ہیں، اپنی سماجی حیثیت کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے، وقت اور محنت دینی پڑتی ہے، لیکن ان میں سے کوئی سرگرمی بھی فوری فیڈ بیک نہیں دیتی، کوئی لائک نہیں ملتا، کوئی ری پوسٹ نہیں ملتی، کچھ ٹرینڈ نہیں کرتا۔ اس لیے سوشل میڈیا مشغولیت کے آگے حقیقی ذمہ داری دب کر رہ جاتی ہے۔

سوشل میڈیا حقیقی عمل کی بجائے علامتی عمل کو کیوں ترجیح دیتا ہے؟

علامتی عمل ایک بہترین مواد ہے۔ یہ جذباتیت سے بھرپور ہوتا ہے، اسے دہرایا جا سکتا ہے، یہ سب کو نظر آتا ہے اور یہ بحث و مباحثے سے بھرپور تنازع پیدا کر سکتا ہے۔

حقیقی عمل اس سے بالکل برعکس ہے۔ وہ مسائل کو حل کرتا ہے، تناؤ کو کم کرتا ہے اور لوگوں کو سوشل میڈیا پلیٹ فارمز سے نکال کر حقیقی دنیا میں لے جاتا ہے۔

کاروباری نقطۂ نظر سے ناقابل حل ناانصافی لامتناہی طور پر دہرایا جانے والا مواد ہے۔ ہر پیش آنے والا سانحہ پوسٹوں، بحثوں، ردِّ عملوں اور جوابی ردعملوں کی بے شمار لہریں پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو یہ سارا چکر ختم ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اظہارِ رائے کی تو حوصلہ افزائی کرتے ہیں، مگر لوگوں کے درمیان ہم آہنگی کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، یہ غم و غصے کو تو ابھارتے ہیں، لیکن حل کے ٹھوس اقدامات کو نہیں۔ جذبات کو تو ابھارتے ہیں لیکن نتائج اور حل کو نہیں۔ یہ نظام کبھی بھی حقیقی عمل کو ابھرنے نہیں دیتا، اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

ثقافتی تبدیلی: اخلاق سے شناخت کی طرف

سوشل میڈیا پر وقت گزرنے کے ساتھ آپ کے مؤقف آپ کی شناخت بن جاتے ہیں۔ پھر آپ وہ شخص نہیں رہتے جو کچھ عمل کرتا ہے بلکہ وہ شخص بن جاتے ہیں جو کسی عمل کا اشارہ دیتا ہے۔ عقائد آپ کے تمغے بن جاتے ہیں، اصولوں کی جگہ ہیش ٹیگز لے لیتے ہیں، ہم آہنگی عمل کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف دکھانے کے لیے ہوتی ہے۔

سوشل میڈیا لوگوں کی بحث کا طریقہ بدل دیتا ہے، مقصد کسی کو قائل کرنا یا کوئی مسئلہ حل کرنا نہیں رہتا، مقصد اپنی پاکیزگی، اپنی بیداری اور اپنی وفاداریوں کا اظہار کرنا ہو جاتا ہے۔ پھر اختلافِ رائے خطرہ بن جاتا ہے، بحث کے لطیف نکتے خیانت لگنے لگتے ہیں۔

چونکہ آپ کی آراء آپ کی شناخت بن چکی ہوتی ہیں اس لیے اختلافِ رائے براہ راست آپ کی شناخت پر حملہ نظر آنے لگتا ہے، جس کی وجہ سے تنازع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ صارفین ذہنی تھکاوٹ سے چور ہو جاتے ہیں۔

اجتماعی عمل کا سراب

سوشل میڈیا کا سب سے زیادہ قائل کرنے والا فریب یہ ہے کہ وہ ایک اجتماعی کوشش کا سراب دکھاتا ہے۔

ٹرینڈ کرنے والے موضوعات تحریکیں لگنے لگتے ہیں، وائرل پوسٹیں مخالف پر دباؤ لگنے لگتی ہیں، سوشل میڈیا پر نظر آنے والا عوامی غم وغصہ تحریک میں تیزی لگنے لگتا ہے۔

لیکن جب کوئی واضح سمت متعین نہ ہو تو یہ تیزی منتشر ہو جایا کرتی ہے۔ حقیقی تحریکیں ہم آہنگی، تعاون، قیادت، قربانی اور استقامت مانگتی ہیں، سوشل میڈیا آپ کو صرف اتنی آفر دیتا ہے کہ آپ نظر آئیں مگر نظم فراہم نہیں کرتا۔ شور تو بہت پیدا کرتا ہے لیکن عمل کا تسلسل نہیں۔ لوگوں کو شریک تو کرواتا ہے لیکن ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں کرتا۔ لوگوں کو لگتا ہے کہ ان کے چاروں طرف ان کے ہم فکر لوگ موجود ہیں حالانکہ وہ درحقیقت انفرادی طور پر بالکل لاچار اور بے بس ہوتے ہیں۔

اسی لیے خالصتاً آن لائن جنم لینے والی تحریکیں جلد ٹوٹ جایا کرتی ہیں، رک جاتی ہیں یا توجہ ہٹنے سے ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ کیونکہ ہجوم کبھی جمع ہوا ہی نہیں تھا، وہ صرف دکھایا گیا تھا۔

یہ سراب کیسے ٹوٹتا ہے؟

صرف یہ پتہ لگنے سے کہ یہ سب کچھ مشینی الگورتھم چلا رہے ہیں، یہ سراب نہیں ٹوٹتا، کیونکہ زیادہ تر لوگوں کو یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ سراب تب ٹوٹتا ہے جب لوگ اس کڑوے سچ کو اپنے دل میں اتار لیتے ہیں کہ اپنے ضمیر کی آواز پر خود کو مشغول محسوس کرنا حقیقی دنیا میں مؤثر ہونے کے برابر نہیں۔ یہ فرق جب دل میں اتر جاتا ہے تو رویہ بدل جاتا ہے۔ ڈرامائی طور پر نہیں بلکہ خاموشی سے۔

پھر لوگ لامتناہی بحثیں کرنا چھوڑ دیتے ہیں، وہ بار بار ریفریش کرنا بند کر دیتے ہیں کہ دیکھیں کہ ان کی بات کتنے لوگوں نے دیکھ لی، کتنے لائکس مل چکے ہیں، کوئی ردعمل ابھی تک آیا یا نہیں، وہ اس غلط فہمی سے نکل آتے ہیں کہ زیادہ لوگوں نے پوسٹ کو دیکھا تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اہمیت دی گئی ہے۔

پھر وہ ایک مختلف سوال پوچھنا شروع کرتے ہیں، عوامی طور پر سوشل میڈیا پر نہیں، نجی طور پر، خود سے، اپنے وقت، اپنی توانائی اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں۔

اس کے بعد سوشل میڈیا فیڈ اخلاقی میدان کے طور پر اپنا اختیار کھو بیٹھتی ہے۔

حقیقت کو سوشل میڈیا فیڈ سے واپس لیں

دنیا کو مزید تبصروں کی ضرورت نہیں ہے، اسے اہلیت، ہم آہنگی اور عمل کی ضرورت ہے۔ سوشل میڈیا اس میں مددگار ہو سکتا ہے لیکن صرف تب جب اسے جذباتی انداز میں نہیں بلکہ صرف ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ صرف ایک آلے کے طور پر نہ کہ کسی تھیٹر یا میدانِ جنگ کے طور پر۔ صرف ایک سٹرکچر کے طور پر نہ کہ اپنی شناخت کے "ہینڈل" کے طور پر۔

المیہ یہ نہیں کہ آن لائن لوگ بہت کم پرواہ کرتے ہیں، المیہ یہ ہے کہ ان کی پرواہ بالکل بے کار ہوتی ہے، زبردست جذبات کا اظہار کرتے ہیں، بھرپور ذہنی توانائی خرچ کرتے ہیں لیکن حقیقی دنیا میں اس کا اثر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اسی بے سودگی سے نفع کماتے ہیں۔

حرفِ آخر

چاہے ہم مانیں یا نہ مانیں لیکن سوشل میڈیا ہمارے ساتھ ایک تجارت کرتا ہے۔ وہ ہمیں حقیقی رابطے کی بجائے رابطے کا ایک احساس دیتا ہے، حقیقی اثر کی بجائے مؤثر ہونے کا احساس دیتا ہے، ضمیر کی آواز پر عمل کی بجائے عمل کا احساس دیتا ہے۔

اس کے بدلے میں وہ ہم سے ہمارا وقت، ہماری توجہ، ہماری فکری شفافیت اور ہمارا احساسِ ذمہ داری چھین لیتا ہے۔

صارفین خود کو باخبر سمجھ رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ گمراہ ہوتے جا رہے ہوتے ہیں، کانٹینٹ کریئٹرز سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان کی آواز حقیقی دنیا سے زیادہ سنی جا رہی ہے، حالانکہ ان کی آواز حقیقی دنیا سے کہیں زیادہ محدود ہوتی جا رہی ہوتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ حق کے ساتھ کھڑے ہیں، متحرک ہیں حالانکہ درحقیقت وہ بالکل بے عمل اور ساکت ہوتے ہیں۔

اس میں سب سے پریشان کن حقیقت یہ نہیں ہے کہ سوشل میڈیا ہمیں حقیقی دنیا سے دور کر رہا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ ہمیں اس کے ساتھ قائل کر دیتا ہے کہ ہم دنیا سے پہلے سے زیادہ جڑ چکے ہیں اور اسی میں مشغول ہیں، جب کہ پس پردہ یہ یقینی بناتا رہتا ہے کہ حقیقت میں تبدیلی نہ ہونے کے برابر ہو۔

یہ سراب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ہم خود کو اس پر قائل نہ کر لیں کہ سوشل میڈیا فیڈ وہ جگہ نہیں جہاں ذمہ داری ادا ہوتی ہے۔ بلکہ ذمہ داری وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں یہ سکرولنگ رک جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

قیامِ پاکستان کے مقصد سے انحراف

"کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ یہاں قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، نہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم ہوئی، نہ اسلامی علوم کی سرپرستی کی گئی اور نہ اسلام کو بالادستی عطا کی گئی بلکہ اس عرصے میں غیر اسلامی نظامِ تعلیم اور فرنگی معاشرت و ثقافت کے ذریعے تین نسلیں وہ تیار کی گئیں ہیں جو اسلام کے متعلق یا تو شک وشبہ کا شکار ہیں یا پھر کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہیں۔"

(حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، بحوالہ: صدائے حق ص ۱۳۱)

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۸

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

پندرہویں فصل

۸۰ء کی دہائی کے پہلے نصف میں فلسطینی منظر نامے پر بہت سی تبدیلیاں آئیں، اور ہماری اخلاقیات اور رویوں میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ میں نے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی اور غزہ کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا، حالانکہ میرے بھائی محمود نے اس کی مخالفت کی تھی جو کہتا تھا کہ یہ یونیورسٹی ہے؟ یہ تو ایک ثانوی اسکول کے لائق بھی نہیں ہے! جبکہ حسن میرے فیصلے کے حق میں تھا اور ابراہیم بھی متفق تھا، اور میری ماں نے میری خواہش کو تسلیم کیا اور محمود سے کہا کہ اس معاملے پر خاموش رہے اور فیصلہ مجھے کرنے دے، کیونکہ یہ معاملہ میرا تھا، اور میں خود اس کا فیصلہ کرنے والا تھا، لہٰذا محمود خاموش ہو گیا، گو کہ ناپسندیدگی کے ساتھ۔

میں نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور سائنس فیکلٹی میں میرا اندراج ہو گیا۔ میں نئے سال اور تعلیم کے آغاز کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا، خاص طور پر جب یہ خبریں آئیں کہ اس سال یونیورسٹی میں قابل ذکر ترقی ہونے والی ہے، کیونکہ اس سال پانچ سو طلباء و طالبات کو داخلہ دیا جائے گا، اور ایک پی ایچ ڈی ہولڈر کو یونیورسٹی کا صدر منتخب کیا جائے گا اور پی ایچ ڈی ہولڈرز کی ایک تعداد تدریس کے لیے آئے گی، اور یونیورسٹی کے لیے ایک خاص عمارت بھی تعمیر کی جائے گی۔

ابراہیم نے پورے موسم گرما کی تعطیلات کے دوران اپنے دوست کے ساتھ تعمیراتی کام میں مشغول رہنے کا عزم کیا اور اچھا مالی فائدہ حاصل کیا۔ معاملہ یہیں نہیں رکا بلکہ وہ اب ایک ماہر تعمیراتی کارکن بن چکا تھا، کیونکہ اس نے اپنے دوست سے یہ پیشہ سیکھا، اور وہ دونوں شراکت دار بن گئے اور ایک معاون کارکن کو بھی ملازمت دی، اور وہ درمیانی درجے کی تعمیراتی ٹھیکیداریاں لینے لگے۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ ابراہیم کی خود انحصاری اسے ایک کامیاب انسان بنا رہی تھی۔

میرے بھائی محمود اور حسن دونوں کا ایک ایک بچہ ہوا اور میری بہن فاطمہ کا بھی۔ حسن کے کام میں ترقی ہوئی کیونکہ اس نے اپنی ذاتی ورکشاپ کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے جگہ کرائے پر لی اور ورکشاپ کے لیے ضروری مشینری خریدنے لگا کیونکہ اسے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ محمد اپنی تعلیم (کیمسٹری) میں بیر زیت یونیورسٹی میں ترقی کر رہا تھا، اور ہر سمسٹر کو امتیاز کے ساتھ مکمل کر رہا تھا۔ یونیورسٹی نے فیس وصول کرنا بند کر دی تھی، کیونکہ یونیورسٹی طلباء کو امتیازی کارکردگی پر اسکالرشپ دے رہی تھی، اور اسے صرف روزمرہ کے اخراجات کی ضرورت تھی۔

تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہم نے الازہر کے دینی ادارے کی اسی عمارت میں اپنی کلاسیں شروع کیں۔ یونیورسٹی کی ترقی کے بارے میں سنی جانے والی بہت سی باتیں واقعی سچ ثابت ہوئیں، کیونکہ داخلہ لینے والے طلباء و طالبات کی تعداد درست تھی، اور یونیورسٹی کے صدر کے طور پر ایک ڈاکٹر بھی یونیورسٹی آ گیا تھا۔ اور تدریس کے لیے پی ایچ ڈی ہولڈرز کی ایک تعداد بھی آئی۔ انہوں نے اس عمارت کی تکمیل شروع کر دی جس کی بنیاد بہت پہلے سے رکھی گئی تھی، تاکہ یہ یونیورسٹی کے لیے مخصوص ہو۔ یہ سب اس بات کا اشارہ تھے کہ یونیورسٹی واقعی یونیورسٹی بننے والی ہے، اور خوشخبریاں اس کی تصدیق کرتی تھیں، جس سے ہم طلباء مستقبل کے بارے میں زیادہ مطمئن ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود ہم دوپہر کے بعد انسٹیٹیوٹ کے کمروں میں پڑھتے رہے۔ لڑکے الازہر کے طلباء کے لیے مخصوص کیے گئے حصے میں پڑھتے تھے جبکہ لڑکیاں الازہر کی طالبات کے لیے مخصوص مقام پر پڑھتی تھیں۔

جس سال میں ہم نے داخلہ لیا تھا، وہ سال تعارفی تھا، جس میں ہم اس مواد کا مطالعہ کرتے تھے جو ہماری ثانوی تعلیم کے برابر ہوتا تھا، اور اسے الازہر کے ثانوی طلباء کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یعنی زیادہ تر مواد نظریاتی تھے، جن میں زیادہ تر دینی مواد ہوتے تھے، جو ہمیں کچھ مشائخ پڑھاتے تھے، ساتھ ہی کچھ ابتدائی علمی مواد بھی پڑھایا جاتا تھا، لیکن یہ کم تھا، اس لیے ہمارے مطالعہ کی سنجیدگی اور تھکاوٹ کا احساس محدود تھا۔ ہم نے سال کا زیادہ تر وقت کھیل کود اور مختلف نظریاتی تنازعات کے ساتھ گزارا۔ یہ واضح تھا کہ اسلامی تحریک کے طلباء عام طلباء سے زیادہ تعداد میں تھے، اور وہ زیادہ منظم تھے اور اپنے نظریات پیش کرنے اور طلباء کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں زیادہ کامیاب تھے۔ فتح کے نوجوان کمزور تھے لیکن وہ اپنی صلاحیتوں اور سطح کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ الجبهة اليسارية

کے طلباء بہت کم تھے، اور ان کی آواز قابل ذکر نہیں تھی، وہ ایک چھوٹا سا گروہ تھے جو اپنے آپ میں محدود تھا، اور ان کی تحریک بہت محدود تھی۔

سال کے آغاز کے ایک ماہ بعد یونیورسٹی میں طلباء کے درمیان تحریک شروع ہو گئی، جو جلد ہی ہونے والے طلبہ یونین کے انتخابات کی تیاری کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی طالبات کی تنظیم کے انتخابات بھی ہو رہے تھے۔ مختلف نظریاتی تحریکوں کے کارکن نئے طلباء سے رابطہ کرنے، اپنی نظریات پیش کرنے اور ان طلباء کو اپنی صفوں میں شامل کرنے کی کوشش میں زیادہ مستعد ہو گئے۔ کینٹین کے چھوٹے سے ہال میں میزوں پر بحث کرنے والوں اور اپنے نظریات پیش کرنے یا دوسروں پر تنقید کرنے والوں کی بھرمار تھی۔ چند دنوں بعد ہمیں محسوس ہوا کہ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے درمیان کچھ مسئلہ ہے کیونکہ ان میں سے زیادہ تر اپنے سابقہ ذمہ دار سے الگ کام کر رہے تھے، جو ہلال احمر کے انتخابات کے دوران ہونے والے واقعات اور تصادم کی وجہ سے تھا۔

چند دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ان سے الگ ہو چکا ہے اور الگ پینل (کسی پارٹی یا اتحاد کے امیدواروں کی فہرست) سے انتخابات لڑے گا اور وہ دوسرے پینل سے لڑیں گے، اور قوم پرست قوتیں، فتح اور جبهة اليسارية کی تنظیموں کے ساتھ مل کر تیسرے پینل میں انتخابات لڑیں گی۔ بحث و مباحثے شدت اختیار کرنے لگے، بیانات تقسیم کیے جا رہے تھے اور نعرے دیواروں پر چسپاں کیے جا رہے تھے۔ طلباء کی قومی جماعت نے ابو عمار کی تصاویر دیواروں پر چسپاں کرنے میں اضافہ کر دیا تھا، ہر پینل نے اپنے گیارہ امیدواروں کے نام اپنی فہرست پر لکھ کر ان کا نام اور نعرہ شامل کیا اور اسے حامیوں اور مؤیدین میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ ابراہیم اسلامی جماعت کے نمایاں کارکنوں میں سے تھا، اور اگرچہ میں خود کو اسلامی جماعت کا حصہ یا اس کا حامی نہیں سمجھتا تھا، لیکن میرے پاس اپنے چچازاد اور اس کے پینل کو ووٹ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ ہماری اکٹھی زندگی اور اس کی ذاتی صفات مجھے اسے رد کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، حالانکہ میرے دل میں فتح کی طرف اس کی علامتی حیثیت اور اس کے فدائی اور مسلح مزاحمتی کردار کی وجہ سے کچھ میلان تھا۔

ووٹنگ کے دن، میرے اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ پہلا انتخابی تجربہ تھا۔ ہم ایک لمبی قطار میں کھڑے ہوئے۔ ہر کوئی اپنا ذاتی شناختی کارڈ تھامے ہوئے تھا، جسے ووٹنگ کمیٹی کو دکھایا جاتا۔ پھر ہم اندر گئے، ہمیں ووٹنگ فارم دیا گیا اور ہمارا نام ووٹرز کی فہرست سے کاٹ دیا گیا۔ پھر ہم ایک مخصوص میز پر جا کر اپنے پسندیدہ امیدوار کو منتخب کرتے تھے، کاغذ کو تہہ کر کے صندوق میں ڈال دیتے تھے۔ اس پر یونیورسٹی کے کچھ ملازمین اور ہر فہرست کے ساتھ ایک نگران نگرانی کر رہا ہوتا تھا، اور ابراہیم اپنے پینل کے نگرانوں میں شامل تھا۔ جب میں ووٹنگ ہال سے باہر آیا تو میں نے سنا کہ میدان کے ایک کونے میں کچھ ہلچل ہو رہی تھی۔ میں یہ دیکھنے کے لیے وہاں پہنچا کہ کیا ہوا ہے، دیکھا کہ فتح کے کارکنوں سے بات چیت ہو رہی تھی کہ اسلامی جماعت کے کارکنوں نے ابو عمار کی تصاویر پھاڑ دی تھی اور ان پر پاؤں رکھا تھا۔ اس واقعے نے بعض لوگوں پر منفی اثر ڈالا، اور شاید کچھ لوگوں نے اپنا ووٹ اسلامی جماعت سے ہٹا لیا۔ جب ووٹنگ کا عمل ختم ہوا تو ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی اور کچھ ابتدائی نتائج کی خبریں آنے لگیں۔ کبھی کہا جاتا کہ اسلامی جماعت جیت رہی ہے اور کبھی کہا جاتا کہ نتائج غیر یقینی ہیں۔ میں اور ابراہیم یونیورسٹی میں انتخابات کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے، تقریباً گیارہ بجے رات کو، امور طلباء کے ڈائریکٹر نے نتائج کا اعلان کیا۔ اسلامی جماعت نے نمایاں طور پر جیت حاصل کی، اور آزاد جماعت نے قومی جماعت کو پیچھے چھوڑ دیا۔

رات میں جب میں اور ابراہیم گھر واپس آئے تو ابراہیم بہت خوش تھا، اور میری ماں ہمارے انتظار میں بے حد پریشان تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو مجھے یاد آیا کہ جب میں ووٹنگ ہال سے نکلا تھا تو کیا ہوا تھا۔ میں نے ابراہیم سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ کے کسی کارکن نے ابو عمار کی تصاویر پھاڑ دی تھی اور ان پر پاؤں رکھ دیا تھا؟ اس نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ انہوں نے فوراً اس معاملے کی جانچ کی اور یہ سچ نہیں نکلا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ قومی جماعت کے کارکنوں کی طرف سے آخری لمحے میں اسلامی جماعت کے حامیوں کو ہٹانے کی ایک انتخابی کوشش تھی۔ میں نے ابراہیم پر بغیر کسی شک کے یقین کیا، کیونکہ میں نے ہمیشہ اسے دیانت دار دیکھا تھا اور کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن کیا وہ لوگ جن سے ابراہیم نے پوچھا تھا، سچے تھے؟ اس بارے میں مجھے یقین نہیں تھا۔

لبنان میں خانہ جنگی کے پھوٹنے کے باوجود، جس میں فلسطینی مزاحمت ایک اہم حصہ تھی، فلسطینی مزاحمت کی لبنان میں موجودگی مضبوط رہی اور اسرائیل کے لیے ہمیشہ ایک مستقل پریشانی کا باعث بنی رہی، خاص طور پر جب مزاحمت کے لوگ وقتاً فوقتاً شمالی فلسطین میں اسرائیلی آبادیوں جیسے کہ کریات شمونی پر چند کاتیوشا راکٹ (Katyusha Rocket)[1] داغتے تھے۔ اسرائیلی حکومت نے، جس کی قیادت مناخیم بگین کر رہا تھا اور وزیر دفاع شارون تھا یورپ میں ایک اسرائیلی شخصیت کے قتل کے واقعے کا فائدہ اٹھایا اور لبنانی سرحد پر اپنی فوج جمع کر دی، اور لبنان پر حملہ شروع کر دیا۔ کچھ لوگ توقع کر رہے تھے کہ یہ حملہ چند کلومیٹر تک محدود ہو گا تاکہ کاتیوشا راکٹوں کے داغنے کو روکا جا سکے، اور شاید بگین بھی کی سوچ بھی یہی تھی۔ لیکن شارون نے اسرائیلی فوج کو لبنان کے اندرونی علاقوں تک دھکیل دیا، یہاں تک کہ اس نے بیروت کا محاصرہ کر لیا۔

فلسطینی انقلاب کی قیادت کے خوف کے پیش نظر، کہ اسرائیلی فوج بیروت اور اس کے ارد گرد کے فلسطینی کیمپوں پر حملہ کرے گی تاکہ مزاحمت کو ختم کیا جا سکے اور ایسی جنگ میں ہزاروں شہری ہلاک ہو جائیں گے، انہوں نے لبنان سے مزاحمت کو نکالنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ

[1] کاتیوشا راکٹ جو کہ سوویت یونین نے دوسری جنگ عظیم کے دوران تیار کیا تھا، یہ راکٹ سسٹم عام طور پر ایک پیڈ پر نصب متعدد راکٹوں کو ایک ساتھ فائر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دشمن کے مقامات پر تیزی سے بڑی مقدار میں بمباری کر سکتا ہے۔

ثالثی کے ذریعے انقلاب کی قیادت اور تمام فلسطینی مسلح افراد لبنان سے نکل گئے اور کیمپوں اور پناہ گزینوں کو لبنانی کتائب اور اسرائیلی فوج کے درمیان بغیر کسی حفاظت، ہم آہنگی اور معاہدے کے چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں صبرا اور شتیلا کے کیمپوں میں قتل عام کیا گیا، جس میں سینکڑوں فلسطینی پناہ گزین مرد، عورتیں اور بچے قتل ہوئے، اور اس قتل عام میں انسانیت کے خلاف بدترین جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔

جب یہ خبریں میڈیا کے ذریعے عام ہوئیں، تو مقبوضہ علاقوں میں صورتحال بگڑ گئی، اس دور میں حالات انتہائی مشکل اور سخت تھے، کیونکہ کیمپوں کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد یا قریبی رشتہ دار لبنانی کیمپوں میں موجود تھا۔ پناہ گزینوں کو بار بار غم اور پریشانی جھیلنی پڑی، جس میں دردناک انسانی کہانیاں بھی شامل تھیں، جیسے کہ ماں کو اپنے بچوں کی خبر نہ ہو، یا بچوں کو اپنے والد کی خبر نہ ہو، یا بیوی کو اپنے شوہر کی حالت کا علم نہ ہو۔

ہم یونیورسٹی میں بہت شور و غل کے ساتھ مظاہرہ کر رہے تھے، سب نے اپنی وابستگیاں اور اختلافات بھلا دیے اور ہم قابض افواج سے جا ٹکرائے جو یونیورسٹی کے قریب شارع الثلاثینی کے راستے سے گزر رہی تھی۔ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی اور وہ ہم پر گولیاں برسانے اور آنسو گیس کے بم پھینکنے سے باز نہ آئے۔ کئی طلباء زخمی ہو گئے اور انہیں علاج کے لیے دار الشفاء ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔

الخلیل شہر میں روز بروز آبادی میں اضافہ ہو رہا تھا، ہر ہفتہ یہودی آبادکار ایک نئے گھر پر قبضہ کرتے، اس کے مکینوں کو نکال باہر کرتے اور اس میں داخل ہو جاتے۔ فوج ان کی مکمل حمایت اور حفاظت کرتی۔ شہری اس صورتحال سے تنگ آ چکے تھے، اسی وقت فتح کے تین جوانوں کی ایک فدائی ٹیم منظم ہو رہی تھی اور انہوں نے الخلیل کے وسط میں یہودی آبادکاروں اور ان کی حفاظت کرنے والے فوجیوں کے خلاف ایک زبردست اور فیصلہ کن کارروائی کی پلاننگ شروع کر دی تھی۔ سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود انہوں نے ہتھیار حاصل کر لیے، کچھ بندوقیں، گولیاں اور دیسی بم۔ انہوں نے شہر کے مختلف مقامات کا جائزہ لیا تاکہ سب سے آسان اور مؤثر ہدف کا انتخاب کر سکیں جہاں وہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکیں۔ مختلف بہانوں کے ساتھ شہر کے پرانے حصے میں چکر لگاتے ہوئے انہوں نے اپنے اصل مقصد کو چھپائے رکھا۔

انہوں نے الدبویہ بلڈنگ میں موجود استعماری اور فوجی اجتماع پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چپکے سے اور احتیاط سے قبرستان میں داخل ہوئے، جو بلڈنگ کے اوپر سے نظر آتا تھا، انہوں نے اپنی پوزیشن لی اور فیصلہ کن لمحے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر اپنے ہاتھ میں موجود دیسی بم پھینکے اور بندوقوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ ہر طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں، فوجیوں کو حملہ آوروں پر جوابی فائرنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، کافی دیر بعد بڑی تعداد میں کمک پہنچی تاکہ مرنے والوں اور زخمیوں کو ہٹایا جا سکے۔

ہلاکتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد کم نہیں تھی۔ شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور ہر جگہ تلاشی اور جانچ پڑتال شروع ہو گئی تاکہ حملہ آوروں کے بارے میں کوئی معلومات مل سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر جانب منظم اور دانستہ توڑ پھوڑ کی مہم چلائی گئی۔ کرفیو کئی دن تک جاری رہا اور جب اٹھایا گیا تو قابض افواج نے شہر میں نئے قوانین نافذ کر دیے تھے۔ حرم ابراہیمی شریف میں جہاں وہ صرف سیاحوں کی حیثیت سے جاتے تھے، اب انہوں نے اس کا کچھ حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا جہاں آبادکار مذہبی یہودی تقریباً ہمیشہ موجود رہتے تھے سوائے جمعہ کی نماز کے۔

یوسفیہ ہال میں اپنی نشستیں اور شمع دانیں رکھی گئیں اور درجنوں فوجی ہر وقت ان مقامات کی اور ان میں موجود متدین یہودیوں اور ان کی عبادت کی اشیاء کی حفاظت کرتے رہے، اسی دوران راستے بند کیے گئے، مکانات ضبط کر لیے گئے، لوگوں پر دباؤ بڑھا اور قابض فوج کی گشت بڑھ گئی جو لوگوں کے شناختی کارڈز چیک کرتی، ان کی اور ان کے سامان کی تلاشی لیتی اور ہر گلی کوچے میں موجود ہوتی، جس سے لوگوں کی زندگی حقیقی عذاب میں تبدیل ہو گئی، یہ واضح ہو گیا کہ لوگ قابضوں اور آبادکاروں کے مظالم سے تقریباً گھٹ رہے ہیں۔

جمال حرم ابراہیمی میں نماز ادا کرنے کے لیے جاتا تھا اور تمام پابندیوں اور سختیوں کے باوجود اس نے حرم میں جانا جاری رکھا، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی چیز ہمیں اپنے مسجد میں نماز ادا کرنے سے نہیں روک سکتی۔ ان کے تمام اقدامات ہمیں دہشت زدہ کرنے اور مسجد سے نکالنے کی کوششیں ہیں، جب تک ہماری رگوں میں خون دوڑ رہا ہے، ہم کبھی بھی اپنی مسجد سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے محبت کرنے والی ماں اور فکر مند بیوی حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں اور حفاظت و سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

جہاں وہ (جمال) جامعہ سے وابستہ اسکول میں کام کرتا تھا، وہاں فتح تحریک کے حمایتی بہت سے اساتذہ کے درمیان ہر موقع پر مباحثہ ہوتا رہتا تھا، وہ اساتذہ اس پر اور اسلام پسندوں پر تنقید کرتے تھے جو قابض کے خلاف مسلح جدوجہد میں شامل نہیں ہوتے تھے اور تماشائی بنے رہتے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے بحث کرتا تھا کہ ہماری قوم کو اپنی حقیقی جنگ لڑنے کے لیے، جو کبھی رکتی نہیں، دین اور ایمان کا ہتھیار تھامنا ہو گا اور اپنے دین کی طرف لوٹنا ہو گا تاکہ جنگ اپنے حقیقی معنوں میں اور مطلوبہ سطح پر پہنچ سکے۔ جب لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ دنیا میں اس لیے جہاد کر رہے ہیں، تکالیف جھیل رہے ہیں اور مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں تاکہ آخرت میں اجر و رضوان حاصل کریں، تو وہ ان مشکلات کو آسانی سے برداشت کریں گے، بلکہ اپنے بچوں کو بھی جہاد، قربانی اور ایثار کے لیے بھیجیں گے، اس طرح وہ نہ تو کسی نقصان کا شکار ہوں گے اور نہ ہی قومی فرض سے کوتاہی کے الزام کا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آبادکاروں نے ایک خفیہ تنظیم بنالی تھی، جو الخلیل شہر اور دیگر مقامات پر عربوں پر حملے کی تیاری کرنے لگی۔ اس گروپ کے پاس ہتھیار، گولہ بارود اور دھماکہ خیز مواد موجود تھا اور اس کے زیادہ تر ارکان اسرائیلی فوج کے جنگی یونٹوں میں کام کر

چکے تھے۔ انتہا پسند بڑے حاخام ان کی حمایت کرتے تھے، انہیں مذہبی جواز فراہم کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ عربوں کو قتل کرنے اور ان کے مکانات اور عبادت گاہوں کو تباہ کرنے کے فتوے دیتے تھے۔

صبح کے وقت جب الخلیل یونیورسٹی کے طلباء وطالبات یونیورسٹی کیمپس میں جمع ہوئے تھے، ایک سفید رنگ کی پیجو ۴۰۴ (Peugeot 404) کار رکی اور اس میں سے تین مسلح افراد نکلے اور انہوں نے اپنے خودکار ہتھیاروں سے طلباء پر فائرنگ شروع کر دی۔ چند ہی منٹوں میں گاڑی وہاں سے نکل گئی اور پیچھے درجنوں طلباء وطالبات کو خون میں لت پت چھوڑ گئی، جن میں سے کچھ شہید بھی ہو گئے۔ کافی دیر بعد قابض فوج اور اس کی خفیہ ایجنسیاں وہاں آئیں اور حادثے کی تحقیقات کا ڈرامہ کرنے لگیں، انہوں نے کچھ طلباء اور راہ گیروں سے پوچھ گچھ کی جبکہ لوگ زیرِ لب کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ کیا انہیں لگتا ہے کہ ہم یقین کر لیں گے کہ یہ حادثہ ان کی منصوبہ بندی اور سازش کا حصہ نہیں تھا؟

اسی گروپ کے آبادکاروں نے القدس کے پرانے شہر میں ایک مکان کرائے پر لیا اور وہاں جدید دھماکہ خیز مواد جمع کرنا شروع کر دیا، اور ایک ریٹائرڈ افسر کی نگرانی میں تربیت حاصل کرنے لگے تاکہ مسجد اقصیٰ کو اس میں موجود لوگوں سمیت اڑا دیا جائے اور وہاں سے اسلامی آثار کو مٹا دیا جائے۔ یہ خبر سکیورٹی اداروں تک پہنچی اور انہوں نے اس معاملے کا جائزہ لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنے کا وقت ابھی مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس انتہا پسند گروپ کی کارروائی کو روکنے کا فیصلہ کیا اور انہیں عارضی طور پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، باوجود اس کے کہ انہوں نے کئی لوگوں کو قتل کیا اور انتہائی خطرناک منصوبوں میں ملوث تھے۔

اس وقت ایک مذہبی انتہا پسند تحریک نے، جس کا نام ”حركة أمناء الهيكل“ تھا، اعلان کیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں داخل ہو کر اپنے ہیکل کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں جو مسجد اقصیٰ کے انہدام پر قائم ہو گا اور یہ کہ وہ اس کے لیے طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک انتہا پسند نے مسجد اقصیٰ پر دھاوا بولا اور اسلامی وقف کے محافظوں اور عبادت گزاروں پر فائرنگ کی، جس سے کئی افراد جاں بحق ہو گئے۔

اس گروپ کے مسجد اقصیٰ پر حملہ کرنے کی نیت کی خبر ہر جگہ پھیل گئی اور دوپہر سے پہلے اسلامی یونیورسٹی تک پہنچ گئی۔ فوری طور پر طلباء کونسل کے کچھ اراکین، جن میں ابراہیم بھی شامل تھے، یونیورسٹی کے صحن میں جمع ہوئے اور مسجد اقصیٰ کو درپیش خطرات کے متعلق ایک جلسہ شروع کیا اور اعلان کیا کہ وہ طلباء کے ساتھ القدس روانہ ہوں گے۔ کچھ طلباء اپنے والدین کو بتائے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے اور کچھ نے اپنے بیگ اور کتابیں اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں ان کے گھروں تک پہنچائیں اور ان کے والدین کو بتائیں کہ وہ القدس جا رہے ہیں۔ میں اور ابراہیم بھی ان میں شامل تھے جنہوں نے ایسا کیا۔

ہماری بس القدس کی جانب روانہ ہوئی اور ہمارے ساتھ یونیورسٹی کے ایک استاد، شیخ یونس بھی تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ بس ہمیں اڑاتے ہوئے مسجد اقصیٰ پہنچا دے تاکہ ہم اپنے جسموں کو مسجد کی حفاظت کے لیے ڈھال بنا سکیں۔ راستے بھر شیخ ہمیں اس مقدس زمین کی فضیلت اور اس میں جہاد کی فضیلت کے بارے میں بتا رہے تھے، یہاں تک کہ ہمارے جذبات اور احساسات اپنی اصل حدود سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گئے۔

ہم مسجد اقصیٰ پہنچے تو وہاں مردوں، عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد دیکھنے کو ملی۔ ایک بہت بڑا اور غیر منظم اجتماع تھا، ہم تقریباً ساٹھ لوگ تھے اور ہم نے مسجد کے ایک کونے میں جمع ہو کر قیادت تشکیل دی، جس کی سربراہی ابراہیم کر رہے تھے، اور شیخ یونس ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ہم نے خود کو کئی گروپوں میں تقسیم کیا اور ہر گروپ کو ایک دروازے کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی، جہاں سے ممکنہ طور پر حملہ آور آ سکتے تھے، ہمارے پاس اپنے دفاع کے لیے صرف ہاتھ، لکڑیاں اور پتھر تھے۔

ہم نے اپنی جگہیں سنبھال لیں اور ہمیں تاکید کی گئی کہ کسی بھی صورت اپنی جگہ نہ چھوڑیں کیونکہ اگر حملہ آور مختلف مقامات سے حملہ کریں تو غیر منظم ہجوم پہلے دروازے کی طرف دوڑ پڑے گا، جہاں سے حملے کی خبر آئے گی۔

ہر گروپ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تاکہ نماز کے وقت ایک گروپ نماز ادا کرے اور دوسرا پہرہ دے، جب پہلا گروپ نماز ختم کر لے، تو وہ پہرہ سنبھال لے اور دوسرا گروپ نماز کے لیے جائے۔ رات ہوتے ہی جب معاملہ طویل ہوتا دکھائی دیا، تو طے ہوا کہ پہلا گروپ رات کے پہلے حصے میں سوئے گا اور پھر دوسرا گروپ رات کے دوسرے حصے میں آرام کرے گا۔ قیادت کی ٹیم ہر گروپ کو احکام پہنچاتی رہی تاکہ سب کا عمل متحد رہے۔ جنہوں نے پہرہ دینا تھا، انہیں رات کی سردی نے گھیر لیا، کچھ مقامی لوگ جلدی سے اون کے کمبل لے آئے اور ہر ایک کو ایک کمبل دیا تاکہ وہ خود کو ڈھانپ سکیں۔ ہم پتھر کے ستونوں اور دیواروں کے پاس بیٹھ کر ہر لمحے اسے دیکھنے لگے اور ہمارے دلوں میں اس مقدس مقام کی عظمت اور اس کے تاریخی مراحل کی خوبصورت یادیں گردش کرنے لگیں۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمیں مسجد اقصیٰ کی عملی حفاظت کا شرف حاصل ہوا۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے اسراء و معراج کو یاد کیا، صلاح الدین ایوبی کو یاد کیا اور ہماری آنکھیں نم ہو گئیں۔ کچھ لوگوں کی سسکیاں سنائی دینے لگیں، آدھی رات کو دوسری ٹیم نے ہماری جگہ لے لی۔ ہم نے انہیں کمبل اور پتھر دے دیے اور ہم مسجد اقصیٰ کے صحن میں چلے گئے اور کمبل کا کچھ حصہ بچھا کر سو گئے، اور کچھ حصہ سے خود کو ڈھانپ لیا۔ فجر کی اذان پر ہم اٹھے، وضو کیا اور نمازیوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ مسجد اقصیٰ کے ایک محافظ نے ہماری تنظیم اور تیاری کا جائزہ لیا اور ابراہیم کے کان میں سرگوشی کی کہ یہاں سینکڑوں لوہے کی پائپیں ہیں جو تعمیراتی کاموں میں سہاروں کے لیے استعمال ہوتی ہیں، انہیں لے لو اور اگر ضرورت پڑے تو استعمال کرو۔

جب سورج نکلا تو ایک اور بس یونیورسٹی کے طلباء سے بھری ہوئی پہنچ گئی اور ہماری تعداد سو سے زائد ہو گئی، ہر ایک کے پاس ایک لوہے کی پائپ تھی، جو ہاتھوں یا پتھروں سے کہیں بہتر تھی۔ سب نے اپنی جگہیں سنبھال لیں، اور لوگ دوبارہ مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔ کبھی کبھار یہ افواہ پھیلتی کہ وہ باب المغاربہ سے حملہ کریں گے، تو لوگ مجموعی طور پر اس دروازے کی طرف بڑھ جاتے، اور یونیورسٹی کے طلباء اپنی جگہوں پر موجود رہتے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بڑی تعداد نوجوانوں اور مردوں کی تھی جو عوام الناس سے زیادہ منظم تھے، اور انہوں نے بھی ہمیں دیکھا اور اندازہ کر لیا کہ ابراہیم ہمارے قائد ہیں۔ کچھ لوگ ان کے پاس آئے، اپنا تعارف کرایا، وہ ۱۹۴۸ء کی سرزمینوں سے، خاص طور پر ام الفحم کے مذہبی نوجوان تھے۔ فوراً وہ ہمارے ساتھ شامل ہو گئے اور ہماری ٹیم کا حصہ بن گئے۔ ان کی سب سے خاص بات ان کے دل کی غیر معمولی نرمی، قربانی اور فداکاری کے لیے حیرت انگیز تیاری تھی۔ آپ دیکھتے کہ جلد ہی کوئی نہ کوئی نشید یا نغمے کے لیے تیار ہو جاتا، جس میں الفاظ کی انتہائی بلندی اور پاکیزگی ہوتی جو روح اور خون کو اقصیٰ پر فدا کرنے کے موضوع پر ہوتی اور ہم اپنی آنکھوں کے آنسو نہیں روک پاتے تھے، اور ہمارے ہاتھوں کی گرفت لوہے کے پائپوں پر مضبوط ہو جاتی تھی۔

وہ دن جو الہیکل کے نگہبانوں نے مقرر کیا تھا گزر گیا اور وہ مسجد اقصیٰ کے قریب آنے کی جرات نہ کر سکے اور ہم نے مزید ایک دن وہاں گزارا تاکہ اطمینان ہو۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو ہم نے مسجد اقصیٰ میں ظہر کی نماز ادا کی، پھر مسجد کے صحن میں ایک حلقہ بنایا اور شیخ یونس نے ہمیں اس سریہ کے بارے میں بتایا جس میں ہم اللہ کی راہ اور اپنی اقصیٰ کی راہ میں نکلے تھے۔ جس میں اللہ نے ہمارے لیے دشمن سے ملاقات نہیں لکھی، اور نہ ہی کسی کو شہادت نصیب ہوئی۔ پھر انہوں نے دعائیں کیں کہ اللہ ہماری اقصیٰ کو ان کی چالوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اس کی ساحات میں شہادت اور جہاد کی فضیلت عطا فرمائے۔ انہوں نے طویل دعائیں کیں اور ہم سب نے آمین کہا، اور سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور نالہ و فریاد بلند ہو گئی۔ پھر ہم بس پر واپس غزہ پہنچ گئے اور سارے راستے خاموشی چھائی رہی۔

مسجد اقصیٰ کا یہ سفر اور ہمارے اپنے لوگوں سے ملاقات جنہیں عرب الداخل کہا جاتا ہے، جس نے ہمیں ہماری بکھری ہوئی قوم کے ایک حصے کو یاد دلایا۔ یہ پہلی بار تھا جب عرب الداخل کے لوگوں سے براہ راست ملے اور میں نے ان کے بارے میں پہلے تھوڑا سا سنا تھا۔ لیکن اس ملاقات میں میں نے انہیں قریب سے جانا اور انہوں نے جلدی ہی میرے دل میں اپنی پیاری خصوصیات، اچھے دل اور خوش مزاجی کی وجہ سے جگہ بنالی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اس پوری مدت کے دوران قابض افواج کے سامنے ثابت قدم رہے۔ اگرچہ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ وہ اپنے عرب اور اسلامی تشخص اور فلسطینی ہونے سے محروم ہو جائیں، مگر وہ اس سے کہیں زیادہ ثابت قدم رہے، جتنا کوئی بھی انسان تصور کر سکتا ہے جو ان سے نہیں ملا اور ان کی روح اور عزم کو نہیں دیکھا۔

میرے بھائی محمد نے اندرونی علاقے کے کچھ نوجوانوں سے ملاقات کی تھی جب وہ جامعہ الخلیل کا دورہ کر رہے تھے، جیسا کہ مختلف دھڑوں کے سرگرم کارکنوں کا معمول ہوتا ہے۔ محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی دوسری یونیورسٹیوں میں دورے کر رہا تھا، جہاں وہ اپنے ہم نظر کارکنوں سے ملاقات کرتا اور کام اور مؤقف میں ہم آہنگی پیدا کرتا۔

ان میں سے ایک دورے کے دوران جب وہ جامعہ الخلیل میں تھے، ایک کارکن نے انہیں دوپہر کے کھانے کے لیے طلباء کے ایک گھر میں مدعو کیا۔ وہاں ان کی کچھ نوجوانوں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ان کا بہت اچھا استقبال کیا اور ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ محمد کو اس وقت علم ہوا کہ وہ اندرونی علاقے (۴۸) کے نوجوان ہیں، جیسے اُم الفحم اور کفر قاسم وغیرہ۔ یہ واضح تھا کہ یہ نوجوان بہت ہی اچھے اخلاق کے حامل تھے اور ان کی دینی سطح بہت بلند تھی۔ وہ دین اور قوم کے ساتھ حقیقی وابستگی محسوس کرتے تھے اور قابضین کے زیر نگیں زندگی گزارنے نے انہیں اپنے دین اور اپنے قضیہ کے ساتھ اور زیادہ مضبوطی سے وابستہ کر دیا تھا۔

میرا بھائی محمد امتیازی حیثیت میں سائنس کالج سے فارغ التحصیل ہوا، جس کی وجہ سے اسے فوری طور پر جامعہ بیرزیت میں کیمیا کے شعبے میں معید (معاون) کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ میری والدہ اس کی فراغت اور غزہ میں اس کی واپسی کی منتظر تھی، لیکن اس کی تعیناتی کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ زیادہ تر وقت مغربی کنارے میں ہی گزارے گا۔ یہ بات فی نفسہ میری والدہ کے لیے ایک مسئلہ تھی کیونکہ محمد رام اللہ میں مسلسل غائب رہتا تھا، لیکن یہی ایک مسئلے کا حل بھی تھا کیونکہ گریجوئیشن کے بعد جب وہ واپس آتا تو اسے ایک نئے کمرے کی ضرورت ہوتی اور گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔ جب انہوں نے رام اللہ میں اس کے رہائش کے موضوع پر بات کی تو اس نے بتایا کہ وہ کم سے کم پہلے سال تک اپنے ساتھی طلباء کے ساتھ مشترکہ اپارٹمنٹ میں رہے گا جیسا کہ وہ اپنی تعلیم کے دوران کرتا تھا۔

ایک دن مسجد الأقصیٰ میں رباط کے بعد جب ہم گھر میں ایک خاندانی مجلس میں تھے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔ بات بے اختیار میرے منہ سے نکل گئی اور میں اپنی بات سے ہٹنے کے قابل نہیں رہا۔ ابراہیم کی نظریں فوراً تیز ہو گئیں، محمود نے ابراہیم، محمد اور حسن پر جو اسلامی تحریک کے رکن تھے، مسلح مزاحمت میں حصہ نہ لینے اور صرف سیاسی اور عوامی کاموں پر اکتفا کرنے پر تنقید کرتے ہوئے حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس وقت یہ طرزِ عمل تمہاری قیادت کو کٹہرے میں کھڑا کرتا ہے، کیونکہ وہ دین کے نام پر نوجوانوں کی اعلیٰ صلاحیتوں کو مزاحمت میں عملی طور پر لگنے سے روک رہی ہے۔

محمد نے جواب دیا کہ لگتا ہے کہ طالب علمی کے کام میں مشغولیت نے اسے سیاسی بحث میں بہت تجربہ کار بنا دیا ہے۔ تمہاری بات سن کر کوئی یہ سمجھے گا کہ تمہاری بندوقیں کبھی خاموش نہیں ہوں گی اور تمہاری کارروائیاں یہودیوں کو چند گھنٹوں میں بھاگنے پر مجبور کر دیں گی، تم

جانتے ہو کہ کئی سالوں سے مسلح مزاحمت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ کمزور سی کوششیں ہوتی ہیں جو اپنی ابتدائی حالت میں ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ باش مہندس کیا بات اسی طرح نہیں ہے؟

جب ہم اگلے دن مغرب کی نماز کے لیے مسجد گئے، تو نوجوان مسجد میں معمول کے مطابق حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شیخ احمد گفتگو کرنا چاہتے تھے، محمد نے ان سے اجازت لیتے ہوئے کہا کہ شیخ احمد، اگر اجازت ہو تو ایک سوال ہے جس کا جواب میں چاہتا ہوں کیونکہ یہ اکثر مواقع پر ہم سے پوچھا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اسلام پسندوں کا قومی عمل، یعنی مزاحمت میں کردار کہاں ہے؟ شیخ احمد مسکراتے ہوئے حاضرین کے چہروں کو دیکھتے ہوئے اور اپنے ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے بولے کہ ہم اس وقت تربیت اور تیاری کے مرحلے میں ہیں، اور پھر انہوں نے تربیت کی اہمیت اور ان قوموں اور عوام کے مستقبل کی تعمیر میں اس کی ضرورت پر بات کی جو اعلیٰ مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ اس موضوع کی طرف منتقل ہو گئے جس پر وہ پہلے بات کرنا چاہتے تھے۔

تربیت اور تیاری کے الفاظ بار بار سنائی دیتے رہے، مہینوں اور سالوں تک ہر بار جب بھی ہمارے گھر میں یا ام العبد کے گھر میں ان کے بیٹے عبد الحفیظ کی موجودگی میں کوئی بحث ہوتی، یا یونیورسٹی میں کسی بھی بحث میں جب بھی اسلام پسندوں کے مسلح مزاحمت میں کردار کے بارے میں پوچھا جاتا تو جواب دینے والا کہتا "ہم اس وقت تربیت اور تیاری کے مرحلے میں ہیں"، اور اکثر وہ اس جواب کے لیے اسلامی دعوت کے پہلے راہنما، محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال دیتے کہ انہوں نے بھی تلوار کے جہاد سے پہلے کئی سالوں تک تبلیغی اور دعوتی کام کیا۔

ایک دن ہم دیر سے گھر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ہماری ماں بہت پریشان ہیں اور ہمیں پتہ چلا کہ ایک پولیس والے نے ابراہیم کو ایک نوٹس دیا ہے جس میں اسے اگلی صبح خفیہ ایجنسی کے دفتر میں جانے کا حکم دیا گیا ہے اور دیر نہ کرنے کی تنبیہ کی ہے۔ ابراہیم پریشان نہیں ہوا، نہ ہی اس کے چہرے پر کوئی فکر یا خوف تھا اور اس نے ہماری ماں کو یقین دلایا کہ یہ بہت معمولی بات ہے، اور اس طرح کے نوٹس درجنوں نوجوانوں کو اسی طرح دیے جاتے ہیں جہاں ان سے کچھ سوالات پوچھ کر انہیں جانے دیا جاتا ہے۔ اگلے دن ابراہیم اس انٹرویو کے لیے گیا جہاں اسے اور اس جیسے دیگر مطلوبہ افراد کو کئی گھنٹوں تک ایک کمرے میں بند رکھا گیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ اس کے بعد انہیں علاقے کے انٹیلی جنس افسر کے دفتر میں لے جایا گیا، جس کی کنیت ابو ودیع تھی، اور اس نے ابراہیم سے اس کے اہل خانہ، رشتہ داروں، رہائش اور تعلیم کے بارے میں عام سوالات پوچھنے شروع کیے۔ ابراہیم نے مختصر سے مختصر جوابات دیے، اور ابو ودیع نے اسے بات چیت میں مشغول کرنے کی کوشش کی، لیکن ابراہیم نے اختصار کی پالیسی پر عمل کیا۔

کچھ دیر ان سوالات کے بعد، اس نے یونیورسٹی میں اس کی، طلبہ کی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات پوچھنا شروع کیے، لیکن اسے صرف "ہاں" یا "پتہ نہیں" کے جوابات ملے، ابو ودیع غصے سے بپھر گیا اور چیخ کر بولا: کیا تمہیں لگتا ہے کہ ہمیں تمہاری سرگرمیوں اور تعلقات کا علم نہیں ہے؟ اور کیا ہمیں یہ معلوم نہیں کہ تمہارا سر پتھر کی طرح سخت ہے؟

ابراہیم خاموش رہا، جس پر انٹیلی جنس افسر کا غصہ مزید بڑھ گیا اور اس نے ابراہیم کو اپنے ہاتھ سے دھکیلنا یا ہلکے تھپڑ مارنے شروع کر دیے، لیکن ابراہیم نے کوئی حرکت نہیں کی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ابو ودیع چیخا، تربیت اور تیاری، تربیت اور تیاری کیوں؟ ابراہیم نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم کہ آپ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں؟ ابو ودیع ہنس پڑا، مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے اور میں تم سے کچھ اور توقع نہیں کر رہا تھا۔ لیکن یاد رکھو کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم یہ الفاظ دہراتے رہتے ہو، اور تم نے یونیورسٹی میں طلبہ کی قومی جماعت کے سوالات کے جوابات میں یہ سینکڑوں بار کہا ہے۔ اور جان لو کہ ہم تمہاری نگرانی کر رہے ہیں، اور ہمیں ہر اس سانس کا علم ہے جو تم لیتے ہو اور جیسے ہی تم کچھ کرنے کا سوچو گے ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم تمہیں جیلوں میں کیسے ڈالتے ہیں۔ ابو ودیع نے شناختی کارڈ ابراہیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: تمہاری آنکھوں میں جو نفرت بَھری ہوئی ہے جیسے کسی خچر کی آنکھوں میں ہو، اسے اگلی بار جب میں تمہیں بلاؤں تو گھر چھوڑ کر آنا۔ ابراہیم نے اپنا کارڈ لیا اور کمرے سے نکلتے ہوئے مسکرا دیا جسے چھپانا مشکل تھا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

جوابِ شکوہ

وہ عین مغربی جمہوریت ہے، عین وہی جمہوریت ہے جس کو حضرت تھانوی، حضرت مولانا قاری محمد طیب، مولانا یوسف لدھیانوی اور دیگر اکابر علماء رحمہم اللہ نے غیر شرعی، کفری بلکہ عصر حاضر کا صنم اکبر تک کہا ہے۔ اس جمہوریت کو اُسی جگہ رکھیے جو اس کی اصل حیثیت ہے۔ اُس حیثیت میں آپ اس میں شامل ہیں، دین کی خدمت کی امید رکھتے ہیں تو ہم لاکھ آپ کے ساتھ اختلاف کریں گے، آپ کو اس پر فریب راستے پر چلنے سے منع کریں گے مگر آپ کی جان و مال اور عزت کو ایسا ہی اپنے اوپر حرام سمجھیں گے جس طرح اپنے مجاہد بھائی کی جان و مال اور عزت کو۔ ایسے میں خدا کے لیے، امت مسلمہ پر آئے اس بدترین دور کا واسطہ، اس امت پر رحم کیجیے اور اُس جمہوریت کو اسلامی نہ سمجھائیے کہ استعمار کی آمد سے پہلے امت مسلمہ کی پوری تاریخ میں جس کا کہیں کوئی وجود نہیں ملتا اور جسے عالم اسلام پر مسلط ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم سے دعوت و جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شرعی راستہ چھینا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ و ہم کو عدل و انصاف اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، اور یہ توفیق بھی کہ آپ و ہم ایک دوسرے کو حلیف سمجھیں، بھائی سمجھیں اور اس نظام باطل کے خلاف ایک دوسرے کی راہ کی رکاوٹ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں۔ آمین یارب العالمین۔

خباب ابن السبیل

امریکی ویٹرنز ڈپارٹمنٹ کا سابق امریکی فوجیوں میں خودکشی کی روک تھام کے لیے اے آئی کا استعمال

ویب سائٹ Nextgov کی خبر کے مطابق ویٹرنز افیئر محکمے نے اے آئی ٹیکنالوجی کو ویٹرنز (ریٹائرڈ فوجیوں) میں خودکشی کی روک تھام کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے، لیکن یہ انسانی مداخلت کی جگہ نہیں لے سکتا۔ AI صرف خطرے کی نشاندہی کرتا ہے، جبکہ علاج اور رابطہ انسانی ڈاکٹرز اور کوآرڈینیٹرز کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایپلی کیشنز میں AI سے چلنے والے آلات سے لے کر ڈیپارٹمنٹ کے اہلکاروں کے لیے آن نیٹ ورک جنریٹو چیٹ بوٹ تک شامل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر، مکمل یا جزوی طور پر، ایسے سابق فوجیوں کی شناخت اور مدد کرنے پر مرکوز تھے جن کے حوالے سے خود کو نقصان پہنچانے کا زیادہ خطرہ پایا جاتا ہو۔ ویٹرنز افیئر میں دو دہائیوں سے زیادہ عرصے سے خودکشی کی روک تھام ایک اہم ترجیح رہی ہے۔ محکمہ اس مدت کے دوران خطرے سے دوچار سابق فوجیوں کو فراہم کردہ دیکھ بھال اور خدمات کو بڑی حد تک بڑھانے کے لیے کام کر رہا ہے۔ لیکن ان اقدامات کے باوجود خودکشی کے اعداد و شمار خطرناک حد تک زیادہ رہے ہیں۔ ۲۰۰۱ء سے اب تک ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ سابق فوجی اپنی جانیں لے چکے ہیں۔ VA کے اعداد و شمار کے مطابق صرف ۲۰۲۲ء میں چھ ہزار چار سو سات سابق فوجیوں نے خودکشی کی تھی۔ کچھ تنظیموں نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ اعداد و شمار سابق فوجیوں کی خودکشیوں کی کل تعداد سے بہت کم۔

ان فوجیوں تک، جن کے حوالے سے خود کو نقصان پہنچانے کا خطرہ زیادہ ہے، بہتر طریقے سے پہنچنے کے لیے VA کی AI سے چلنے والی کوششوں میں سے ایک، The Recovery Engagement and Coordination for Health-veteran Enhanced Treatment، یا REACH VET پروگرام، ابتدائی طور پر ۲۰۱۷ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ریٹائرڈ سروس ممبران میں سب سے زیادہ خودکشی کرنے والے افراد کی شناخت کے لیے محکمہ کے الیکٹرانک ہیلتھ ریکارڈ کو سکین کرتا ہے۔ ہاؤس ویٹرنز افیئرز کی ٹیکنالوجی ماڈرنائزیشن ذیلی کمیٹی کی سماعت کے دوران VA کے چیف ٹیکنالوجی آفیسر اور چیف AI آفیسر چارلس ورتھنگٹن نے قانون سازوں کو بتایا کہ REACH VET نے ایک لاکھ تیس ہزار سے زیادہ سابق فوجیوں کی شناخت کرنے کے لیے AI الگورتھم کا استعمال کیا ہے جو زیادہ خطرے میں ہیں۔

اسرائیلی فوجی بھی امریکیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خودکشیاں کرنے لگے

ایک ۳۴ سالہ اسرائیلی ٹینک آپریٹر ڈمٹری شاپیرو کو وسطی اسرائیل میں بیت الزاری کیسیعے قریب پیراٹروپر زیادگار کے قریب مردہ پایا گیا۔ اسرائیلی میڈیا رپورٹس کے مطابق حکام نے تصدیق کی ہے کہ اس کی موت خودکشی کے نتیجے میں ہوئی۔ اس کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ وہ غزہ سے 'ٹوٹا ہوا' لوٹا تھا۔ جنوری ۲۰۲۴ء سے جولائی ۲۰۲۵ء کے درمیان ۲۷۹ فوجیوں نے خودکشی کی کوشش کی۔ ۲۰۲۳ء میں ۱۷ اسرائیلی فوجیوں نے اپنی جانیں لیں۔ ۲۰۲۴ء میں ۲۰ فوجیوں نے خودکشی کی۔ ۲۰۲۵ء کی پہلی ششماہی میں ۱۶ فوجیوں نے خودکشی کی۔ ٹائمز آف اسرائیل کی ایک رپورٹ میں شائع ہونے والی داخلی فوجی تحقیقات کے نتائج کے مطابق، اسرائیلی فوجیوں میں حالیہ خودکشیاں جاری جنگ کے نفسیاتی صدمے کی وجہ سے ہوئیں، جن میں جنگی علاقوں میں طویل تعیناتی، دل خراش مناظر اور دوستوں کا کھو جانا شامل ہے۔ زیادہ تر خودکشیاں جنگ کی وجہ سے پیدا ہونے والی پیچیدہ حقیقت کے نتیجے میں ہوئیں۔ IDF نے کہا کہ وہ نتائج اخذ کر رہا ہے اور ذہنی صحت کے حوالے سے اپنے اقدامات کو بڑھا رہا ہے۔ فوج مبینہ طور پر کمانڈروں کی تربیت کو بڑھا رہی ہے تاکہ وہ اپنے فوجیوں میں پریشانی کی علامات کا پتہ لگانے میں مدد کر سکیں، جبکہ دماغی صحت کے افسران کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایکٹو ڈیوٹی سپاہیوں کے لیے ۲۰۰ اور ریزروسٹ کے لیے ۶۰۰، جبکہ ایک ہزار کے قریب پہلے سے ہی جنگ کے آغاز سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چینل ۱۲ کے حوالہ کردہ اعداد و شمار کے مطابق، ۲۰۲۵ء کے اختتام تک ۱۷ سے زیادہ فوجی خودکشی کر چکے ہیں - ایک ایسی تعداد جس میں ریزروسٹ شامل نہیں ہیں جو اپنی موت کے وقت فعال ڈیوٹی پر نہیں ہیں، جیسے کہ Roi Wasserstein۔ اس کے کیس نے عوامی بحث کو بھڑکا دیا ہے کہ فوج کس طرح فارغ اور ریزرو فوجیوں میں ذہنی صحت کا خیال رکھ رہی ہے۔

گوگل اور یوٹیوب کی اسرائیل کے لیے سہولت کاری

معروف جرنلسٹ رابرٹ انلاکیش Robert Inlakesh کا کہنا ہے کہ گوگل سروسز Google جی میل Gmail اور یوٹیوب YouTube نے اس کی رپورٹنگ کو ڈیلیٹ کر دیا اور اس پر پابندی عائد کر دی ہے۔ جس میں اس نے اسرائیلی فوجیوں کے بچوں سمیت غیر مسلح فلسطینی شہریوں کو گولی مار کر شہید کرنے کے بارے میں تحقیقی مقالے شامل تھے۔

اس نے ایکس پر لکھا: ”اسرائیلی فوجیوں کی طرف سے شہریوں کو گولی مارنے کی میری تمام کوریج، بشمول لائیو سٹریم پر نشانہ بنائے گئے بچے، اور میرا پورا اکاؤنٹ ڈیلیٹ کر دیا گیا اور پھر مجھ پر مکمل پابندی لگا دی گئی۔“

انلاکیش پر یہ پابندیاں اس وقت سامنے آئی ہیں جب یوٹیوب نے مبینہ طور پر اسرائیلی جنگی جرائم کو دستاویز کرنے والی تقریباً ۷۰۰ ویڈیوز کو ہٹا دیا ہے۔ یہ نسل کشی کو چھپانے کے لیے صحافیوں کو خاموش کرانے کی ایک کوشش ہے۔ یوٹیوب کے پاس ADL کے ساتھ باضابطہ مواد کی پالیسی کی شراکت داریاں ہیں جو اسرائیل کی حمایت کرنے والی سب سے طاقتور تنظیموں میں سے ایک ہے۔ اور Google ”انتہا پسندی“ کی

بلیک لسٹ اور مواد کی ماڈریشن پر اسرائیلی حکومت کی وزارتوں کے ساتھ براہ راست کام کرتا ہے۔ یہ ایک سنسرشپ انفراسٹرکچر ہے۔ جہاں سیلیکون ویلی اور اسرائیلی ریاست معلومات کو وہ شکل دیتی ہے کہ دنیا غزہ کے بارے میں کیا دیکھ سکتی ہے اور کیا نہیں۔

غزہ کے بچوں کی نسل کشی کے لرزہ خیز اعداد و شمار

فلسطین کے سرکاری پریس آفس نے عالمی یومِ اطفال کے موقع پر لرزہ خیز اعداد و شمار جاری کیے، جو واضح طور پر بتاتے ہیں کہ قابض اسرائیل غزہ کی پٹی میں بچوں کے خلاف صدی کی سب سے بڑی نسل کشی کر رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق:

- بیس ہزار سے زائد بچے شہید ہوئے، جو اس صدی میں بچوں کے خلاف سب سے بڑا عالمی جرم ہے۔
- ایک ہزار پندرہ بچے ایک سال سے کم عمر کے تھے۔
- ۴۵۰ سے زائد شیر خوار بچے پیدا ہونے کے بعد شہید ہوئے۔
- ۱۵۴ سے زائد بچے بھوک کی وجہ سے شہید ہوئے۔
- ۱۴ بچے زبردستی بے دخلی کے کیمپوں میں، بغیر کسی پناہ گاہ، کپڑوں یا حرارت کے سبب سردی کی وجہ سے شہید ہوئے۔
- ۸۶۴ سے زائد بچے براہِ راست حملوں کے نتیجے میں اعضا کے نقصان کا شکار ہوئے۔
- پانچ ہزار دو سو بچے فوری طبی امداد کے منتظر ہیں۔
- چھ لاکھ پچاس ہزار بچے بھوک سے موت کے خطرے میں ہیں۔
- چالیس ہزار شیر خوار بچے بچوں کے دودھ کی کمی کی وجہ سے موت کے خطرے میں ہیں۔
- چھپن ہزار تین سو اڑتالیس سے زائد بچے یتیم ہوئے، ایک یا دونوں والدین کھو بیٹھے، اور یہ جدید دور کی ایک بڑی یتیمی کی لہر ہے۔ یہ بچے آج بغیر پناہ، بغیر حفاظت اور محفوظ ماحول کے زندگی گزار رہے ہیں اور ان پر دیرپا نفسیاتی اثرات مرتب ہوں گے۔

فلسطینیوں کو مکمل حقوق فراہم کیے بغیر کوئی سمجھوتہ قابلِ قبول نہیں: انور ابراہیم

ملیشیا کے وزیرِ اعظم انور ابراہیم نے فلسطینی قضیہ کے حوالے سے اپنے ملک کے موقف کو برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ ملیشیا کسی صورت فلسطینی حقوق پر سمجھوتے کو قبول نہیں کرے گا۔ انہوں نے زور دیا کہ کوئی بھی ایسا معاہدہ جو فلسطینی عوام کے مکمل حقوق کو یقینی نہ بنائے، دیرپا نہیں ہو سکتا۔ انور ابراہیم نے صحافیوں سے گفتگو میں کہا کہ بین الاقوامی برادری کو واضح مؤقف اپنانا چاہیے تاکہ وہ ان منصوبوں کی حقیقت سامنے لا سکے جو فلسطینیوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قابض اسرائیل کی جارحیت کا خاتمہ اور مغربی کنارے میں استعماری بستیوں کی تعمیر روکنا کسی بھی منصفانہ اور مستقل تصفیے کے لیے بنیادی شرائط ہیں۔ انور ابراہیم نے واضح کیا کہ ملیشیا کے نزدیک فلسطینی ریاست کا قیام ۱۹۶۷ء کی حدود کے اندر اور اس کا دارالحکومت مشرقی القدس ہونا، فلسطینی عوام کی مشکلات ختم کرنے اور خطے میں حقیقی امن قائم کرنے کا واحد راستہ ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ سات اکتوبر ۲۰۲۳ء سے قابض اسرائیل کی فوج نے امریکی اور یورپی حمایت کے ساتھ غزہ میں منظم نسل کشی کی ہے، جس میں قتل، قحط، تباہی، جبری نقل مکانی اور گرفتاریاں شامل ہیں۔ اس دوران بین الاقوامی برادری کی اپیلیں اور عالمی عدالت کے احکامات کو نظر انداز کیا گیا۔ اس سفاکیت کے نتیجے میں دو لاکھ انتالیس ہزار سے زائد فلسطینی شہید اور زخمی ہوئے، جن میں اکثریت بچے اور خواتین ہیں، جبکہ گیارہ ہزار سے زائد افراد لاپتہ ہیں۔ مزید برآں، ہزاروں افراد بے گھر اور قحط کا شکار ہوئے، جس سے بے شمار جانیں ضائع ہوئیں، جن میں زیادہ تر بچے شامل ہیں۔

مصری مبلغ شیخ محمود شعبان کا جیل میں ناروا سلوک پر بھوک ہڑتال کا اعلان

مصری مبلغ اور الازہر یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر محمود شعبان نے جیل میں ناروا سلوک کے خلاف احتجاجاً بھوک ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔ قیدِ تنہائی کے ایک بند سیل کے اندر سے ڈاکٹر محمود شعبان کا ایک تکلیف دہ پیغام باہر پہنچا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ انہیں بھوک ہڑتال کیے ہوئے ۱۴ دن سے زائد ہو چکے ہیں۔ پیغام سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ کو قیدِ تنہائی میں رکھا گیا ہے اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے، بشمول:

- پاک جگہ پر نماز پڑھنے سے روکنا۔
- سیل میں حفظانِ صحت کی اشیاء کا مہیا نہ ہونا۔

شیخ محمود شعبان کو ۲۰۱۹ء میں شامی جہاد میں شمولیت کے الزام پر گرفتار کیا گیا تھا اور پندرہ سال سزا سنائی گئی تھی۔ اس سزا سے پہلے حراست میں دورانِ تفتیش ان پر تشدد کیا گیا۔ وہ اس سے قبل ۲۰۲۲ء میں بھی جیل حکام کے تشدد اور تذلیل آمیز رویے کے سبب ہڑتال کر چکے ہیں۔ اس وقت اپنے خط میں، شعبان نے اسامہ الفی نامی افسر کی طرف سے اپنے اور دوسرے قیدیوں کے خلاف روا رکھے جانے والے غیر انسانی سلوک کا انکشاف کیا تھا جس میں ایک قیدی سے اس اہلکار کا یہ کہنا بھی شامل ہے: ”جب تم اپنے خدا سے ملو تو اسے میرا فون نمبر دے دینا۔“

یورپ روس سے جنگ کے لیے تیار نہیں، فرانسیسی تھنک ٹینک کا انتباہ

فرانسیسی خبر رساں ادارے ’اے ایف پی‘ کی رپورٹ کے مطابق نمایاں یورپی تھنک ٹینک فرینچ انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل ریلیشنز (آئی ایف آر آئی) نے اپنی رپورٹ میں خبردار کیا ہے کہ روس کے ساتھ کسی شدید نوعیت کے تنازع کی صورت میں یورپ کمزوری کا شکار ہو سکتا ہے، اور رپورٹ کے مصنفین نے روس کو ’ایک طویل مدتی خطرہ‘ قرار دیا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یورپ کو آئندہ ۵ برسوں میں روس کے ساتھ ممکنہ تصادم کی تیاری کے لیے سیاسی عزم اور ہم آہنگ دفاعی معاشی حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ آئی ایف آر آئی کے ڈائریکٹر تھامس گومارٹ نے کہا کہ ہماری طاقت اور کمزوریوں کی نشاندہی کرنا ضروری ہے، اور انہوں نے یورپ کی فوجی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا۔ یورپی ممالک کے پاس روس کا مقابلہ کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، یعنی معاشی وسائل، عسکری استعداد، اور تکنیکی مہارت، لیکن سب سے اہم چیز ہے سیاسی عزم، اور اگر یہ دکھایا جائے تو ۲۰۳۰ء تک روس کا مقابلہ ممکن ہے۔ روس کے صدر ولادیمیر

پیوٹن کی جانب سے فروری ۲۰۲۲ء میں یوکرین پر مکمل حملہ کیے جانے کے بعد سے یورپی ممالک نے عسکری اخراجات میں اضافہ کیا ہے تاکہ روس کو محدود رکھا جاسکے۔ گزشتہ ماہ فرانس کے چیف آف ڈیفنس اسٹاف فابیئن مانڈون نے کہا تھا کہ ملک کو آئندہ ۳ سے ۴ سال میں روس کے ساتھ ممکنہ تصادم کے لیے تیار رہنا چاہیے، کیوں کہ روس ممکنہ طور پر ہمارے براعظم پر جنگ جاری رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق، اگرچہ یورپ کو فضائی اور بحری میدان میں روس پر برتری حاصل ہے، لیکن بری افواج کے پاس گہرائی اور گولا بارود کے ذخائر کے حوالے سے 'انتہائی تشویش ناک کمی' پائی جاتی ہے۔ اس تنازع میں امریکہ بھی یورپی ممالک پر دباؤ ڈالے ہوئے ہے۔ امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا ہے کہ ہم، روس پر مزید پابندیاں عائد کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن یورپ کو بھی اس معاملے میں واشنگٹن کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہوگا۔ ٹرمپ نے صحافیوں کے ساتھ بات چیت میں کہا ہے کہ ''یورپ، روس سے تیل خرید رہا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ تیل خریدیں۔ اس کے علاوہ جو پابندیاں انہوں نے لگائی ہیں وہ کافی سخت نہیں ہیں۔ میں پابندیاں لگانے کے لیے تیار ہوں لیکن انہیں بھی اپنی پابندیاں اسی سطح پر سخت کرنا ہوں گی جتنی کہ امریکہ کی ہیں۔''

مشرقی ترکستان ترک صحافی کا دورہ اور اس کے مشاہدات

ترک صحافی اور مصنف طحہٰ کِلِن نے مشرقی ترکستان میں آٹھ دن کا سفر کیا اور پھر اپنے مشاہدات کو دستاویزی شکل دیتے ہوئے "In Pursuit of the Lost Land" کے عنوان سے ایک سفری جریدہ شائع کیا۔ طحہٰ جس نے مسلم دنیا کا مطالعہ کرنے میں کئی سال گزارے ہیں، نے بتایا کہ ان کا جون کا مشرقی ترکستان کا سفر ''سب سے مشکل اور سخت مہم'' تھی۔ اس آٹھ روزہ مہم نے طحہٰ کو پہلی بار اس ''بند علاقے'' کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا جو چینی پابندیوں کی وجہ سے کئی سالوں سے ناقابل رسائی تھا۔ اپنے سفر کے دوران اس نے خطے کے بہت سے قصبوں اور شہروں کا دورہ کیا، جیسے کاشغر، یارکند، ارمچی، ترپن، ہوتن، ارتوش، گلجا۔ وہ چار اہم سوالات کی تحقیق کرنا چاہتا تھا:

۱. کیا مساجد کھلی ہیں؟ کیا لوگ مساجد میں نماز پنجگانہ ادا کر سکتے ہیں؟
۲. کیا اذان سنی جاسکتی ہے؟
۳. آپ سڑکوں پر کیا دیکھتے ہیں (مثال کے طور پر حجاب پہننے والی خواتین، نظر آنے والی مذہبی شناخت)؟
۴. روزمرہ کی زندگی میں لوگ کن عملی پابندیوں کا شکار ہیں؟

اس کے مشاہدات:

مساجد اکثر بند رہتی تھیں، یا صرف میوزیم کے طور پر کام کرتی تھیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہ کسی مسجد میں پانچوں نمازوں میں شریک نہیں ہوئے۔ ''ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہت سی مساجد یا تو تباہ ہو چکی ہیں یا عجائب گھروں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ کاشغر کی مشہور عید گاہ مسجد میں نماز ادا کرنا ناممکن ہے، یہ صرف کاغذات میں ہی کھلی ہے۔'' ان کے مشاہدے کے مطابق بہت سی مساجد شراب خانوں، ہوٹلوں اور ریستورانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور سڑکوں سے ''اسلامی تشخص'' کے تمام نشانات غائب ہو چکے ہیں۔ اذان (نماز کے لیے) کھلے عام نہیں سنی گئی۔ اس نے جتنے بھی مقامات کا دورہ کیا، ان کا کہنا ہے کہ اس نے کم سیاحتی محلوں اور گلیوں میں بھی ایک بھی عورت کو حجاب پہنے (گلی میں) نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ روایتی مذہبی لباس میں کوئی مرد نظر نہیں آیا۔ اس نے روزمرہ کے بہت سخت کنٹرول کا مشاہدہ کیا۔ مثال کے طور پر، ایک علاقے میں یہ فہرستیں تھیں کہ ایک ایغور ڈرائیور کتنے لیٹر پیٹرول خرید سکتا ہے، یا وہ کتنے کلومیٹر تک گاڑی چلا سکتا ہے۔ کچھ سامان (رسی، خیمہ، دوربین) کو اویغوروں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ انہیں ''بغاوت کی تیاری'' کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ہوتن میں اس نے ایک مسجد کا مشاہدہ کیا جہاں بوڑھے مسلمان مردوں کو انفرادی طور پر چیک کیا جاتا تھا اور فہرستوں سے ان کی شناخت کی جاتی تھی، پھر صحن میں انہیں چین سے وفاداری کا حلف دلایا جاتا تھا۔

اس نے مشاہدہ کیا کہ ترپن کے قریب ایک ''ری ایجوکیشن'' یا ''پیشہ ورانہ تعلیم'' کا مرکز نظر آتا ہے جس میں اونچی دیواریں، خاردار تاریں اور گارڈ ٹاورز ہیں، وہ سٹرکچر جنہیں وہ اویغوروں کی بڑے پیمانے پر تعلیم کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مشرقی ترکستان میں طحہٰ کے سفری مشاہدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین پر ایک بہت مختلف حقیقت ہے جو عوامی طور پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ سفری مشاہدات وسیع پیمانے پر مذہبی دباؤ، انضمام کی پالیسیوں، بھاری نگرانی اور اویغوروں پر عائد روزمرہ کی پابندیوں کو واضح کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عافیہ کی بہن اور بچوں کو دھمکیاں

سابق سینیٹر مشتاق نے انکشاف کیا ہے ڈاکٹر عافیہ کے لیے امریکی عدالت میں نظر ثانی کی پٹیشن فائل ہوئی ہے جس میں ڈاکٹر عافیہ کے اغوا میں ملوث افراد کے اعترافی بیانات ہیں۔ اس نئی پیش رفت کے بعد ڈاکٹر فوزیہ کو اور ڈاکٹر عافیہ کے بچوں کو دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک وفاقی وزیر نے براہ راست دھمکی دی ہے۔ انہوں نے قوم سے اپیل کی کہ وہ عافیہ موومنٹ تنظیم اور ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ کی پشت پر کھڑے ہوں اور ان کا ساتھ دیں۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر عافیہ کے وکیل کلائیو سمتھ بھی یہ بتا چکے ہیں کہ ڈاکٹر عافیہ کے اہل خانہ کو مسلسل دھمکیاں دی جاتی رہی ہیں اور انہیں ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی جدوجہد ترک کرنے کا کہا جاتا رہا ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ نے حالیہ دنوں میں ایک بیان میں یہ انکشاف بھی کیا کہ انہیں ڈرانے کے لیے خفیہ ادارے ان کے گھر کے سامنے لاشیں پھینکتے رہے۔ ایک اور بیان میں سابق سینیٹر مشتاق نے یہ بھی بتایا کہ شہباز حکومت ڈاکٹر عافیہ صدیقی رہائی کیس میں تاخیری ہتھکنڈوں کے ذریعے مسلسل رکاوٹیں ڈال رہی ہیں، دو، تین سطری دستاویز (Amicus Brief) جس میں حکومت پاکستان امریکی عدالت میں ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کی سفارش کرے جمع کرنے سے انکاری ہے۔ حکومت نے امائیکس بریف جمع کرنے کیلئے اسلام آباد ہائیکورٹ کے ۴رکنی بنچ سے ۳۰دسمبر تک مہلت مانگی تھی۔

آئی ایم ایف کی پاکستان کی سیاسی و معاشی اشرافیہ کی کرپشن پر رپورٹ

عالمی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں سیاسی اور معاشی اشرافیہ سرکاری پالیسوں پر قبضہ کر کے معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ اس رپورٹ کا دائرہ صرف وفاقی سطح کی کرپشن اور گورننس تک محدود ہے۔ رپورٹ میں اہم سرکاری اداروں کو حکومتی ٹھیکوں میں خصوصی مراعات ختم کرنے، ایس آئی ایف سی کے فیصلوں میں شفافیت بڑھانے اور حکومت کے مالیاتی اختیارات پر سخت پارلیمانی نگرانی کی سفارش کی گئی ہے جب کہ اینٹی کرپشن اداروں میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ آئی ایم ایف نے ایس آئی ایف سی کے اختیارات، استثنا اور شفافیت پر سوالات اٹھاتے ہوئے ایس آئی ایف سی کی جانب سے سالانہ رپورٹ فوری جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ رپورٹ میں تمام سرکاری خریداری بھی ۱۲ ماہ میں ای گورننس سسٹم پر لانے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ پالیسی سازی اور عمل درآمد میں زیادہ شفافیت اور جواب دہی ضروری ہے۔

آئی ایم ایف کی رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ سیاسی اور معاشی اشرافیہ سرکاری پالیسوں پر قبضہ کر کے معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں، اشرافیہ اپنی جیبیں بھرنے کے لیے معاشی ترقی میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔ ٹیکس سسٹم پیچیدہ، کمزور انتظام اور نگرانی بدعنوانی کا باعث ہے، عدالتی نظام کی پیچیدگی اور تاخیر معاشی سرگرمیوں کو متاثر کرتی ہے، ٹیکس ٹو جی ڈی پی تناسب میں کمی بدعنوانی کے خطرات کی علامت ہے جب کہ بجٹ اور اخراجات میں بڑے فرق سے حکومتی مالیاتی شفافیت پر سوالات ہیں۔ گورننس اور کرپشن رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اینٹی کرپشن پالیسیوں میں تسلسل کی کمی اور غیر جانبداری سے اداروں پر عوام کا اعتماد ختم ہو رہا ہے، پاکستانیوں کو سروسز کے حصولی کی خاطر مسلسل ادائیگیاں کرنا پڑتی ہے، حکومتی اور بیوروکریسی کے زیر اثر اضلاع کو زیادہ ترقیاتی فنڈ ملے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق سرکاری عہدوں پر فائز شوگر ملز مالکان نے مسابقت کی قیمت پر اپنے کام کو منافع بخش رکھا، شوگر ملز مالکان اپنے فائدے کے لیے بر آمدات اور قیمتوں کے تعین کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوئے، وافر ذخیرہ ہونے کے باوجود شوگر ملز مالکان نے مصنوعی قلت پیدا کرنے اور قیمتوں میں ہیرا پھیری کے لیے ملی بھگت کی۔

آئی ایم ایف رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پی ٹی آئی حکومت کی ۲۰۱۹ء میں چینی بر آمد کی اجازت ظاہر کرتی ہے اشرافیہ اپنے مفاد کے لیے پالیسیوں پر قابض ہیں، چینی کی تحقیقاتی رپورٹ میں سیاسی ہیوی ویٹ کو مجرم قرار دیا گیا ہے اور تحقیقاتی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ بر آمدی دباؤ سے چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہوا۔

عدالتی نظام میں پرانے قوانین، ججوں، عدالتی عملے کی دیانتداری کے مسائل ہیں جس کے باعث قابل اعتماد طریقے سے معاہدوں کو نافذ کرنے یا جائیداد کے حقوق کا تحفظ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کرپشن کو پاکستان میں عدالتی کارکردگی کو متاثر کرنے اور قانون کی حکمرانی کو نقصان پہنچانے والے اہم عنصر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

نیشنل کرپشن سروے میں عدلیہ کو پولیس اور پبلک پروکیورمنٹ کے ساتھ سب سے زیادہ کرپٹ شعبوں میں سے ایک کے طور پر دکھایا گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئی ایم ایف اس رپورٹ میں نہ صرف عسکری اشرافیہ کے کردار کو نظر انداز کرتی ہے بلکہ وہی بیانیہ سپورٹ کرتی ہے جو فوجی جرنیل ۷۸ سالوں سے پیش کرتے آرہے ہیں کہ پاکستان کا اصل مسئلہ سیاسی اشرافیہ کی بیڈ گورننس اور کرپشن ہے۔ حالانکہ اس حقیقت سے اب سبھی واقف ہیں کہ چاہے بیوروکریسی ہو یا پارلیمان، پاکستان کی فوج ہی ہے جو طے کر رہی ہے کہ کون کس جگہ پر ہو گا اور کتنا اختیار اسے حاصل ہو گا؟ نیب کس کی کرپشن نظر انداز کرے گا اور کس کے لیے ایک معینہ مدت تک کے لیے کھلی چھوٹ ہے۔ اور اس سارے کھیل تماشے کو مینج کرنے والی عسکری اشرافیہ اور ان کے ادارے کیا کر رہے ہیں اسے آئی ایم ایف کی جانب سے نظر انداز کیا جانا یہ واضح کرتا ہے کہ آئی ایم ایف اور امریکہ اس کھیل میں شریک ہیں۔

ایمانی بھائی چارے کا درست مفہوم

کبھی کبھی ایمانی بھائی چارے، دینی اخوت اور عبادت میں بھائی چارے کے مفہوم کو سمجھنے میں خلل اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا دائرہ جس میں ہمیں تمام مومنین کو شامل کرنا چاہیے، لیکن یہ دائرہ وسیع ہونے کے بجائے تنگ ہو جاتا ہے، یہ دائرہ محدود ہو کر کسی جماعت، یا گروہ، یا تنظیم تک رہ جاتا ہے۔ اور یہ خلل، یہی موضوع ہے جسے میں آج سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ یہ خلل اور بگاڑ ہم میں بھی پیدا ہو سکتا ہے اور بعض اوقات واقع بھی ہو جاتا ہے۔ اخوت اور بھائی چارہ، جو کہ تمام مسلمانوں کے درمیان ایمان کی بنیاد پر ہونا چاہیے، یعنی جو بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے، وہ اہل اسلام میں سے ہے (جب تک کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرے)، وہ ہمارا بھائی ہے، یہ اخوت محدود ہو کر تنظیمی بھائی چارے میں بدل جاتی ہے۔ بعض اوقات شاید ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو تنظیم القاعدہ میں شامل ہوا، وہ ایمان کی اخوت میں اپنا حصہ پا گیا اور جو اس تنظیم سے باہر نکل گیا، گویا وہ اسلام کے دائرے سے ہی نکل گیا۔ ہم ایسا نہیں کہتے، لیکن حقیقت میں کبھی کبھی ہمارے حالات میں ایسا پایا جا سکتا ہے۔ یہ مظلوم کی مدد کرنے یا بیماروں کی عیادت کرنے میں موجود ہو سکتا ہے۔ مصیبت زدہ کی مدد کرنا، بے سہارا لوگوں کی اعانت کرنا، اور غریبوں کو کھانا کھلانا، یہ سب کچھ تب تک ٹھیک لگتا ہے جب وہ شخص ہماری تنظیم کا رکن ہو۔ ہم اس کے ساتھ چلتے ہیں، لیکن اگر وہ عام مسلمانوں میں سے ہو تو ہم اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ تاہم، کبھی کبھار یہ غلطی پیدا ہوتی ہے، آپ سے کوئی شخص بات کرتا ہے اور کہتا ہے: ”وہ میرا بھائی ہے“۔ ہاں، وہ اسلام میں آپ کا بھائی ہے۔ چاہے وہ آپ کی تنظیم میں نہ ہو، پھر بھی وہ آپ کا دینی بھائی ہے۔ ہماری تنظیم لوگوں کو دین سے خارج نہیں کرتی، معاذ اللہ! بلکہ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، چاہے وہ ہم سے اختلاف ہی کیوں نہ کریں۔ پھر جب کوئی بمباری ہوتی ہے، تو کہا جاتا ہے: ”دو بھائی اور تین عام لوگ شہید ہو گئے“۔ کیوں؟ کیا وہ عام لوگ ہمارے بھائی نہیں تھے؟ کیوں نہیں، وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ لیکن ایمانی اخوت کے فہم میں جو خرابی آگئی ہے، وہی ان رویّوں پر اثر ڈالنے لگی ہے۔

(شیخ ابراہیم الرُّبَیش رحمۃ اللہ علیہ)

آخرت

شیخ احسن عزیز شہیدؒ

(تمہارا مجھ سے وعدہ تھا)

اُس دن کے لیے
جس دن کی تھکن
لفظوں میں نہ بولی جائے گی

اس غم کے لیے
جب فردِ عمل
کچھ ہو یا نہ ہو، لی جائے گی

اس شب کے لیے
جس شب کی سحر
مرنے سے نہ پہلے آئے گی
اور موت تو خود مر جائے گی!

اس صبح کے لیے
جس صبح کی مہک
پھولوں میں نہ تولی جائے گی

اس مے کے لیے
جس مے کی مُہر
دعووں سے نہ کھولی جائے گی

اس مے کے لیے کچھ دام بھرو
اس شب کے لیے بے نام رہو
اس صبح کے لیے کچھ کام کرو
ہر صبح جیو
ہر شام مرو!

اُمت کا اِمتحان لیا جا رہا ہے !

”اُمت کو فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ ادا کرنا ہوگا اور اُمت کو یہ واضح طور پر سمجھنا ہوگا کہ ان کی ولاء (وفاداری) اللہ عزّ وجل، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لیے ہے، اور انہیں شیطان اور کفار سے قطع تعلق کرنا اور ان سے دور رہنا ہوگا۔ اللہ عزّ وجل اس امت کا امتحان لے رہے ہیں اور ہمیں ایسی صورت حال میں جا بجا ڈالا جا رہا ہے کہ جن میں ہمیں ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ یہ اس امتحان کا حصہ ہے اور یہ امتحان اعلیٰ طبقات سے شروع ہوتا ہے اور بتدریج ادنیٰ درجوں کی جانب جاتا ہے۔ سو یہ بادشاہوں، صدور (سربراہوں) اور علماء سے شروع ہوتا ہے اور پھر ان سے نچلے لوگوں کی جانب بڑھتا ہے۔

اب آپ باڑ کی دونوں جانب کھڑے نہیں ہو سکتے، اب آپ کو ایک طرف اختیار کرنی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابتلا جاری رہے گی یہاں تک کہ دونوں گروہ قطعی طور پر علیحدہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ جس میں ایمان ہوگا اور نفاق نہیں ہوگا اور ایک گروہ جس میں کفر ہوگا اور ایمان نہیں ہوگا۔“

شیخ اَنور العولقی رَحِمَہُ اللہ

اِقتباس از درس:

اللہ ہمیں فتح کے لیے تیار کر رہا ہے۔